جنگ مقدس

فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم ونساءنا و نساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنت اللہ علی الکذبین ۝

رسالہ

جنگ مقدس

یعنی

روئیداد مباحثہ جو تحقیق حق کے واسطے

مابین

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الرحمۃ

و

ڈپٹی عبداللہ آتھم عیسائی

بمقام امرت سر ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء سے ۵ جون ۱۸۹۳ء تک ہوتا رہا

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

نے

باہتمام ماسٹر فقیر اللہ صاحب مہتمم تصنیفات چھپوا کر شایع کیا

قیمت ۱۲ آنہ

بیان القرآن یعنی اردو ترجمۃ و تفسیر القرآن

مصنفہ حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم اے ۔ امیر جماعت احمدیہ لاہور

اس بے نظیر تفسیر کی چند ایک خصوصیات جو اسے دوسری تفاسیر سے ممیز کرتی ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) قرآن کریم کے ایک مقام کو دوسرے مقام سے حل کیا گیا ہے

(۲) قرآن کریم کی تفسیر کرنے میں احادیث صحیحہ کو دوسری تمام باتوں پر مقدم کیا گیا ہے اور اس غرض کے لئے امام بخاری کی کتاب التفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر کو سامنے رکھا گیا ہے۔

(۳) لغات قرآن کریم کی پوری تشریح کی گئی ہے جس کے لئے مفردات امام راغب تاج العروس ۔ اور لسان العرب سے مدد لی گئی

(۴) قرآن کریم کی ترتیب اور نظم کو خاص طور پر واضح کیا گیا ہے۔ اول آیات قرآنی کا باہمی ربط، دوم رکوعوں کا باہمی تعلق سوم سورتوں کا ایک دوسرے سے تعلق واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

(۵) ہر ایک سورت کے شروع میں اسکے تمام رکوعوں کا خلاصہ دے دیا گیا ہے اور اس سورت کے نام میں جو حکمت ہے اسے ظاہر کیا گیا

(۶) قرآن کریم کا ترجمہ لفظی مگر با محاورہ کیا گیا ہے۔ اور ترجمہ کو الفاظ کی حد سے نہیں نکلنے دیا۔ اپنی طرف سے الفاظ بڑھانے کے اصول کو بالکل ترک کر دیا گیا ہے۔

(۷) قرآن کریم کی لغات کے حل اور مطالب کی تشریح میں متقدمین کی آرا کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ بلکہ ضرورت زمانہ کے مطابق متقدمین کی آرا کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے اور کتب کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔

(۸) اس تفسیر کی اصل غرض یہ ہے کہ لوگوں میں قرآن کریم کا شوق پیدا ہو ۔ اور جو لوگ زبان اردو لکھ پڑھ سکیں وہ اس تفسیر کی مدد سے خود قرآن شریف کا درس دے سکیں اس لئے ہر ایک بات عام فہم عبارت میں واضح کی گئی ہے۔

(۹) ہر ایک جلد کے شروع میں مضامین کی مکمل فہرست دی گئی ہے۔

(۱۰) ان تمام باتوں کے ساتھ کتاب کی ظاہری خوبی کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہر ایک صفحہ کے شروع میں قرآن کریم نہایت اعلیٰ درجہ کا خوشخط بین السطور ترجمہ نیچے تفسیر ۔ کاغذ نہایت اعلیٰ قسم کا جلد نہایت خوبصورت اور مضبوط پشت پر سنہری حروف میں کتاب کا نام اور جلد کا نمبر وسط میں سنہری طغریٰ

(۱۱) تمام تفسیر تین جلدوں میں شائع ہوئی ہر ایک جلد کی ضخامت ۲۲×۲۹/۸ تقطیع کے سات آٹھ سو صفحات کے قریب ہے۔ پہلی جلد قیمت نو روپیہ۔ محصول ڈاک و خرچ پیکنگ عہ/ دوسری جلد قیمت آٹھ روپے محصول ڈاک وغیرہ ایک روپیہ تیسری جلد کی قیمت دس روپے محصول ڈاک وغیرہ عہ/ وی پی کی درخواست کے ساتھ قیمت کا ایک حصہ پیشگی آنا چاہئے۔

درخواستیں بنام مہتمم دار الکتب اسلامیہ ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور آنی چاہئیں۔

۲۳۷۹

یعنی

تحقیق حق کے واسطے اہل اسلام اور عیسائیان امرتسر میں بمقام امرتسر

مباحثہ

۲۲- مئی ۱۸۹۳ء سے شروع ہو کر ۵- جون ۱۸۹۳ء کو

ختم ہوا

اہل اسلام کی طرف سے حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی بحث کیلئے قادیان سے امرتسر تشریف لائے، اور عیسائی صاحبان کی طرف سے ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب پنشنر انتخاب ہو کر جلسہ مباحثہ میں پیش ہوئے

روئیداد

جلسہ ۲۲- مئی ۱۸۹۳ء

۲۲ مئی ۱۸۹۳ء کو سوموار کے روز ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کی کوٹھی میں جلسۂ مباحثہ منعقد ہوا - سوا چھ بجے کارروائی شروع ہوئی - مسلمانوں کی طرف سے منشی غلام قادر صاحب فصیح وائس پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی سیالکوٹ میر مجلس قرار پائے اور عیسائیوں کی طرف سے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب میر مجلس قرار پائے - میرزا صاحب کے معاون مولوی نورالدین صاحب حکیم - سید محمد احسن صاحب اور شیخ اللہ دیا صاحب قرار پائے، اور ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کے معاون پادری جے ایل ٹھاکر داس صاحب اور پادری عبداللہ صاحب اور پادری ٹامس ہاول صاحب قرار پائے، چونکہ پادری جے ایل ٹھاکر داس صاحب آج تشریف نہیں لائے تھے - اسلئے آج کے دن ان کی بجائے پادری احسان اللہ صاحب معاون مقرر کئے گئے - سوا چھ بجے میرزا صاحب نے سوال لکھنا شروع کیا، اور سوا سات بجے ختم کیا، اور بلند آواز سے جلسہ کو سُنایا گیا، پھر ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے اپنا اعتراض پیش کرنے میں صرف پانچ منٹ خرچ کئے - پھر میرزا صاحب نے جواب الجواب لکھایا - مگر اس پر یہ اعتراض پیش ہوا - کہ میرزا صاحب نے جو سوال لکھایا ہے وہ شرائط کی ترتیب کے موافق نہیں یعنے پہلا سوال الوہیت مسیح کے متعلق ہونا چاہیئے اس پر شرائط کی طرف توجہ کیگئی - انگریزی اصلی شرائط اور ترجمہ کا مقابلہ کیا گیا، اور معلوم ہوا کہ میرزا صاحب کے پاس جو ترجمہ ہے اس میں غلطی ہے - بنابراں اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ الوہیت مسیح پر سوال شروع کیا جائے، اور جو کچھ اس سے پہلے لکھایا گیا ہے اپنے موقع پر پیش ہو -

۸ بجے ۲۶ منٹ پر میرزا صاحب نے الوہیت مسیح پر سوال لکھانا شروع کیا - ۹ بجے ۱۵ منٹ پر ختم کیا - اور بلند آواز سے سُنایا گیا - مسٹر عبداللہ آتھم نے ۹ بجے ۳۰ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ان کا جواب ختم نہ ہوا تھا کہ اُن کا وقت گذر گیا - اسپر میرزا صاحب ور میر مجلس اہل اسلام کیطرف سے اجازت دیگئی کہ مسٹر موصوف اپنا جواب ختم کرلیں اور پانچ منٹ کے زائد عرصہ میں جواب ختم کیا - بعدازاں فریقین کی تحریروں پر پریزیڈنٹوں کے دستخط ہوئے - اور مصدقہ تحریریں ایکدوسرے فریق کو دی گئیں - اور جلسہ برخاست ہوا

دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ ازجانب عیسائی صاحبان

دستخط بحروف انگریزی - غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ ازجانب اہل اسلام

تقریر حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

امّا بعد۔ واضح ہو کہ آج کا روز جو ۲۲۔ مئی ۱۸۹۳ء ہے۔ اُس مباحثہ اور مناظرہ کا دن ہے جو مجھ میں اور ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب میں قرار پایا ہے۔ اور اس مباحثہ سے مدعا اور غرض یہ ہے کہ حق کے طالبوں پر یہ ظاہر ہو جائے۔ کہ اسلام اور عیسائی مذہب میں سے کونسا مذہب سچا اور زندہ اور کامل اور منجانب اللہ ہے۔ اور نیز حقیقی نجات کس مذہب کے ذریعہ سے مل سکتی ہے۔ اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے بطور کلام کلّی کے اسی امر میں جو مناظرہ کی علت غائی ہے۔ انجیل شریف اور قرآن کریم کا مقابلہ اور موازنہ کیا جاوے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ اس مقابلہ و موازنہ میں کسی فریق کا ہرگز یہ اختیار نہیں ہوگا۔ کہ اپنی کتاب سے باہر جاوے۔ یا اپنی طرف سے کوئی بات مُنہ پر لاوے۔ بلکہ لازم اور ضروری ہوگا کہ جو دعوے کریں وہ دعوے اس الہامی کتاب کے حوالہ سے کیا جاوے۔ جو الہامی قرار دیگئی ہے۔ اور جو دلیل پیش کریں وہ دلیل بھی اسی کتاب کے حوالہ سے ہو۔ کیونکہ یہ بات بالکل سچی اور کامل کتاب کی شان سے بعید ہے کہ اُس کی وکالت اپنے تمام ساختہ پرداختہ سے کوئی دُوسرا شخص کرے اور وہ کتاب بکلّی خاموش اور ساکت ہو۔

اب واضح ہو کہ قرآن کریم نے اسلام کی نسبت جس کو وہ پیش کرتا ہے۔ یہ فرمایا ہے۔

ان الدین عند اللہ الاسلام (سیپارہ ۳۔ رکوع ۱۰) ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین (سیپارہ ۳۔ رکوع ۱۷) **ترجمہ** یعنی دین سچا اور کامل اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے اور جو کوئی بجز اسلام کے کسی اور دین کو چاہیگا۔ تو ہرگز قبول نہیں کیا جاویگا۔ اور وہ آخرت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا۔

پھر فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام

حاشیہ:
- تقریر حضرت میرزا صاحب
- مباحثہ کی اصلی غرض یہ ہے کہ عیسائیت اور اسلام میں سے کونسا زندہ مذہب ہے۔
- ہر فریق پر لازم ہے کہ دعویٰ اور دلیل اپنی الہامی کتاب سے ہی پیش کرے۔
- قرآن اسلام کو پیش کرتا ہے اور اس پر قرآن کریم سے چند دلائل

دیناً (سیپارہ ۶ - رکوع ۵) یعنے آج میں نے تمہارے لئے دین تمہارا کامل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو پسندیدہ کر لیا۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفیٰ باللہ شہیدا (سیپارہ ۲۶ - رکوع ۱۲) وہ خدا جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ تا وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے۔

قرآن کی تعریف میں آیات

پھر اللہ جل شانہ چند آیتیں قرآن کریم کی تعریف میں جو دین اسلام کو پیش کرتا ہے۔ فرماتا ہے۔ چونکہ قرآن کریم کی تعریف درحقیقت دین اسلام کی تعریف ہے۔ اسلئے وہ آیتیں بھی ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ ولقد صرفنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل فابیٰ اکثر الناس الا کفورا (سیپارہ ۱۵ - رکوع ۱۰) اور البتہ طرح طرح بیان کیا ہم نے واسطے لوگوں کے قرآن میں ہر ایک مثال سے پس انکار کیا اکثر لوگوں نے مگر کفر کرنا۔ یعنے ہم نے ہر ایک طور سے دلیل اور حجت کیساتھ قرآن کو پورا کیا۔ مگر پھر بھی لوگ انکار سے باز نہ آئے۔

قل اللہ یھدی للحق (سیپارہ ۱۱ - رکوع ۹) اللہ الذی انزل الکتاب بالحق و المیزان (سیپارہ ۲۵ - رکوع ۳) یعنے خدا وہ ہے جس نے کتاب یعنی قرآن شریف کو حق اور میزان کے ساتھ اُتارا۔ یعنی وہ ایسی کتاب ہے جو حق اور باطل کے پرکھنے کیلئے بطور میزان کے ہے انزل من السماء ماء فسالت اودیۃ بقدرھا (سیپارہ ۱۳ - رکوع ۸) **ترجمہ** آسمان سے پانی اُتارا پس ہر ایک وادی اپنے اپنے قدر میں بہ نکلا۔ ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم (سیپارہ ۱۵ - رکوع ۱) یہ قرآن اس تعلیم کی ہدایت کرتا ہے جو بہت سیدھی اور بہت کامل ہے۔

قل لئن اجتمعت الجن والانس علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا کہ اگر جن اور انس سب اس بات پر اتفاق کریں۔ کہ اگر اور کتاب جو کمالات قرآنی کا مقابلہ کر سکے پیش کر سکیں تو نہیں پیش کر سکیں گے۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔

پھر ایک اور جگہ فرماتا ہے ما فرطنا فی الکتاب من شیٔ (سیپارہ ۷ - رکوع ۱۰) یعنی تعلیمات ضروریہ میں سے کوئی چیز قرآن سے باہر نہیں رہی۔ اور قرآن ایک مکمل کتاب ہے جو کسی دوسری مکمل کا منتظر نہیں بناتا۔ انہ لقول فصل (سیپارہ ۳۰ - رکوع ۱۱) حکمۃ بالغۃ (سیپارہ ۲۷ - رکوع ۸) قرآن قول فصل ہے جو ہر ایک امر میں سچا فیصلہ دیتا ہے۔ اور انتہائی درجہ

کی حکمت ہے فلا اقسم بمواقع النجوم وانہ لقسم لو تعلمون عظیم (سیپارہ ۲۷۔ رکوع ۱۶) انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون۔ لا یمسہ الا المطھرون یعنی میں قسم کھاتا ہوں مطالع اور مناظر نجوم کی اور یہ ایک بڑی قسم ہے۔ اگر تمہیں حقیقت پر اطلاع ہو کہ یہ قرآن ایک بزرگ اور عظیم الشان کتاب ہے اور اس کو وہی لوگ چھوتے ہیں جو پاک باطن ہیں اور اس قسم کی مناسبت اس مقام میں یہ ہے۔ کہ قرآن کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ کہ وہ کریم ہے۔ یعنے روحانی بزرگیوں پر مشتمل ہے۔ اور بباعث نہایت بلند اور رفیع دقایق حقایق کے بعض کوتاہ بینوں کی نظروں میں اسی وجہ سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ جس وجہ سے ستارے چھوٹے اور نقطوں سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہ بات نہیں کہ درحقیقت وہ نقطوں کی مانند ہیں۔ بلکہ چونکہ مقام ان کا نہایت اعلےٰ وارفع ہے۔ اسلئے جو نظریں قاصر ہیں۔ انکی اصل ضخامت کو معلوم نہیں کر سکتیں انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم (سیپارہ ۲۵۔ رکوع ۱۴) ہم نے قرآن کو ایک ایسی بابرکت رات میں اوتارا ہے جس میں ہر ایک امر پر حکمت تفصیل کیساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ جیسے ایک رات بڑی ظلمت کے ساتھ نمودار ہوئی تھی۔ اسی کے مقابل پر اس کتاب میں انوار عظیمہ رکھے گئے ہیں جو ہر ایک قسم کے شک اور شبہ کی ظلمت کو ہٹاتے ہیں۔ اور ہر ایک بات کا فیصلہ کرتے ہیں اور ہر ایک قسم کی حکمت کی تعلیم کرتے ہیں اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور (سیپارہ ۳۔ رکوع ۲) اللہ دوستدار ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔ اور ان کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالتا ہے وانہ لتذکرۃ للمتقین (س ۲۹۔ ر ۵) ان ھذا لھو حق الیقین (سیپارہ ۲۷۔ رکوع ۱۶) وما ھو علی الغیب بضنین (سیپارہ ۳۰۔ رکوع ۶) یعنی قرآن متقیوں کو وہ سارے امور یاد دلاتا ہے۔ جو ان کی فطرت میں مخفی اور مستور تھے۔ اور یہ حق محض ہے۔ جو انسان کو یقین تک پہنچاتا ہے۔ اور یہ غیب کے عطا کرنے میں بخیل نہیں ہے۔ یعنے بخیلوں کیطرح اس کا یہ کام نہیں۔ کہ صرف آپ ہی غیب بیان کرے اور دوسرے کو غیبی قوت نہ دے سکے بلکہ آپ بھی غیب پر مشتمل ہے۔ اور پیروی کرنے والے پر بھی فیضان غیب کرتا ہے۔ یہ قرآن کا دعویٰ ہے۔ جس کو وہ اپنی تعلیم کی نسبت آپ بیان فرماتا ہے۔ اور پھر آگے چلکر اس کا ثبوت بھی آپ ہی دیگا۔ لیکن چونکہ اب وقت تھوڑا ہے۔ اس لئے وہ ثبوت جواب الجواب میں

لکھا جاوے گا۔ بالفعل ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ بپابندی اُن امور کے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ انجیل شریف کا دعویٰ بھی اسی طرز اور اسی شان کا پیش کریں۔ کیوں کہ ہر ایک منصف جانتا ہے۔ کہ ایسا تو ہرگز ہو نہیں سکتا کہ مدعی سُست اور گواہ چست۔ خاصکر اللہ جل شانہٗ جو قوی اور قادر اور نہایت درجہ کے علوم وسیع رکھتا ہے۔ جس کتاب کو ہم اس کی طرف منسُوب کریں۔ وہ کتاب اپنی ذات کی آپ قیوم چاہیئے۔ انسانی کمزوریوں سے بالکل مبرا اور منزہ چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ کسی دوسرے کے سہارے کی اپنے دعوے میں اور اثبات دعوےٰ میں محتاج ہے۔ تو وہ خدا کا کلام ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور یہ مکرر یاد رہے کہ اس وقت صرف مدعا یہ ہے۔ کہ جب قرآن کریم نے اپنی تعلیم کی جامعیت اور کاملیت کا دعویٰ کیا ہے یہی دعویٰ انجیل کا وہ حصہ بھی کرتا ہو جو حضرت مسیحؑ کی طرف منسُوب کیا جاتا ہے۔ اور کم سے کم اِس قدر تو ہو کہ حضرت مسیحؑ اپنی تعلیم کو مختتم قرار دیتے ہوں۔ اور کسی آیندہ وقت پر انتظار میں نہ چھوڑتے ہوں۔

عبد اللہ آتھم صاحب بھی انجیل کے دعوے کو اسی طرز پر پیش کریں

نوٹ

یہ سوال اس قدر لکھا گیا تھا۔ تو اُس کے بعد فریق ثانی نے اس بات پر اصرار کیا۔ کہ سوال نمبر ۲ یعنی بحث کے کسی دوسرے موقعہ میں پیش ہو بالفعل الوہیت مسیح کے بارے میں سوال ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ان کے اصرار کی وجہ سے یہ سوال جو ابھی غیر مختتم ہے۔ اِسی جگہ چھوڑا گیا۔ بعد میں بقیہ اِس کا شائع کیا جائے گا۔

الوہیت مسیح پر سوال

سوال الوہیت مسیح پر

۲۲ مئی ۱۸۹۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

امّا بعد واضح ہو کہ بموجب شرائط قرارداده پرچہ علیحده مورخہ ۲۴ اپریل ۱۸۹۳ء پہلا سوال ہماری طرف سے یہ تجویز ہوا تھا کہ ہم الوہیت حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ میں مسٹر عبداللہ آتھم صاحب سے سوال کریں گے۔ چنانچہ مطابق اسی شرط کے ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

جواب کیلئے ضروری ہے کہ اپنی الہامی کتاب کے حوالے سے ہو

واضح ہو کہ اس بحث میں یہ نہایت ضروری ہوگا۔ کہ جو ہماری طرف سے کوئی سوال ہو یا ڈپٹی عبداللہ آتھم کی طرف سے کوئی جواب ہو۔ وہ اپنی طرف سے نہ ہو۔ بلکہ اپنی اپنی الہامی کتاب کے حوالہ سے ہو۔ جس کو فریق ثانی حجت سمجھتا ہو۔ اور ایسا ہی ہر ایک دلیل اور ہر ایک دعویٰ جو پیش کیا جاوے۔ وہ بھی اسی التزام سے ہو۔ غرض کوئی فریق اپنی اس کتاب کے بیان سے باہر نہ جائے۔ جس کا بیان بطور حجت ہو سکتا ہے۔

بعد اس کے واضح ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کے بارہ میں قرآن کریم میں بغرض رد کرنے خیالات اُن صاحبوں کے جو حضرت موصوف کی نسبت خدا یا ابن اللہ کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہ آیات موجود ہیں۔

قرآن کریم میں تردید الوہیت مسیح

ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کانا یاکلان الطعام۔ انظر کیف نبین لھم الآیت ثم انظر انی یوفکون (سیپارہ ۶۔ رکوع ۱۴)

یعنی حضرت مسیح ابن مریم میں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ وہ صرف ایک رسول ہے۔ اور اس سے پہلے بھی رسول ہی آتے رہے ہیں۔ اور یہ کلمہ کہ اس سے پہلے بھی رسول ہی آتے رہے ہیں یہ قیاس استقرائی کے طور پر ایک استدلال لطیف ہے، کیونکہ قیاسات کے جمیع اقسام میں سے استقراء کا مرتبہ وہ اعلیٰ شان کا مرتبہ ہے۔ کہ اگر یقینی اور قطعی مرتبہ سے اسکو نظر انداز کر

دیا جائے تو دین و دنیا کا تمام سلسلہ بگڑ جاتا ہے۔ اگر ہم غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ حصہ کثیرہ دنیا اور ازمنہ گذشتہ کے واقعات کا ثبوت اسی استقراء کے ذریعہ سے ہوا ہے مثلاً ہم جو اس وقت کہتے ہیں کہ انسان منہ سے کھاتا اور آنکھوں سے دیکھتا اور کانوں سے سنتا اور ناک سے سونگھتا اور زبان سے بولتا ہے۔ اگر کوئی شخص کوئی مقدس کتاب پیش کرے اور اس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ یہ واقعات زمانہ گذشتہ ———— کے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ پہلے زمانہ میں انسان آنکھوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا۔ اور کان کے ذریعہ سے بولتا تھا۔ اور ناک کے ذریعہ سے دیکھتا تھا۔ ایسا ہی اور باتوں کو بھی بدل دے۔ یا مثلاً یہ کہے کہ کسی زمانہ میں انسان کی آنکھیں دو نہیں ہوتی نہیں بلکہ بیس ہوتی تھیں۔ دس تو سامنے چہرہ میں اور دس پشت پر لگی ہوئی تھیں تو اب ناظرین سوچ سکتے ہیں۔ کہ گو فرض کے طور پر ہم تسلیم بھی کرلیں۔ کہ ان عجیب تحریروں کا لکھنے والا کوئی مقدس اور راست باز آدمی تہا۔ مگر ہم اس یقینی نتیجہ سے کہاں اور کدھر گریز کرسکتے ہیں۔ جو قیاس استقرائی سے پیدا ہوا ہے۔ میری رائے میں ایسا بزرگ اگر نہ صرف ایک بلکہ کروڑ سے بھی زیادہ اور قیاس استقرائی کے نتائج قطعیہ یقینیہ کو توڑنا چاہیں تو ہرگز توڑ نہیں سکیں گے۔ بلکہ اگر ہم منصف ہوں اور حق پسندی ہمارا شیوہ ہو تو اس حالت میں کہ اس بزرگ کو ہم درحقیقت ایک بزرگ سمجھتے ہیں، اور اس کے الفاظ میں ایسے ایسے کلمات خلاف حقایق مشہودہ محسوسہ کے پاتے ہیں تو ہم اس کی بزرگی کی خاطر سے صرف عن الظاھر کریں گے اور ایسی تاویل کریں گے۔ جس سے اس بزرگ کی عزت قائم رہ جاوے۔ ورنہ یہ تو ہرگز نہ ہوگا کہ جو حقایق استقراء کے یقینی اور قطعی ذریعہ سے ثابت ہوچکے ہیں۔ وہ ایک روایت دیکھ کر ٹال دیئے جاویں۔ اگر ایسا کسی کا خیال ہو تو یہ بار ثبوت اس کی گردن پر ہے کہ وہ استقرا مثبتہ موجودہ قطعیہ یقینیہ کے برخلاف اس روایت کی تائید اور تصدیق میں کوئی امر پیش کر دیوے۔ مثلاً جو شخص اسبات پر بحث کرتا اور لڑتا جھگڑتا ہے۔ کہ صاحب ضرور پہلے زمانہ میں لوگ زبان کے ساتھ دیکھتے اور ناک کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے تو اسکا ثبوت پیش کرے اور جب تک ایسا ثبوت پیش نہ کرے۔ تب تک ایک مہذب عقلمند کی شان سے بہت بعید ہے کہ ان تحریرات پر بھروسہ کرکے کہ جن کے بصورت صحت بھی بیسیوں معنی ہوسکتے ہیں۔ وہ معنی اختیار کرے جو حقائق ثابت شدہ سے بالکل مغایر اور منافی پڑے ہوئے ہیں مثلاً اگر ایک

اگر کسی مقدس کتاب میں کوئی بات خلاف حقایق مشہودہ ہو تو ہم اس میں تاویل کریں گے۔

ڈاکٹر ہی سے اِسپات کا تذکرہ ہو کہ سم الفار اور وہ زہر جو تلخ بادام سے تیار کیا جاتا ہے۔ اور بیش یہ تمام زہریں نہیں ہیں۔ اور اگر ان کو دو دو سیر کے قدر بھی انسان کے بچوں کو کھلایا جاوے تو کچھ حرج نہیں۔ اور اس کا ثبوت یہ دیوے کہ فلاں مقدس کتاب میں ایسا ہی لکھا ہے اور راوی معتبر ہے۔ تو کیا وہ ڈاکٹر صاحب اس مقدس کتاب کا لحاظ کر کے ایک ایسے امر کو چھوڑ دیں گے۔ جو قیاس استقرائی سے ثابت ہو چکا ہے۔ غرض جبکہ قیاس استقرائی دنیا کے حقایق ثابت کرنے کے لئے اوّل درجہ کا مرتبہ رکھتا ہے۔ تو اسی جہت سے اللہ جل شانہٗ نے سب سے پہلے قیاس استقرائی کو ہی پیش کیا۔ اور فرمایا قد خلت من قبله الرسل یعنی حضرت مسیح علیہ السلام بیشک نبی تھے۔ اور اللہ جلشانہ کے پیارے رسول تھے مگر وہ انسان تھے۔ تم نظر اٹھا کر دیکھو کہ جب سے یہ سلسلہ تبلیغ اور کلام الٰہی کے نازل کرنے کا شروع ہوا ہے۔ ہمیشہ اور قدیم سے انسان ہی رسالت کا مرتبہ پا کر دنیا میں آتے رہے ہیں یا کبھی اللہ تعالےٰ کا بیٹا بھی آیا ہے۔ اور خلت کا لفظ اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ جہاں تک تمہاری نظر تاریخی سلسلہ کو دیکھنے کے لئے وفا کر سکتی ہے۔ اور گذشتہ لوگوں کا حال معلوم کر سکتے ہو۔ خوب سوچو اور سمجھو کہ کبھی یہ سلسلہ ٹوٹا بھی ہے۔ کیا تم کوئی ایسی نظیر پیش کر سکتے ہو۔ جس سے ثابت ہو سکے کہ یہ امر ممکنات میں سے ہے۔ پہلے بھی کبھی کبھی ہوتا ہی آیا ہے۔ سو عقلمند آدمی اس جگہ ذرہ ٹھہر کر اور اللہ جل شانہ کا خوف کر کے دل میں سوچے کہ حادثات کا سلسلہ اسپات کو چاہتا ہے۔ کہ اس کی نظیر بھی کبھی کسی زمانہ میں پائی جاوے۔

استقراء سے جو امر ثابت ہو کوئی عقلمند بغیر کسی ثبوت کے اسکا انکار نہیں کر سکتا۔

مسیح کے انسان ہونے کا قیاس استقرائی سے ثبوت

ہاں اگر بائیبل کے وہ تمام انبیاء اور صلحاء جن کی نسبت بائیبل میں بھی الفاظ موجود ہیں۔ کہ وہ خدا تعالےٰ کے بیٹے تھے یا خدا تھے۔ حقیقی معنوں پر حمل کر لئے جاویں تو بیشک اس صورت میں ہمیں اقرار کرنا پڑے گا۔ کہ خدا تعالےٰ کی عادت ہے کہ وہ بیٹے بھی بھیجا کرتا ہے۔ بلکہ بیٹے کیا کبھی کبھی بیٹیاں بھی۔ اور بظاہر یہ دلیل تو عمدہ معلوم ہوتی ہے اگر حضرات عیسائی صاحبان اس کو پسند فرماویں اور کوئی اس کو توڑ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ حقیقی غیر حقیقی کا تو وہاں کوئی ذکر ہی نہیں۔ بلکہ بعض کو تو پہلوٹا ہی لکھدیا۔ ہاں اس صورت میں بیٹوں کی میزان بہت بڑھ جائے گی۔ غرضکہ اللہ جلشانہ نے سب سے پہلے ابطال الوہیت کے لئے یہی دلیل استقرائی پیش کی ہے۔ پھر بعد اسکے ایک اور دلیل

اگر بائیبل کے الفاظ کو حقیقی معنوں پر حمل کیا جائے تو بہت سے خدا کے بیٹے اور بیٹیاں بن جائنگی

پیش کرتا ہے وامّہ صدّیقہ یعنے والدہ حضرت مسیحؑ کی راستباز تھی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ کو اللہ جلشانہ کا حقیقی بیٹا فرض کر لیا جاوے۔ تو پھر یہ ضروری امر ہے کہ وہ دوسروں کی طرح ایسی والدہ کے اپنے تولد میں محتاج نہ ہوں۔ جو باتفاق فریقین انسان تھی۔ کیونکہ یہ بات نہایت ظاہر اور کھلی کھلی ہے کہ قانون قدرت اللہ جل شانہ کا اسی طرح پر واقع ہے کہ ہر ایک جاندار کی اولاد اُس کی نوع کے موافق ہوا کرتی ہے۔ مثلاً دیکھو کہ جس قدر جانور ہیں۔ مثلاً انسان اور گھوڑا اور گدھا اور ہر ایک پرندہ وہ اپنی اپنی نوع کے لحاظ سے وجود پذیر ہوتے ہیں یہ تو نہیں ہوتا کہ انسان کسی پرندہ سے پیدا ہو جاوے یا پرند کسی انسان کے پیٹ سے نکلے۔ پھر ایک تیسری دلیل یہ پیش کی ہے۔ کانا یأکلان الطعام یعنے وہ دونوں حضرت مسیحؑ اور آپکی والدہ صدیقہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ اب آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کیوں کھانا کھاتا ہے۔ اور کیوں کھانا کھانے کا محتاج ہے۔ اس میں اصل بھید یہ ہے کہ ہمیشہ انسان کے بدن میں سلسلہ تحلیل کا جاری ہے۔ یہاں تک کہ تحقیقات قدیمہ اور جدیدہ سے ثابت ہے کہ چند سال میں پہلا جسم تحلیل پاکر معدوم ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا بدن بدل ما یتحلل ہو جاتا ہے اور ہر ایک قسم کی جو غذا کھائی جاتی ہے اُس کا بھی روح پر اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ امر بھی ثابت شدہ ہے۔ کہ کبھی روح جسم پر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ اور کبھی جسم روح پر اپنا اثر ڈالتا ہے جیسے اگر روح کو یکدفعہ کوئی خوشی پہونچتی ہے تو اس خوشی کے آثار یعنی بشاشت اور چمک چہرہ پر بھی نمودار ہوتی ہے اور کبھی جسم کے آثار ہنسنے رونے کے روح پر پڑتے ہیں۔ اب جبکہ یہ حال ہے تو کسقدر مرتبہ خدائی سے یہ بعید ہوگا کہ اپنے اللہ کا جسم بھی ہمیشہ اُڑتا رہے اور تین چار برس کے بعد اور جسم آوے ماسوا اسکے کھانے کا محتاج ہونا بالکل اس مفہوم کے مخالف ہے جو خدا تعالےٰ کی ذات میں مُسلم ہے۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت مسیحؑ ان حاجتمندیوں سے بری نہیں تھے جو تمام انسانوں کو لگی ہوئی ہیں۔ پھر یہ ایک عمدہ دلیل اس بات کی ہے کہ وہ باوجود ان دردوں اور دکھوں کے خدا ہی تھے یا ابن اللہ تھے۔ اور درد ہم نے اس لئے کہا کہ بھوکھ بھی ایک قسم درد کی ہے۔ اور اگر زیادہ ہو جائے تو موت تک نوبت پہنچاتی ہے۔

حضرت مریم کا انسان ہونا ابطال الوہیت مسیح کی دوسری دلیل۔

تیسری دلیل کہ حضرت مسیح کھانا کھایا کرتے تھے

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

مسٹر عبداللہ آتھم کا جواب

جواب از طرف مسٹر عبداللہ آتھم صاحب مسیحی

اگر یہ جناب کا قول صحیح ہے کہ ہر امر کی حقیقت تجربہ ہی پر مدار رکھتی ہے۔ یعنی جو تجربہ کے برخلاف ہے وہ باطل ہے۔ تب تو ہم کو صفت خالقہ کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ہمارے تجربہ میں کوئی چیز خلق نہیں ہوتی۔ اور آدم کا بغیر والدین پیدا ہونے کا بھی انکار کرنا پڑیگا اور ہم یہ نہیں جانتے کہ ایسا ہم کیوں کریں۔ کیونکہ نا ممکن مطلق ہم اس کو کہتے ہیں۔ جو کوئی امر کسی صفت ربانی کے مخالف ہو۔ اور یہ چیزیں جو ہمارے تجربہ کے باہر ہیں۔ مثلاً خلقت کا ہونا یعنے بلا سامان کے عدم سے وجود میں آنا اور آدم کا بخلاف سلسلہ موجودہ کے پیدا ہونا ہم کسی صفت مقدسہ خدا تعالیٰ کے مخالف نہیں دیکھتے۔

دوم ۔ بجواب آپ کے دوسرے مقدمہ کے آپ کو یقین ہونا چاہیئے۔ کہ ہم اس شے مرئی کو جو کھانے پینے وغیرہ حاجتوں کے ساتھ ہے اللہ نہیں مانتے۔ بلکہ مظہر اللہ کہتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا مقدمہ ہے جیسا قرآن میں بابت اس آگ کے جو جھاڑی میں نظر آتی تھی لکھا ہے کہ اے موسیٰ اپنی نعلین دور کر کیوں کہ یہ وادی طویٰ ہے۔ اور کہ میں تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا خدا ہوں۔ موسیٰ نے اسکو تسلیم کیا۔ اب فرمایئے شئے مرئی تو خدا نہیں ہو سکتی اور رویت مرئی تھی۔ پس ہم اس کو مظہر اللہ کہتے ہیں۔ اللہ نہیں کہتے ویسے ہی یسوع مخلوق کو ہم اللہ نہیں کہتے۔ بلکہ مظہر اللہ کہتے ہیں۔ کیا یہ ستون جو خشت وخاک کا سامنے نظر کے ہے۔ اس میں سے اگر خدا آواز دے کر کہنا چاہے۔ کہ میں تمہارا خدا ہوں اور میری فلاں بات سنو۔ تو گو تجربہ کے برخلاف یہ امر ہے تو کیا امکان کے برخلاف ہے کہ خدا ایسا نہیں کر سکتا (ہمارے نزدیک تو امکان کے برخلاف نہیں)

سوم ۔ ہم نے ابن اللہ کو جسم نہیں مانا۔ ہم تو اللہ کو روح جانتے ہیں۔ جسم نہیں۔

چہارم ۔ امر کے بارہ میں ہماری التماس یہ ہے۔ کہ بیشک تاویل طلب امر کو تاویل کرنا چاہیئے لیکن حقیقت کو چاہیئے کہ تاویل کو نہ بگاڑے۔ اگر کوئی حقیقت برخلاف امر واقعی کے ہے تو بالمرہ حکم بطلان کا اس پر دینا چاہیئے۔ نہ کہ بطلان کو مروڑ کے حق بنانا۔

پنجم امر کے بارہ میں جناب کی خدمت میں واضح ہو کہ لفظ بیٹے اور پہلوٹھے کا بائبل میں دو

طرح پر بیان ہوا ہے یعنی ایک تو یہ کہ وہ یک تن ساتھ خدا کے ہو- دوم یہ کہ یک من ساتھ رضا الٰہی کے ہو- یک تن وہ ہے جو ماہیت میں واحد ہو- اور یک من وہ ہے جو ماہیت کا شریک نہیں- بلکہ رضا کا شریک ہو کسی نبی یا بزرگ کے بارہ میں بائبل میں یہ لکھا ہے کہ اے تلوار میرے چرواہے اور ہمتا پر اُٹھ (زکریا ۱۳-۷) اور پھر کسی کے بارہ میں ایسا لکھا ہے- کہ تخت داؤدی پر یہوواہ صدقنو آوے گا- (یرمیا) اور کسی نے یہ کہا کہ میں الفا اور میگا و قادر مطلق خداوند ہوں اور کسی کے بارہ میں یہ لکھا گیا کہ میں جو حکمت ہوں قدیم سے خدا کے ساتھ رہتی تھی، اور میرے وسیلہ سے یہ ساری خلقت ہوئی اور یہ کہ جو کچھ خلقت کا ظہور ہے اسی کے وسیلہ سے ہے- خدا باپ کو کسی نے نہیں دیکھا لیکن اکلوتے (خدا) نے اُسے ظاہر کردیا- (یوحنا ۱-۱۸)

اب اس پر انصاف کیجئے کہ یہ الفاظ متعلق یک تن کے ہیں- یا یک من کے نیز یہ بھی ایک بات یاد رکھنے کے لایق ہے- یسعیاہ ۹-۶ میں کہ وہ جو بیٹا ہم کو بخشا جاتا ہے اور فرزند تولد ہوتا ہے وہ ان خطابوں سے مزین ہے- یعنے خدائے قادر- اب آبدیت- شاہ سلامت- مشیر- عجوبہ تخت داؤدی پر آنے والا- جس کی سلطنت کا زوال کبھی نہ ہوگا-

ششم جو آپ نے قرآن سے استدلال کیا ہے- مجھے افسوس ہے کہ میں اب تک اس کے الہامی ہونے کا قایل نہیں- جب آپ اس کو الہامی ثابت کرکے قایل کردیں گے تو اُس کی سندات آپ ہی مانی جائیں گی-

ہفتم جناب من فطرت یا خلقت فعل الٰہی ہے اور الہام قول الٰہی- فعل اور قول میں تناقض نہیں ہونا چاہیئے اگر کوئی کلام مبہم معلوم ہووے یا بادی النظر میں مشکل معلوم ہووے تو اسکی تاویل ہم معقولات ہی سے کریں گے- ورنہ کہاں جائیں گے؟ چنانچہ جناب نے خود ہی فرمایا کہ امور تاویل طلب کی تاویل واجب ہے اور جناب اس سے بھی بڑھکر فرماتے ہیں کہ تجربہ کے برخلاف ہم کچھ نہ لیوینگے تو گویا یہ بھی رجوع کرنا طرف فطرت کے ہے- جس کے ہم کلیۃً متفق نہیں ہیں-

ہشتم بجواب آٹھویں کے اتنی ہی عرض ہے کہ جہاں بیٹے حقیقی اور غیر حقیقی کی امتیاز بائبل میں نہ ہو تو ہماری عقل کو روک نہیں- کہ ہم اس میں امتیاز نہ کریں- اور دوسروں کے ساتھ بھی اگر یہی صفات ملحقہ ہوں جیسے مسیح کے ساتھ ہیں تو ہم ان کو بھی مسیح جیسا مان لیں گے-

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

روئیداد مباحثہ ۲۳-مئی ۱۸۹۳ء

دوسرا پرچہ

مباحثہ ۲۳-مئی ۱۸۹۳ء

روئیداد

آج پھر جلسہ منعقد ہوا - اور آج پادری جے - ایل ٹھاکرداس صاحب بھی جلسہ میں تشریف لائے - یہ تحریک پیش ہوئی - اور باتفاق رائے منظور ہوئی کہ کوئی تحریر جو مباحثہ میں کوئی شخص اپنے طور پر قلمبند کرے قابل اعتبار نہ سمجھی جائے - جب تک کہ اس پر ہر دو میر مجلس صاحبان کے دستخط نہ ہوں -

اس کے بعد ۶ بجے ۳۰ منٹ اوپر میرزا صاحب نے اپنا سوال لکھانا شروع کیا - اور اُن کا جواب ختم نہ ہوا تھا کہ اُن کا وقت گذر گیا - اور مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب اور میر مجلس عیسائی صاحبان کی طرف سے اجازت دی گئی کہ میرزا صاحب اپنا جواب ختم کر لیں - اور ۱۶ منٹ کے زائد عرصہ میں جواب ختم کیا - بعد ازاں یہ قرار پایا کہ مقررہ وقت سے زیادہ کسی کو نہ دیا جائے - مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے آٹھ بجے ۱۱ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا درمیان میں فہرست آیات کے پڑھے جانے کے متعلق تنازعہ میں صرف ہوا - یعنے ۵ منٹ مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب کے وقت میں ایزاد کئے گئے - اور ۹ بجے ۱۶ منٹ پر جواب ختم ہوا میرزا صاحب نے ۹ بجے ۲۷ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا - اور ۱۰ بجے ۲۷ منٹ پر ختم ہو گیا - اور بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط کئے گئے - اور تحریریں فریقین کو دی گئیں اور جلسہ برخاست ہوا -

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)	غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

بیان حضرت میرزا صاحب

بیان سوال از حضرت میرزا صاحب

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کل ۲۲-مئی ۱۸۹۳ء کو جو میں نے حضرت مسیحؑ کی الوہیت کے بارہ میں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب سے سوال کیا تھا۔ اس میں قابل جواب تو امر تھے۔ سب سے پہلے میں نے یہ لکھا تھا کہ فریقین پر لازم و واجب ہو گا۔ کہ اپنی اپنی الہامی کتاب کے حوالہ سے سوال و جواب تحریر کریں۔ پھر ساتھ ہی اسکے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ ہر ایک دلیل یعنے دلیل عقلی اور دعویٰ جس کی تائید میں وہ دلیل پیش کی جائے اپنی اپنی کتاب کے حوالہ اور بیان سے دیا جائے۔ میرا اس میں یہ مدعا تھا کہ ہر ایک کتاب کی اس طور سے آزمایش ہو جائے کہ اُن میں یہ قوت اعجازی پائی جاتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں جو مثلاً قرآن کریم پر قریب تیرہ سو برس کے گذر گئے جب وہ نازل ہوا تھا۔ ایسا ہی انجیل پر قریب انیس سو برس کے گذرتے ہیں۔ جب انجیل حواریوں کی تحریر کے مطابق شائع ہوئی۔ تو اس صورت میں صرف اُن منقولات پر مدار رکھنا جو اُن کتابوں میں لکھی گئی ہیں۔ اُس شخص کے لئے مفید ہو گا جو ان پر ایمان لاتا ہے اور انکو صحیح سمجھتا ہے اور جو معنے اُن کے کئے جاتے ہیں۔ ان معنوں پر بھی کوئی اعتراض نہیں رکھتا لیکن اگر معقولی سلسلہ اس کے ساتھ شامل ہو جاوے تو اس سلسلہ کے ذریعہ سے بہت جلد سمجھ آجائے گا کہ خدا تعالےٰ کا سچا اور پاک اور کامل اور زندہ کلام کونسا ہے سو میرا یہ مطلب تھا کہ جس کتاب کی نسبت یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فی حدذاتہ کامل ہے اور تمام مراتب ثبوت کے وہ آپ پیش کرتی ہے تو پھر اُسی کتاب کا یہ فرض ہو گا کہ اپنے اثبات دعاوی کے لئے دلایل معقولی بھی آپ ہی پیش کرے نہ یہ کہ کتاب پیش کرنے سے بالکل عاجز اور ساکت ہو اور کوئی دوسرا شخص کھڑا ہو کر اسکی حمایت کرے اور ہر ایک منصف بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اگر اس طریق کا التزام فریقین اختیار کرلیں۔ تو احقاق حق اور ابطال باطل بہت سہولیت سے ہو سکتا ہے۔ میں امید رکھتا تھا کہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب جو پہلے سے یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ انجیل درحقیقت ایک کامل کتاب ہے وہ اس دعویٰ کے ساتھ ضرور اسبات کو مانتے ہونگے کہ انجیل اپنے دعاوی کو معقولی طور پر آپ پیش کرتی ہے۔ لیکن صاحب

جس کتاب کا دعویٰ ہے کہ وہ کامل ہے چاہیئے کہ دلایل معقولی بھی خود پیش کرے

موصوف کے کل کے جواب سے مجھے بہت تعجب اور افسوس بھی ہوا کہ صاحب موصوف نے اس طرف ذرا توجہ نہیں فرمائی بلکہ اپنے جواب کی دفعہ ششم میں مجھ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ "آپ نے قرآن سے جو استدلال کیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اب تک اُسکے الہامی ہونے کا قایل نہیں۔ جب آپ اس کو الہامی ثابت کر کے قایل کر دیں گے تو اسکی سندات آپ ہی مانی جائیں گی"۔ اب ہر ایک سوچنے والا غور کر سکتا ہے کہ میرا یہ منشا کب تھا کہ وہ ہر ایک بات قرآن شریف کی بے تحقیق مان لیں۔ میں نے تو یہ لکھا تھا یعنے میرا یہ منشاء تھا کہ دلایل عقلیہ جو فریقین کی طرف سے پیش ہوں وہ اپنے ہی خیالات کے منصوبوں سے پیش نہیں ہونی چاہئیں۔ بلکہ چاہیئے کہ جس کتاب نے اپنے کامل ہونے کا دعوی کیا ہے وہ دعویٰ بھی بتصریح ثابت کر دیا جاوے اور پھر وہی کتاب اس دعویٰ کے ثابت کرنے کے لئے معقولی دلیل پیش کرے اور اس طور کے التزام سے جو کتاب اخیر پر غالب ثابت ہوگی اس کا یہ اعجاز ثابت ہوگا۔ کیونکہ قرآن شریف صاف فرماتا ہے کہ میں کامل کتاب ہوں جیسا کہ فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (سیپارہ ۶ رکوع ۹) اور جیسا کہ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم (سیپارہ ۱۵۔ رکوع ۱) دونوں آیتوں کا ترجمہ یہ ہے کہ آج میں نے دین تمہارا تمہارے لئے کامل کیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا۔ اور یہ قرآن ایک سیدھے اور کامل راہ کی طرف راہبری کرتا ہے۔ یعنے راہبری میں کامل ہے اور راہبری میں جو لوازم ہونے چاہئیں۔ دلایل عقلیہ اور برکات سماویہ میں سے وہ سب اسمیں موجود ہیں۔ اور حضرات عیسائی صاحبوں کا یہ خیال ہے کہ انجیل کامل کتاب ہے اور راہبری کے تمام لوازم انجیل میں موجود ہیں۔ پھر جب کہ یہ بات ہے تو اب دیکھنا ضرور ہوا کہ اپنے دعوی میں صادق کون ہے۔ اسی بنا پر الوہیت حضرت مسیح ؑ کے دلایل بھی جو معقولی طور پر ہوں انجیل سے پیش کرنے چاہئیں تھے جیسا کہ قرآن کریم نے ابطال الوہیت کے دلایل معقولی طور پر بھی علاوہ اور دلایل کے جو برکات وغیرہ انوار سے اپنے اندر رکھتا ہے پیش کئے۔ سو اب امید کہ مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب ہمارے سوال کا منشاء سمجھ گئے ہوں گے تو چاہیئے کہ اس منشاء کے مطابق انجیل کی طاقت اور قوت سے ایسے دلایل پیش کئے جائیں نہ اپنی طرف سے اور جو شخص ہم فریقین میں سے اپنی طرف سے کوئی معقولی دلیل یا کوئی دعویٰ پیش کرے گا تو ایسا پیش کرنا اُس کا اسبات پر

کسی کتاب کی پیش کردہ مجمل دلیل کی تفصیل کی جا سکتی ہے

نشان ہوگا کہ اُس کی وہ کتاب کمزور ہے اور وہ طاقت اور قوت اپنے اندر نہیں رکھتی - جو کامل کتاب میں ہونی چاہیئے - لیکن یہ جائز ہوگا کہ اگر کوئی کتاب کسی معقولی دلیل کو اجمالی طور پر پیش کرے، مگر ایسے طور سے کہ اُس کا پیش کرنا کوئی امر مشتبہ نہ ہو اور اسی کے سیاق سباق اور اسی کے دوسرے مقامات سے پتہ مل سکتا ہو کہ اُسکا یہی منشاء ہے کہ ایسی دلیل پیش کرے کہ گو وہ دلیل اجمالی ہو - مگر ہر ایک فریق کو اختیار ہوگا کہ عوام کے سمجھانے کے لئے کچھ بسط کے ساتھ اس دلیل کے مقدمات بیان کر دیوے - لیکن یہ ہرگز جائز نہیں ہوگا - کہ اپنی طرف سے کوئی دلیل تراش خراش کر کے الہامی کتاب کی ایسے طور سے مدد دی جائے کہ جیسے ایک کمزور اور بے طاقت انسان کو یا ایک میت کو اپنے بازو اور اپنے ہاتھ کے سہارے چلایا جائے - پھر بعد اس کے استقراء کے بارے میں جو مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے جرح کیا ہے - نہ جرح بھی قلت تدبر کی وجہ سے ہے وہ فرماتے ہیں - کہ اگر یہ قول یعنے دلیل استقراء صحیح سمجھی جائے - جو قرآن کریم پیش کرتا ہے - تو پھر آدم کا بغیر والدین پیدا ہونا قابل تسلیم نہیں ہوگا اور صفت خالقہ کا بھی انکار کرنا پڑے گا - افسوس کہ صاحب موصوف اسبات کے سمجھنے سے غافل رہے کہ دلایل استقرائیہ میں یہی قاعدہ مسلم الثبوت ہے کہ جب تک اس حقیقت ثابت شدہ کے مقابل پر جو بذریعہ دلیل استقرائی کے ثابت ہو چکی ہے - کوئی امر اُس کا مخالف اور منافی پیش نہ کیا جائے جس کا ظاہر ہونا بھی بپایہ ثبوت پہنچ چکا ہے تب تک دلیل استقرائی ثابت اور برقرار رہے گی - مثلاً انسان کا ایک سر ہوتا ہے اور دو آنکھ - تو اس کے مقابل پر صرف اس قدر کہنا کافی نہیں ہوگا کہ ممکن ہے کہ دنیا میں ایسے آدمی بھی موجود ہوں جن کے دس سر اور بیس آنکھیں ہوں بلکہ ایسا انسان کہیں سے پکڑ کر دکھلا بھی دینا چاہیئے - اس بات میں فریقین میں سے کس کو انکار ہے - کہ حضرت آدم بغیر باپ اور ماں کے پیدا ہوئے تھے - اور ان کی نسبت سنت اللہ اسیطرح پر ثابت ہو چکی ہے - لیکن امر متنازعہ فیہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے - کہ جو فریقین کے نزدیک مسلم اور ثابت شدہ قرار پائی ہو - بلکہ فریق مخالف حضرات عیسائیوں کی جو کتاب ہے یعنے قرآن کریم وہ آپ سے یہ بات پیش کرتا ہے کہ دلیل استقرائی سے یہ امر باطل ہے - اب اگر یہ دلیل تام اور کامل نہیں ہے تو چاہیئے کہ انجیل میں سے یعنے حضرت مسیح کے کلام میں سے اسکے مخالف کوئی دلیل پیش کی جائے - جس سے ثابت ہو کہ یہ دلیل پیش کردہ قرآن کی

اگر دلیل استقرائی کو بغیر کسی مخالف نظیر کے رد کیا جائے تو تمام فنون و علوم ضائع ہو جائینگے۔

بہ ضعف رکھتی ہے اور خود ظاہر ہے کہ اگر دلایل استقرائیہ کو بغیر پیش کرنے نظیر مخالف کے یُوں ہی رد کر دیا جائے تو تمام علوم و فنون ضائع ہو جائیں گے۔ اور طریق تحقیق بند ہو جائیگا۔ مثلاً میں مسٹر عبداللہ آتھم صاحب سے دریافت کرتا ہوں۔ کہ اگر آپ کسی اپنے ملازم کو ایکہزار روپیہ بطور امانت کے رکھنے کو دیں اور وہ روپیہ صندوق میں بند ہو اور تالی اسکی اُس ملازم کے پاس ہو اور کوئی صورت اور کوئی شبہ چوری جانے مال کا نہ ہو۔ اور وہ آپکے پاس یہ عذر پیش کرے کہ حضرت وہ روپیہ پانی ہو کر بہ گیا ہے۔ یا ہوا ہو کر نکل گیا ہے تو کیا آپ یہ اُس کا عذر قبول کر لیں گے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی امر صفات الہیہ کے مخالف نہ پڑے تب تک ہم اس کو جایز اور ممکن کی ہی مد میں رکھیں گے۔ مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ ایک مدت تک عہدہ اکسٹرا اسسٹنٹی پر مامور رہ کر مقدمات دیوانی و فوجداری وغیرہ کرتے رہے ہیں۔ کیا اس عجیب طرز کا بھی کوئی مقدمہ آپ نے کیا ہے۔ کہ ایسے بیہودہ عذر کو قابل اطمینان عدالت قرار دیکر فریق عذر کنندہ کے حق میں ڈگری کر دی ہو۔ حضرات آپ پھر ذرا توجہ سے غور کریں کہ یہ بات ہرگز درست نہیں ہے۔ کہ جو شخص دلایل استقرائیہ کے برخلاف کوئی امر جدید اور خلاف دلایل استقراء پیش کرے تو اس امر کو بدون اسکے کہ وہ نظایر سے ثابت کر دیا جائے قبول کر لیں۔ اور یہ نظیر جو آپ نے پیش کی ہے کہ اس صورت میں ہم کو صفت خالقہ کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ میں حیران ہوں کہ یہ دلیل کیوں پیش کی گئی ہے۔ اور اس محل سے اس دلیل کو تعلق ہی کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں۔ اور مسلمانوں اور عیسائیوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صفات الٰہیہ جو اُس کے افعال سے متعلق ہیں۔ یعنے خلق وغیرہ سے وہ اپنی مفہوم میں قوت عموم کی رکھتی ہے۔ یعنی اُن کی نسبت یہ مان لیا گیا ہے کہ اللہ جلشانہٗ ابدی ازلی طور پر اُن صفات سے کام لے سکتا ہے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے پیدا کیا ہے تو کیا ہم فریقین میں کوئی اپنی کتاب کی رو سے ثبوت دے سکتا ہے۔ کہ اس طرز کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قوت جو استقراء سے ثابت ہے اس حد تک ختم ہو چکی ہے۔ بلکہ فریقین کی کتابیں اس بات کو ظاہر کر رہی ہیں۔ کہ اللہ جلشانہٗ نے جو کچھ پیدا کیا ہے ایسا ہی وہ پھر بھی پیدا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہٗ قرآن کریم میں فرماتا ہے
اولیس الذی خلق السموات والارض بقادر علی ان یخلق مثلھم بلیٰ وھو

الخلاق العلیم۔ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون۔ فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئ والیہ ترجعون۔ (س ۲۳۔ رکوع ۴) کیا وہ جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اِسمیات پر قادر نہیں کہ ان تمام چیزوں کی مانند اور چیزیں بھی پیدا کرے بیشک قادر ہے اور وہ خلاق علیم ہے یعنے خالقیت میں وہ کامل ہے۔ اور ہر ایک طور سے پیدا کرنا جانتا ہے۔ حکم اس کا اس سے زیادہ نہیں کہ جب کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہو پس ساتھ ہی وہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر ایک چیز کی بادشاہی ہے اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے۔ پھر ایک دوسرے مقام میں فرماتا ہے الحمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم ملک یوم الدین یعنی تمام محامد اللہ کیلئے ثابت ہیں جو تمام عالموں کا ربّ ہے یعنی اُس کی ربوبیت تمام عالموں پر محیط ہے پھر ایک اور مقام میں فرماتا ہے وھو بکل خلق علیم یعنی وہ ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے اور ڈپٹی عبداللہ صاحب نے جو چند پیشگوئیاں اپنے تائید دعویٰ میں پیش کی ہیں۔ وہ ہماری شرط سے بالکل مخالف ہیں۔ ہماری شرط میں یہ بات داخل ہے کہ ہر ایک دعویٰ اور دلیل اسکی الہامی کتاب آپ پیش کرے۔ ماسوا اسکے ڈپٹی صاحب کو اس بات کی خوب خبر ہے کہ یہ پیشگوئیاں صرف زبردستی کی راہ سے حضرت مسیح علیہ السلام پر جمائی جاتی ہیں۔ اور ایسے طور کی یہ پیشگوئیاں نہیں ہیں کہ اول حضرت مسیح نے آپ پوری پیشگوئی نقل کرکے اسکا مصداق اپنے تئیں ٹھیرایا ہو اور مُفسرین کا اس پر اتفاق بھی ہو۔ اور اصل عبری زبان سے اسی طور سے ثابت بھی ہوتی ہوں۔ سو یہ بار ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔ جب تک آپ اس التزام کے ساتھ اس کو ثابت نہ کردیں۔ تب تک یہ بیان آپ کا ایک دعویٰ کے رنگ میں ہے جو خود دلیل کا محتاج ہے۔ چونکہ ہمیں ان پیشگویوں کی صحت، اور پھر صحت تاویل اور پھر صحت ادعاء مسیح میں آپ کے ساتھ اتفاق نہیں ہے اور آپ مدعی صحت ہیں تو یہ آپ پر لازم ہوگا۔ کہ آپ ان مراتب کو مُصفا اور منقح کرکے ایسے طور سے دکھلاویں کہ جس سے ثابت ہو جائے۔ کہ ان پیشگویوں کی تاویل میں یہودی جو اصل وارث توریت کے کہلاتے ہیں۔ وہ بھی آپ کے ساتھ ہیں اور کل مفسر بھی آپ کے ساتھ ہیں اور حضرت مسیح ع نے بھی تمام پیشگوئیاں جو آپ ذکر کرتے ہیں بحوالہ کتاب و باب و آیت پورے طور پر بیان کرکے اپنی طرف منسوب کی ہیں اور آپ کی رائے کے مخالف آج تک کسی وارث توریت نے اختلاف بیان نہیں کیا

جو پیشگوئیاں حضرت مسیح علیہ السلام پر لگائی گئی ہیں اُن کا ثبوت دینا چاہئے

اور صاف طور پر حضرت مسیح ابن مریم کے بارہ میں جن کو آپ خدائی کے رتبہ پر قرار دیتے ہیں قبول کر لیا ہے۔ اور اُن کے خدا ہونے کے لئے یہ ثبوت کافی سمجھ لیا ہے تو پھر ہم اس کو قبول کرینگے اور بڑے شوق سے آپ کے اس ثبوت کو سُنیں گے۔ لیکن اس نازک مسئلہ کی زیادہ تصریح کے لئے پھر یاد دلاتا ہوں۔ کہ آپ جب تک اِن تمام مراتب کو جو میں نے لکھے ہیں۔ بغیر کسی اختلاف کے ثابت کر کے نہ دکھلادیں۔ اور ساتھ ہی یہود کے علماء کی شہادت ان پیشگوئیوں کی بنا پر حضرت ابن مریم کے خدا ہونے کے لئے پیش نہ کریں۔ تب تک یہ قیاسی ڈھکوسلے آپکے کسی کام نہیں آسکتے۔ دوسرا حصّہ اس کا جواب الجواب میں بیان کیا جائیگا اب وقت تھوڑا ہے

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ) از جانب اہل اسلام	ھنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ) از جانب عیسائی صاحبان

جواب از طرف مسٹر عبداللہ آتھم صاحب

جواب از طرف مسٹر عبداللہ آتھم صاحب مسیحی

اوّل بجواب آپ کے اے میرزا صاحب میرے مکرم! میں لفظ استقراء کی شرح کا آپ سے طلبگار ہوں۔ کیا اس کی مراد تجربہ یا معمول سے نہیں جو اسکے سوا ہو وہ فرما دیجئے۔

دوم آپکے دوسرے مقدمہ میں جو آپ فرماتے ہیں کہ الہام شرح اپنی آپ ہی کرے اور اُسکو محتاج معقولات کا نہ کیا جائے بہت سا حصّہ صحیح ہے۔ مگر سمجھنے کے واسطے الہام اور عقل کی وہی تشبیہ ہے جو آنکھ اور روشنی کی ہے۔ روشنی ہو اور آنکھ نہ ہو تو فایدہ نہیں ہے۔ آنکھ گو ہو اور روشنی نہ ہو تب بھی فایدہ نہیں۔ سمجھنے کے واسطے عقل درکار ہے۔ اور جس امر کو سمجھیں وہ چاہیئے کہ الہامی ہو۔ مراد میری یہ ہے کہ وہ امر جو مدد نہیں پاتا الہام سے اور صرف انسانی خیال کی گھڑت ہو۔ وہ البتہ الہام میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ مگر جو الہام میں ہے اور شمع الہامی نیچے رکھی ہوئی ہے تو اُسکے واسطے عقل انسانی شمعدان ہو سکتی ہے؟

امر سوم جناب یہودیوں کا اتفاق ہم سے کیوں طلب کرتے ہیں۔ جبکہ لفظ موجود ہیں اور لغت موجود ہے اور قواعد موجود ہیں۔ خود معنی کر لیں جو معنی بن سکیں وہ ٹھیک ہیں۔ لفظ بلفظ

۲۰

کا میں ذمہ نہیں اُٹھا سکتا۔ مگر بالاجمال ساری نبوتوں کو اس مقدمہ میں مسیح نے اپنے اُوپر لیا ہے۔ چنانچہ یوحنا کے ۵ باب۔ ۳۹ آیت میں اور لوقا کے ۲۴ باب۔ ۲۷ آیت میں یہ امر مشرح ہے۔ "تم نوشتوں میں ڈھونڈتے ہو کیوں کہ تم گمان کرتے ہو کہ اُن میں تمہارے لیے ہمیشہ کی زندگی ہے اور یہ وے ہی ہیں جو مجھ پر گواہی دیتے ہیں اور موسے اور سب نبیوں سے شروع کر کے وہ باتیں جو سب کتابوں میں اس کے حق میں ہیں اُن کے لئے تفسیر کیں۔

ماسوا اِس کے بعض خاص نبوتیں بھی مسیح پر نوشتوں میں لگائی گئی ہیں۔ چنانچہ متی کے ۲۶ باب۔ ۳۱ آیت میں اُس پیش خبری کا جو بابت ہمتا کے ہے حوالہ دیا گیا۔ علےٰ ہذا القیاس بہت سی اور بھی مثالیں ہیں۔ جن کی فہرست ذیل میں دے دیتا ہوں۔

یسعیاہ ۶ باب ۱ سے ۱۲ بمقابلہ یوحنا ۱۲ باب ۴۰ و ۴۱۔ اعمال ۲۸ باب ۲۶۔ پھر یسعیاہ ۴۰ باب ۳۔ ملاکی ۳ باب ۱ بمقابلہ متی ۳ باب ۳۔ ذکریا ۱۲ باب ۱۰ بمقابلہ یوحنا ۱۹ باب ۳۷۔ یرمیاہ ۳۱ باب ۳۱۔ ۳۴۔ بمقابلہ عبرانی ۸ باب ۶ سے ۱۲۔ عبرانی ۱۰ باب ۱۲ سے ۱۹۔ خروج ۱۷ باب ۲ گنتی ۲۰ باب ۳ و ۴ گنتی ۲۱ باب ۴ و ۵۔ استثناء ۶ باب ۱۶۔ یہ چاروں مقام بمقابلہ پہلا قرنتی ۱۰ باب ۹ سے ۱۱ یسعیاہ ۱۴ باب ۴ و ۴۴ باب ۶ بمقابلہ مکاشفات ۱/۸-۱۱-۱۷ و ۲/۸ و ۲۱/۶ و ۲۲/۱۳ ویوئیل ۲/۳۲ بمقابلہ رومی ۱۰/۹ سے ۱۳ ویسعیاہ ۷/۱۴ و ۹/۱ بمقابلہ متی ۱/۲۳

زبان عبرانی سے جس امر کی آپ گرفت کریں موجود ہے ابھی پیش کیا جائیگا۔

چوتھا لفظ کمال کی جو جناب گرفت فرماتے ہیں کہ انجیل درخود کامل ہونی چاہیے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کس امر میں کامل۔ کیا سُنار کے کام میں یا لوہار کے کام میں؟ یہ تو موضوع ہی اِن کتابوں کا نہیں۔ مگر راہ نجات کے دکھلانے کے کام میں یہ دعویٰ ان کا ہے۔ انجیل نے جو اس باب میں اپنا کمال دِکھلایا وہ ہم پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "آسمان کے تلے آدمیوں کو کوئی دوسرا نام نہیں بخشا گیا جس سے ہم نجات پا سکیں سوائے مسیح کے"۔

اور رومیوں کے خط میں لکھا ہے اگر نجات فضل سے ہے تو عمل عمل نہیں واگر نجات عمل سے ہے تو فضل فضل نہیں۔ اس سے پھر وہی امر ثابت ہوا کہ مسیح نے خود کہا کہ "راہ حق اور زندگی میں ہی ہوں" (یوحنا ۱۴ باب ۶) اور یاد رکھنا چاہیے۔ کہ کلام الٰہی میں اکثر خداوند یہ فرمایا کرتا ہے کہ میں ہی ہوں۔ میں ہوں۔ اور اسکا ایماء اس نام پر ہے جو موسیٰ سے خدا نے کہا کہ میرا نام میں ہوں سو ہوں۔ اور اس نام سے میں پہلے معروف نہ تھا۔ یہ تجھ کو جتایا جاتا

ہے۔ (خروج ۳۳ باب ۱۴ آیت)

(قلت وقت کے سبب جواب ناتمام رہا)

(دستخط بحروف انگریزی) ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

(دستخط بحروف انگریزی) غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

بقیہ بیان جواب
حضرت میرزا صاحب

بقیہ بیان جواب حضرت میرزا صاحب

میرا جواب جو ناتمام رہ گیا تھا اب بقیہ حصہ اس کا لکھواتا ہوں۔ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب فرماتے ہیں "جو ہم جسمانی چیز کو جو مظہر اللہ تھی اللہ نہیں مانتے۔ اور ہم نے ابن اللہ کو جسم نہیں مانا۔ ہم تو اللہ کو روح جانتے ہیں"۔ صاحب موصوف کا یہ بیان بہت پیچیدہ اور دھوکہ دینے والا ہے۔ صاحب موصوف کو صاف لفظوں میں کہنا چاہیئے تھا۔ کہ ہم حضرت عیسیٰؑ کو خدا جانتے ہیں۔ اور ابن اللہ مانتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات تو ہر ایک شخص سمجھتا اور جانتا ہے۔ کہ جسم کو ارواح کے ساتھ ایسا ضروری تلازم نہیں ہے کہ تا جسم کو حصہ دار کسی شخص کا ٹھہرایا جائے۔ مثلاً اِنسان کو جو ہم اِنسان جانتے ہیں تو کیا بوجہ اُس کے ایک خاص جسم کے جو اُس کو حاصل ہے اِنسان سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ خیال تو بہ بداہت باطل ہے۔ کیونکہ جسم ہمیشہ معرض تحلل میں پڑا ہوا ہے۔ چند برس کے بعد گویا پہلا جسم دور ہو کر ایک نیا جسم آجاتا ہے اِس صورت میں حضرت مسیحؑ کی کیا خصوصیت ہے۔ کوئی اِنسان بھی باعتبار جسم کے اِنسان نہیں ہے۔ بلکہ باعتبار روح کے اِنسان کہلاتا ہے۔ اگر جسم کی شرط ضروری ہوتی تو چاہیئے تھا کہ مثلاً زید جو ایک اِنسان ہے ساٹھ برس کی عمر پانے کے بعد زید نہ رہتا۔ بلکہ کچھ اور بنجاتا۔ کیونکہ ساٹھ برس کے عرصہ میں اُس نے کئی جسم بدلے۔ یہی حال حضرت مسیحؑ کا ہے۔ جو جسم مبارک اُن کو پہلے ملا تھا جس کے ساتھ اُنہوں نے تولد پایا تھا وہ تو نہ کفارہ ہو سکا۔ اور نہ کسی کام آیا۔ بلکہ قریباً تیس برس کے ہو کر اُنہوں نے ایک اور جسم پایا اور اسی جسم کی نسبت خیال کیا گیا کہ گویا وہ صلیب پر چڑھایا گیا۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے خدا تعالیٰ کے داہنے ہاتھ روح کے ساتھ شامل ہو کر بیٹھا ہے۔ اب جب کہ صاف اور صریح طور پر ثابت ہے کہ جسم کو روح کے صفات اور القاب سے کچھ تعلق نہیں اور اِنسان ہو یا حیوان ہو وہ باعتبار اپنے روح کے اِنسان یا حیوان کہلاتا ہے۔ اور جسم ہر وقت معرض تحلل میں ہے۔ تو اس صورت میں اگر حضرات عیسائی

صاحبان کا یہی عقیدہ ہے کہ مسیح درحقیقت خدا تعالیٰ ہے۔ تو مظہر اللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا ہم انسان کو مظہر انسان کہا کرتے ہیں۔ ایسا ہی اگر حضرت مسیحؑ کی روح انسانی روح کی سی نہیں ہے۔ اور انہوں نے مریم صدیقہ کے رحم میں اس طریق اور قانون قدرت سے روح حاصل نہیں کی جس طرح انسان حاصل کرتے ہیں۔ اور جو طریق طبابت اور ڈاکٹری کے ذریعہ سے مشاہدہ میں آچکا ہے۔ تو اول تو یہ ثبوت دینا چاہیئے کہ ان کے جنین کا نشو و نما پانا کسی نرالے طریق سے تھا۔ اور پھر بعد اس کے اس عقیدہ کو چھپ چھپ کے خوف زدہ لوگوں کی طرح اور پیرایوں اور رنگوں میں کیوں ظاہر کریں۔ بلکہ صاف کہدینا چاہیئے کہ ہمارا خدا مسیح ہے اور کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ جس حالت میں خدا اپنی صفات کاملہ میں تقسیم نہیں ہو سکتا اور اگر اسکی صفات تامہ اور کاملہ میں سے ایک صفت بھی باقی رہجائے تب تک خدا کا لفظ اس پر اطلاق نہیں کر سکتے۔

اگر مسیح کی روح مثل دوسرے انسانوں کی روح کے نہیں ہے تو یہ ثبوت دینا چاہیئے کہ ان کے جنین کے نشو و نما کا طریقہ کوئی نرالا طریق تھا۔

تو اس صورت میں میری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ تین کیونکر ہو گئے۔ جب آپ صاحبوں نے اس بات کو خود مان لیا اور تسلیم کر لیا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہو۔ تو اب یہ تقسیم جو کیگئی ہے کہ ابن اللہ کامل خدا۔ اور باپ کامل خدا۔ اور روح القدس کامل خدا اس کے کیا معنے ہیں۔ اور کیا وجہ ہے کہ یہ تین نام رکھے جاتے ہیں۔ کیونکہ تفریق ناموں کی اس بات کو چاہتی ہے۔ کہ کسی صفت کی کمی و بیشی ہو۔

مگر جب کہ آپ مان چکے کہ کسی صفت کی کمی و بیشی نہیں تو پھر وہ تینوں اقنوم میں مابہ الامتیاز کون ہے جو ابھی تک آپ لوگوں نے ظاہر نہیں فرمایا۔ جس امر کو آپ مابہ الامتیاز قرار دیں گے۔ وہ بھی منجملہ صفات کاملہ کے ایک صفت ہو گی جو اس ذات میں پائی جانی چاہیئے جو خدا کہلاتا ہے۔ اب جب کہ اس ذات میں پائی گئی جو خدا قرار دیا گیا تو پھر اس کے مقابل پر کوئی اور نام تجویز کرنا یعنے ابن اللہ کہنا یا روح القدس کہنا بالکل لغو اور بیہودہ ہو جائے گا۔

آپ صاحب میرے اس بیان کو خوب سوچ لیں کیوں کہ یہ دقیق مسئلہ ہے ایسا نہ ہو کہ جواب لکھنے کے وقت یہ امور نظر انداز ہو جائیں۔ خدا وہ ذات ہے جو مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے اور غیر کا محتاج نہیں اور اپنے کمال میں دوسرے کا محتاج نہیں۔ اور جو مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے دفعہ ۲ میں موسیٰؑ کی جھاڑی کی تمثیل پیش کی ہے۔ یہ محل متنازعہ فیہ سے کچھ

علاقہ نہیں رکھتی صاحب موصوف مہربانی فرماکر قرآن کریم سے ثابت کرکے دکھلاویں کہ کہاں لکھا ہے کہ وہ آگ ہی خدا تھی یا آگ ہی میں سے آواز آئی تھی - بلکہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں صاف فرماتا ہے فلما جاء ھا نودی ان بورک من فی النار ومن حولہا وسبحان اللہ رب العلمین (سورۂ نمل - س ۱۹ - ر ۱۶) یعنے جب موسیٰؑ آیا تو پکارا گیا کہ برکت دیا گیا ہے جو آگ میں ہے اور جو آگ کے گرد ہے - اور اللہ تعالیٰ پاک ہے تجسم اور تحیز سے اور وہ رب ہے تمام عالموں کا - اب دیکھئے اس آیت میں صاف فرمادیا کہ جو آگ میں ہے اور جو اسکے گرد میں ہے - اس کو برکت دیگئی - اور خدا تعالےٰ نے پکار کر اُس کو برکت دی اس سے معلوم ہوا کہ آگ میں وہ چیز تھی جس نے برکت پائی نہ کہ برکت دینے والا وہ تو نودی کے لفظ میں آپ اشارہ فرماتا ہے کہ اُس نے آگ کے اندر اور گرد کو برکت دی - اس سے ثابت ہوا - کہ آگ میں خدا نہیں تھا - اور نہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے - بلکہ اللہ جلشانہ اس وہم کا خود دوسری آیت میں ازالہ فرماتا ہے وسبحان اللہ رب العلمین یعنے خدا تعالےٰ اس حلول اور نزول سے پاک ہے وہ ہر ایک چیز کا رب ہے -

خدا تعالےٰ حلول اور نزول سے پاک ہے

اور اسیطرح خروج ۳ باب آیت ۲ میں لکھا ہے کہ اُس وقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلے میں سے اس پر ظاہر ہوا - اور مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب جو تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن میں اس موقعہ پر یہ بھی لکھا ہے "میں تیرے باپ اسحاقؑ اور ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کا خدا ہوں" یہ بیان سراسر خلاف واقع ہے - قرآن میں ایسا کہیں نہیں لکھا اگر صاحب موصوف کے حوالجات کا یہی حال ہے کہ ایک خلاف واقعہ امر جرارت کے ساتھ تحریر فرمادیتے ہیں تو پھر وہ حوالجات جو توریت اور انجیل کے تحریر فرماتے ہیں وہ بھی کتابیں پیش کرکے ملاحظہ کے لایق ہونگی -

اور پھر صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں - کہ توریت میں مسیح کو یک تن اور انبیاء کو یک من کرکے لکھا ہے -

میں کہتا ہوں کہ توریت میں نہ تو کہیں یک تن کا لفظ ہے اور نہ یک من کا - صاحب موصوف کی بڑی مہربانی ہوگی کہ بتشریح توریت کے رو سے ثابت کریں کہ توریت نے جب دوسرے انبیاء کا نام ابناء اللہ رکھا تو اس سے مراد یک من ہوتا تھا - اور جب مسیح علیہ السلام کا نام ابن اللہ کہا تو اُس کا لقب یک تن رکھدیا - میری دانست میں تو اور انبیا حضرت مسیحؑ

سے اِس القاب بائبل میں بڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام خود اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ میرے ابن اللہ کہنے میں تم کیوں رنجیدہ ہوگئے یہ کونسی بات تھی زبور میں تو لکھا ہے کہ تم سب الٰہ ہو۔

دیگر انبیاء مسیح سے القاب پانے میں بڑھے ہوئے ہیں

حضرت مسیح ؑ کے اپنے الفاظ جو یوحنا ۱۰ باب ۳۵ میں لکھے ہیں یہ ہیں۔ کہ میں نے کہا تم خدا ہو جب کہ اُس نے انہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو تم اُسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے۔ کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ اب منصف لوگ اللہ تعالےٰ سے خوف کر کے اِن آیات پر غور کریں کہ کیا ایسے موقعہ پر کہ حضرت مسیح ؑ کی ابنیت کے لئے سوال کیا گیا تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام پر یہ بات فرض نہ تھی کہ اگر وہ حقیقت میں ابن اللہ تھے تو انہیں یہ کہنا چاہیئے تھا کہ میں در اصل خدا کا بیٹا ہوں اور تم آدمی ہو۔ مگر اُنہوں نے تو ایسے طور سے الزام دیا۔ جسے انہوں نے مُہر لگادی۔ کہ میرے خطاب میں تم اعلےٰ درجے کے شریک ہو مجھے تو بیٹا کہا گیا۔ اور تمہیں خدا کہا گیا۔

پھر صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ توریت میں اگرچہ دوسروں کو بھی بیٹا کہا گیا ہے مگر مسیح ؑ کی بہت بڑھ کر تعریفیں کیگئی ہیں۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعریفیں مسیح کے حق میں اس وقت قابل اعتبار سمجھی جائیں گی جس وقت ہماری شرائط پیش کردہ کے موافق اسکو ثابت کردوگے۔ اور دوسری یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام یوحنا ۱۰ باب میں آپ کی تاویل کے مخالف اور ہمارے بیان کے موافق ہیں۔ اور یہ خیالات آپ کے حضرت مسیح علیہ السلام نے خود ردّ فرمادیئے ہیں۔

بقیہ کا جواب آپ کے جواب کے بعد لکھا جائیگا۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر۔ فصیح	ھنری مارٹن کلارک
(پریزیڈنٹ)	(پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام	(از جانب عیسائی صاحبان)

تیسرا پرچہ

روئیداد مباحثہ ۲۴ مئی ۱۸۹۳ء

تیسرا پرچہ

مباحثہ ۲۴ مئی ۱۸۹۳ء

روئیداد

جواب مسٹر عبداللہ آتھم صاحب

آج ۶ ا منٹ اوپر چھ بجے مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے اپنا جواب لکھنا شروع کیا اور سولہ منٹ اوپر سات بجے ختم ہوا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ میرزا صاحب نے سات بجے پچاس منٹ اوپر جواب لکھنا شروع کیا اور آٹھ بجے چھیالیس منٹ پر ختم کیا اور پھر بلند آواز سے سُنا دیا گیا۔

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے نو بجے پچیس منٹ پر شروع کیا اور دس بجے پچیس منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ بعد ازاں تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط کیے گئے۔ اور مصدقہ تحریریں فریقین کو دی گئیں۔ بعد ازاں چند ایک تجاویز صورت مباحثہ کے تبدیل کرنے کے متعلق پیش ہوئیں۔ مگر سابقہ صورت ہی بحال رہی۔ اِسکے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ ازجانب اہل اسلام	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ ازجانب عیسائی صاحبان

مورخہ ۲۴ مئی ۱۸۹۳ء

ازجانب ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

اول میں خوش ہوا یہ سن کر کہ پیدائش آدم وحوا میں دلیل استقراء نہیں لگ سکتی جس کا نتیجہ یہ ہے

قاعدہ عامہ میں استثنار جایز ہے۔

اوّل - جناب جو فرماتے ہیں کہ مسیح کا جسم زوال پذیر تھا۔ اس واسطے نہ وہ کفارہ ہو سکا اور نہ کسی کام آیا اُس کے جواب میں عرض ہے کہ ہم انسانی جسم مسیح کو مسیح قرار نہیں دیتے۔ مگر سارا وجود انسانی جو گناہ سے پاک تھا اور سوائے گناہ کے اَور سب باتوں میں ہمارے مساوی اور مخلوق تھا اور ماسوائے انسانیت کے وہ مظہر اللہ بھی تھا یعنے جائے ظہور اللہ کا جس پاک انسانیت میں بار گناہاں سب کا اپنے اوپر اُٹھا لیا اور اقنوم ثانی اللہ نے وہ بار اٹھوا دیا۔ اور یوں معاوضہ گناہاں کا ہو کر کفارہ پُورا ہو گیا پھر وجود ثانی کے قایم و دایم رہنے کی کیا ضرورت تھی۔

دوم آپ کا دوسرا اعتراض مسیح خدا تعالےٰ ہے تو مظہر اللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا اِنسان کو مظہر انسان کہا کرتے ہیں۔ جواب مسیح اِنسان کو اسکی الوہیت متعلقہ کے مشابہ کیوں کرتے ہیں انسان میں تو جسم علیحدہ چیز ہے اور روح علیحدہ چیز ہے اور جان ایک علیحدہ شے ہے چنانچہ روح وہ شے ہے۔ جس کے متعلق صفات علم اور ارادہ کے ہیں۔ جسم وہ شے ہے جسمیں نہ علم ہے نہ ارادہ ہے۔ جان وہ قانون ہے جو نباتات میں بھی غذا کو بذریعہ رگ و ریشہ کے پہنچاتی ہے لیکن خدا یا مظہر اللہ ان ساری علل سے علیحدہ ہے اور وہ قایم فی نفسہ ہے۔

سوم جناب میرزا صاحب کے خیال میں مسیح کی روح قانون قدرت کے موافق مریم سے حاصل ہوئی تھی اسی لئے وہ خدا نہیں ہو سکتے بجواب اسکے عرض ہے کہ مسیح کی انسانی رُوح اگرچہ قانون قدرت کے موافق نہیں پیدا ہوئی تاہم خلقیت میں مساوی ہے اور اشتقاق رُوح کا دوسری روح سے نہیں ہوتا جو مریم سے شق ہو کے وہ روح آئی ہو۔ کیونکہ روح جوہر فرد ہے اور کسی قانون اور آئین کا نام نہیں۔ بلکہ شے جمع صفات و تعریف شخص کی ہے تو پھر آپ یوں کیوں فرماتے ہیں کہ مسیح کی روح مریم سے حاصل ہوئی تھی۔ کیوں نہ اس کو کہیں کہ نئی مخلوق ہوئی تھی اور ماسوا اس کے الُوہیت سے اسیات کا کیا علاقہ ہے ہم تو بار بار کہہ چکے کہ مظہر اللہ ماسوا اسکے اِنسانیت کی ہے۔

چہارم جناب کا سوال ہے کہ خدا منقسم نہیں ہو سکتا پھر تین خدا کیوں کر ہوئے اور اس تقسیم کی امتیاز کی بنا کیا ہے۔ بجواب اس کے عرض ہے۔ کہ ہم یوں کہتے ہیں کہ تثلیث کا سر صورت واحدہ میں تو ایک ہے اور صورت ثانی میں تین ہیں سار اس کو ہم مشرح آیندہ تمہید میں کرینگے۔

صفت بےنظیری کی صفت بیچدی سے نکلی ہے کیونکہ بےنظیر مطلق وہ شے ہو سکتی ہے جو ہر مکان

تک نظیر کا مٹا ڈالے اور یہ امکان تب مٹ سکتا ہے کہ جب مکان گنجایش نظیر کا مٹ سکے۔
یعنے وہ شے بے حد بھی ہو جس کے بارہ میں کہا جا سکتا ہے۔ کہ قدامت اور ماہیت بیچدی اور
بینظیری کی واحد ہے۔ کیوں کہ نہیں کہہ سکتے کہ بے نظیری بیچدی سے کب نکلی اور کہاں رہتی
ہے۔ کیونکہ وہ بیچدی سے علیحدہ نہیں ہو سکتی۔ پس اس نظیر سے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ایک شے
بمثل بیچدی کے قایم فی نفس ہے۔ اور دوسری شے بمثل بے نظیری کے لازم اور ملزوم ساتھ اُس بیچدی
کے ہے اور خوب غور سے دیکھ لینا چاہیئے کہ اِن دونوں صفتوں میں ایک تمہید ایسی واقع ہے۔
جس کو بداہت کہا جاوے تو یہ ہر دو ایک صورت میں تو ایک سی ہیں۔ اور دوسری صورت
میں متفرق جیسے مثال ہم نے دو صفات سے دی ہے تو یہ صفات بجار اجزا شے ہونے کے حاوی
بر کل شے ہیں ایسا ہی جس کو ہم کہتے ہیں خداے **اب** اور وہ بمثل بیچدی کے قایم فی نفسہ
اور جن کو ہم کہتے ہیں آبن و روح القدس وہ لازم و ملزوم ساتھ خدائے اب کے ہیں۔
اب ہم نے ان کی یہ تمیز دکھلا دی ہے۔ ہم نہیں کہتے کہ ماہیت ان کی منقسم ہے پس ہم
مُشرک بھی نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ ہم وحدہ لاشریک کے قایل ہیں۔ ہم تین خدا نہیں بناتے
بلکہ ہم تینوں اقانیم یا شخص مساوی یکدیگر کو صفات الہیہ سے کلام میں مزین پائے ہیں
اور یہ ماہیت میں ایک ہیں اور فی نفسہ لازم و ملزوم ہونے کے باعث تین ہیں۔
پنجم۔ جناب استفسار فرماتے ہیں کہ قرآن سے ثابت کر دکھلاؤ کہ وہ آگ ہی خدا تھی
یا آگ میں سے آواز آئی تھی اور یہ آواز جو آئی تھی کہ میں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا خدا
ہوں۔ بجواب اسکے عرض یہ ہے کہ آواز غیب سے جو آئی اور جو مخاطب ساتھ موسیٰ کے ہوئی اسکا
ذکر ابھی ہم نہیں کرتے۔ لیکن وہ آواز یہ تھی کہ تحقیق میں تیرا رب ہوں (س طٰہٰ ر ۱) اگر جناب
یہ کہیں کہ آگ میں سے یہ آواز نہ تھی تو قرینہ الفاظ تو یہ نہیں ظاہر کرتا کہ سوائے آگ کے اور
جگہ سے ہووے۔
اور سورۂ قصص میں یوں لکھا ہے کہ اسی آواز کے بارے میں جو آگ یا جھاڑی میں سے
آئی کہ تحقیق میں ہوں رب عالموں کا۔ اور تیسری آیہ ماسوائے اِن دو آیات کے جو جناب نے
پیش کی ہے یہ جملہ کہ میں ابراہیم و اسحاق و یعقوب کا خدا ہوں یہ فی الواقع توریت میں ہے کہ جس
موقعہ کا قرآن میں یہ غلط اقتباس ہوا ہے اتنی میری غلطی مان لیں کہ میں نے توریت کے الفاظ
قرآن میں بیان کر دیئے مگر در اصل کچھ فرق نہیں کہ میں تیرا رب ہوں اور رب العالمین ہوں

اَور اُسے جو توریت میں لکھا ہے کہ میں تیرے باپ ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کا خدا ہوں نہ کم ہیں نہ زیادہ - دلیل مظہر اللہ کی اِس سے پیدا ہوتی ہے - کیونکہ شئے مرئی خدا نہیں ہو سکتا

ششم - یہ جو جناب فرماتے ہیں کہ یک تن اَور یک من یہ ہر دو الفاظ توریت میں پائے نہیں جاتے بجواب اس کے ہماری عرض ہے کہ ہم نے یہ استنباط کیا تہا یعنے خلاصہ نکالا تہا - اگر ایسا ہی آپ گرفت فرمائیں گے تو یہ وہ نقل ہو جائے گی کہ ایک شخص محمدؐ بخش نامی کو کسی نے کہا تہا کہ تو نماز کیوں نہیں پڑہا کرتا تو اُس نے کہا کہ کہاں لکھا ہے محمدؐ بخش نماز پڑہا کرے - اب یہ کوئی دلیل نہیں مگر لطیفہ ہے -

ہفتم - آپ اِن الفاظ سے جو مسیح خداوند نے کہے کہ تم اس کو کفر نہیں کہتے ہو - جو تمہاری قضات اَور بزرگوں کو الوہیم کہا تب تو مجھ کو ابن اللہ کہنے سے کیوں الزام دیتے ہو - یہودی لوگوں سے خداوند مسیح اپنے آپ کو کہتے تھے کہ میں بیٹا خدا کا ہوں تو سنگسار کرنے کو تیار ہوئے کہ تو اپنے آپ کو بیٹا خدا کا کہہ کے مساوی خدا کا بناتا ہے اور یہ کفر ہے - اسلئے ہم تجھ کو سنگسار کرتے ہیں - ہمارے خداوند نے اُن کے زعم کو اِس طرح پر ہٹایا کہ مساوی خدا خدا ہوا اگر میں نے اپنے آپ کو خدا کہا تو تمہارے بزرگوں کو خدایان کہا گیا - وہاں تم نے اُن کے کفر کا الزام کیوں نہ دیا - پس اُن کی یہ دہان بندی خداوند نے کردی نہ کہ اپنی الوہیت کا اُس نے انکار کردیا - اَور نہ اُس کا کچھ ثبوت پیش کیا - گویا اس کی یہ علیحدہ بات رہی اَور اس میں نہ کمی کا اقرار ہے اَور نہ زیادتی کا -

ہشتم یہ جو جناب فرماتے ہیں کہ مسیحؑ کی تعریفیں توریت میں اَور انبیاء سے بڑھ کر بیان نہیں کی گئیں بجواب اسکے عرض ہے کہ ان سب نے مدار نجات کا المسیح پر رکھا ہے - پھر آپ ہی یہ کیوں کر فرماتے ہیں کہ مسیح کی صفات اَور نبیوں سے بڑھ کر نہیں کی گئیں - کس نبی کے بارہ میں بجز مسیحؑ کے کہا گیا کہ وہ ہمتائے خدا ہے - ذکریا باب ۱۳ - ۷ وہ یہواصدقینو جو تخت داؤدی پر آنے والا ہے - یرمیاہ باب ۲۳ - ۵ و ۶ و ۷ - وہ خدائے قادر - ابدیت کا اب - شاہ سلامت ہے - مشیر - مصلح جو تخت داؤدی پر ابد تک سلطنت کریگا - یسعیاہ ۹ - ۶ و ۷ -

تتمہ

بقایا دیروزہ جس میں جناب نے فضیلت کلام انجیل کی پوچھی ہے - ملاحظہ فرمایئے - یوحنا کے

باب ۱۲ - ۴۸ سے ۵۰ تک - انجیل وہ کلام ہے کہ جس کے موافق عدالت سب لوگوں کی ہوگی یعنی کل عالم کی - (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریذیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	غلام قادر فصیح پریذیڈنٹ از جانب اہل اسلام

جواب حضرت میرزا صاحب

۲۴ مئی ۱۸۹۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کسی قدر کل کے سوالات کا بقیہ رہگیا تھا - اب پہلے اسکا جواب دیا جاتا ہے - مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ استقراء کیا چیز ہے - اور استقراء کی کیا تعریف ہے ؟ اس کے جواب میں واضح ہو کہ استقراء اسکو کہتے ہیں - کہ جزئیات مشہودہ کا جہاں تک ممکن ہے تتبع کرکے باقی جزئیات کا اُنہیں پر قیاس کر دیا جائے - یعنی جس قدر جزئیات ہماری نظر کے سامنے ہوں یا تاریخی سلسلہ میں ان کا ثبوت مل سکتا ہو تو جو ایک شان خاص اور ایک حالت خاص قدرتی طور پر وہ رکھتے ہیں - اسی پر تمام جزئیات کا اُس وقت تک قیاس کرلیں - جب تک کہ اُن کے مخالف کوئی اور جزئی ثابت ہو کر پیش نہ ہو - مثلاً جیسے کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں - نوع انسان کی تمام جزئیات کا تتبع جہاں تک حد امکان میں ہے ہو کر یہ امر مسلم الثبوت قرار پاچکا ہے کہ انسان کی دو آنکھیں ہوتی ہیں تو اب یہ دو آنکھیں ہونے کا مسئلہ اسوقت تک قایم اور برابر سمجھا جائے گا - جب تک اُسکے مقابل پر مثلاً چار یا زیادہ آنکھوں کا ہونا ثابت نہ کر دیا جائے اسی بنا پر مینے کہا تھا کہ اللہ جلشانہ کی یہ دلیل معقولی کہ قد خلت من قبلہ الرسل جو بطور استقراء کے بیان کی گئی ہے یہ ایک قطعی اور یقینی دلیل استقرائی ہے جب تک کہ اس دلیل کو توڑ کر نہ دکھلایا جائے اور یہ ثابت نہ کیا جائے کہ خدا تعالیٰ کی رسالتوں کو لیکر خدا تعالیٰ کے بیٹے بھی آیا کرتے ہیں اسوقت تک حضرت مسیح علیہ السلام کا خدا تعالیٰ کا حقیقی بیٹا ہونا ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ جلشانہ اِس دلیل میں صاف توجہ دلاتا ہے - کہ تم مسیح سے لیکر انبیا کے انتہائی سلسلہ تک دیکھ لو - جہاں سے سلسلہ نبوت کا شروع ہوا ہے کہ بجز نوع انسان کے کبھی خدا یا خدا کا بیٹا بھی دنیا میں آیا ہے - اور اگر یہ کہو کہ آگے تو نہیں آیا مگر

لاشریک ہے اور کسی قسم کا دعدغہ خداشناسی میں کسی کو نہ تھا۔ پھر جب حضرت مسیحؑ تشریف لائے تو وہ آنحضرت علیہ السلام کے بیانات سن کر گھبرا گئے کہ یہ شخص کس خدا کو پیش کر رہا ہے۔ توریت میں تو ایسے خدا کا کوئی پتہ نہیں لگتا۔ تب حضرت مسیحؑ نے کہ خدا تعالیٰ کے سچے نبی اور اس کے پیارے اور برگزیدہ تھے۔ اس وہم باطل کو دور کرنے کے لئے کہ یہودیوں نے بباعث کوتہ اندیشی اپنی کے اپنے دلوں میں جما لیا تھا وہ اپنے کلمات مبارکہ پیش کئے جو یوحنا۔ ۱۰ باب ۲۹۔ ۳۰ آیت میں موجود ہیں۔ چنانچہ وہ عبارت بجنسہٖ ذیل میں لکھدی جاتی ہے۔ چاہیئے کہ تمام حاضرین حضرت مسیحؑ کی اس عبارت کو غور سے اور توجہ سے سنیں کہ ہم میں اور حضرات عیسائی صاحبوں میں پورا پورا فیصلہ دیتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

میرا باپ جس نے انہیں مجھے دیا ہے سب سے بڑا ہے اور کوئی انہیں میرے باپ کے ہاتھ سے چھین نہیں لے سکتا میں اور باپ ایک ہیں۔ تب یہودیوں نے پھر پتھر اٹھائے کہ اس پر پتھراؤ کریں۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ میں نے اپنے باپ کے بہت سے اچھے کام تمہیں دکھائے ہیں۔ اُن میں سے کس کام کے لئے تم مجھے پتھراؤ کرتے ہو۔ یہودیوں نے اسے جواب دیا اور کہا کہ ہم تجھے اچھے کام کے لئے نہیں بلکہ اسلئے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تو کفر بکتا ہے اور انسان ہو کے اپنے تئیں خدا بناتا ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا ہو جب کہ اس نے انہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو تم اُسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے کہ میں نے کہا میں خدا کا بیٹا ہوں۔

اب ہر ایک منصف اور ہر ایک متدین سمجھ سکتا ہے کہ یہودیوں کا یہ اعتراض تھا کہ انہوں نے باپ کا لفظ سن کر اور یہ کہ میں اور باپ ایک ہیں یہ خیال کر لیا کہ یہ اپنے تئیں خدا تعالیٰ کا حقیقی طور پر بیٹا قرار دیتا ہے۔ تو اُس کے جواب میں حضرت مسیحؑ نے صاف صاف لفظوں میں یہ کہدیا کہ مجھ میں کوئی زیادہ بات نہیں دیکھو تمہارے حق میں تو خدا کا اطلاق بھی ہوا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ درحقیقت اپنے تئیں ابن اللہ جانتے اور حقیقی طور سے اپنے تئیں خدا تعالیٰ کا بیٹا تصور کرتے تو اس بحث اور پرخاش کے وقت میں جب یہودیوں نے اُن پر الزام لگایا تھا مرد میدان ہو کر صاف اور کھلے کھلے طور پر کہدیتے کہ میں درحقیقت ابن اللہ ہوں اور حقیقی طور پر خدا تعالیٰ کا بیٹا ہوں۔ بھلا یہ کیا جواب تھا کہ اگر میں اپنے

یہودیوں نے سمجھا تھا کہ مسیح اپنے تئیں خدا تعالیٰ کا حقیقی بیٹا قرار دیتا ہے۔

مسیح اگر درحقیقت خدا کے بیٹے ہوتے تو یہودیوں کے پاس وہ پیشگوئی پیش کرتے

تئیں بیٹا قرار دیتا ہوں تو تمہیں بھی تو خدا کہا گیا ہے - بلکہ اس موقعہ پر تو خوب تقویت اپنے اثبات دعویٰ کی ان کو ملی تھی - کہ وہ بقول ڈپٹی صاحب وہ تمام پیشگوئیاں پیش کرتے جو ڈپٹی صاحب موصوف نے اپنے کل کے جواب میں لکھائے ہیں - بلکہ ایک فہرست بھی ساتھ دیدی ہے اور انہیں اس وقت کہنا چاہیئے تھا کہ تم تو اسی قدر بات پر ناراض ہو گئے کہ میں نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں - اور میں تو بموجب بیان تمہاری کتابوں کے اور بموجب فلاں فلاں پیشگوئی کے خدا بھی ہوں - قادر مطلق بھی ہوں - خدا کا ہمتا بھی ہوں کونسا مرتبہ خدائی کا ہے جو مجھ میں نہیں ہے - غرض کہ یہ مقام انجیل شریف کے تمام مقامات اور بائبل کی تمام پیشگوئیوں کو حل کرنے والا اور بطور ان کی تفسیر کے ہے مگر اسکے لئے جو خدا تعالےٰ سے ڈرتا ہے -

پھر ڈپٹی صاحب موصوف فرماتے ہیں "کہ یہودیوں کا اتفاق کیوں مانگا جائے" سو واضح ہو کہ یہودیوں کا اتفاق اسلیئے مانگا جاتا ہے کہ وہ نبیوں کی اولاد اور نبیوں سے مسلسل طور پر تعلیم پاتے آئے اور انجیل شریف کا بھی مقام شہادت دے رہا ہے کہ ہر ایک تعلیم نبیوں کی معرفت ان کو سمجھائی - بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود شہادت دیتے ہیں کہ "فقیہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں - جو کچھ وہ تمہیں ماننے کو کہیں وہ عمل میں لاؤ - لیکن انکے سے کام نہ کرو - کیونکہ وہ کہتے ہیں پر کرتے نہیں" (متی ۲۳ باب)

اب حضرت مسیحؑ کے اس فرمودہ سے صاف ظاہر ہے - کہ وہ اپنے متبعین اور شاگردوں کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ یہودیوں کی رائے عہد عتیق کے بارہ میں ماننے کے لائق ہے تم ضرور اس کو مانا کرو کہ وہ حضرت موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہوئے ہیں - اِس سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہودیوں کی شہادت کو رد کرنا ایک قسم کی نافرمانی حضرت مسیحؑ کے حکم کی ہے - اور یہودی یہ تو اپنی تفسیروں میں کہیں نہیں لکھتے کہ کوئی حقیقی خدا یا خدا کا بیٹا آئے گا - ہاں ایک سچے مسیحؑ کے منتظر ہیں - اور اس مسیح کو خدا نہیں سمجھتے اگر سمجھتے ہیں تو اُن کی کتابوں میں سے اس کا ثبوت دیں - (باقی آیندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب (عیسائی صاحبان)

۲۴ مئی ۱۸۹۳ء

بیان ڈپٹی صاحب مسٹر عبداللہ آتھم

بقیہ جواب - خدا کے کلام کی فضیلت و کمالیت

پہلے انجیل اسبات کی مدعی ہے کہ وہ لازوال کلام ہے - حتی کہ لوگوں کی عدالت اُسی کے موافق ہوگی (یوحنا ۱۲ باب ۴۸ سے ۵۰ تک)

دوم انجیل اپنے تئیں نجات کے ازلی بھید کا کاشف کہتی ہے (رومی ۱۶ - باب ۲۵ و ۲۶) پطرس کا پہلا خط ۱ - باب ۲۰)

سوم انجیل اپنے تئیں خدا کی قدرت کہتی ہے - (رومی ایک باب ۱۶)

چہارم انجیل اپنے تئیں زندگی اور بقا کی روشنی کرنیوالی کہتی ہے (طمطاوس کا دوسرا خط ۱ باب ۱۰)

پنجم انجیل انسانی حکمت کا نہیں - لیکن اپنے تئیں خدا کی روح کا فرمایا ہوا کلام فرماتی ہے (قرنتیوں کے نام کا پہلا خط ۲ - باب ۱۲ و ۱۳ و پطرس کا دوسرا خط پہلا باب ۱۵)

ششم اس انجیل کے مقابل میں ہر ایک انجیل ہیچ ہے (گلاتی کے نام کا خط ۱ باب ۸)

پس یہ وہ امور ہیں کہ جو کلام اللہ کی فضیلت و کاملیت و خوبی و فیضرسانی پر دال ہیں اور امور جو معاشرت کے متعلق ہیں کہ جن کی نسبت حکیم و ڈاکٹر بھی انسان کو واجبی شرح بتا سکتے ہیں جناب نے جو فرمایا قرآن میں لکھا ہے اکملت لکم دینکم غالباً بروئے متن کلام قرآن متعلق معاشرت کے ہے کہ جس میں حل و حرمت کا ذکر ہے -

بجواب اعتراضات ۲۴ - مئی ۱۸۹۳ء

اول استقراء کے معنی ہم سمجھ چکے ہیں کہ معمول اور گذشتہ پیوستہ میں جو تجربہ قانون بتاتا ہے اُسکو استقراء کہتے ہیں - اسکے بارہ میں جناب میرزا صاحب کا فرمانا درست ہے - کہ اگر کچھ استثنار اسکا ہو تو امکان محض اس کا ثابت کرنا کافی نہیں ہے - مگر واقعی اس کا ثابت کرنا ضروری ہے - سو اسکے بارہ میں عرض اتنی ہے کہ مقدمہ مسیح کا بالکل استثنائی ہے جس کے واسطے ہم نے آیات کلام الٰہی پیش کی ہیں + مزید براں ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ کثرت فی الوحدت عہد عتیق میں موجود ہے اگر وہ موجود نہ ہوتی - تو یہودی صادق ٹھہر سکتے تھے - اور چونکہ یہ امر وہاں موجود ہے تو اُن کو کچھ عذر نہ ہونا چاہیئے پس میں بطور مثال دو نظیریں پیش کرتا ہوں - اول یہ کہ پیدائش ۱ باب ۲۶ میں لکھا ہے و یوحن الوہیم

لغشا آدام سلمنو قدمیتو نو یعنے کہا الوہیم خدا نے ہم بناویں آدم کو اوپر صورتوں اپنیوں کے اور اوپر شکلوں اپنیوں کے۔ دوم پیدایش $\frac{3}{22}$ میں ہے یہوا الوہیم نے کہا کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ اس آیت میں جس جملہ کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا (عبرانی میں کاحد ممنو ہے)۔ اس جملے متکلم مع الغیر کو دیکھ کر یہودیوں نے یہ معنے کئے ہیں کہ خدا یتعالیٰ اس موقعہ پر فرشتگان کو اپنی معیت میں لیتا ہے۔ اور سر سید احمد خان بہادر نے یہ لکھا ہے کہ غیر اس جملہ میں وہ آدم ہا طبقہ ماقبل آدم معروف کے ہیں جو گناہ کر کے تباہ ہو گئے۔ اور کلمہ اومنو میں متکلم مع الغیر نہیں بلکہ جمع غایب ہے۔ مراد ان دونو صاحبوں کا یہ ہے کہ کثرت فی الوحدت کی تعلیم ثابت نہ ہونے پائے۔

دوم اب ہم ان صاحبوں سے سوال ذیل رکھتے ہیں۔ اوّل یہودیوں سے یہ کہ آپکے فرشتوں کا مرجوع متن کلام میں کہاں ہے۔ کیا صیغہ ہم کا اسم ضمیر نہیں ہے؟ اور کیا اسم ضمیر کے لئے مرجوع کا ہونا اُسکے قرب میں ضرور نہیں ہے؟ اور اگر کوئی کلام بغیر مرجوع کے نشاندہی کے درخود نہ ہو تو کیا اُسکو مبہم اور مخبط نہیں کہتے ہیں؟ جیسا کہ اگر میں کسی سے کہوں کہ وہ بات یوں تھی اور قبل اور مابعد میں اسکا ذکر نہ ہو کہ کونسی بات۔ تو کیا یہ خبط کلامی نہیں ہے؟ پس جب فرشتگاں کا ذکر معیت میں کرتے ہیں تو اُن کو متن ہی میں ان فرشتوں کو دکھانا چاہیئے دوم اگر فرشتے ہی اسکے مصداق ہوویں تو ضرور ہے کہ بدی کا علم اُن کا ذاتی ہو یا کسبی۔ اگر ذاتی ہو تو وہ مخلوق نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ علم ذاتی قایم بالذات کا ہوتا ہے۔ اور اگر کسبی ہو تو یہ کسب اُن کو ناپاک کر دیتا ہے۔ تو پس وہ صحبت اقدس خالق کے لایق کیونکر ہو گی۔ جو معیت میں اُسکے لئے جاویں۔ سر سید صاحب سے اوّل سوال ہمارا وہی ہے۔ کہ متن میں مرجوع اُن آدم ہا کا جو قبل آدم معروف کے متصور ہیں کہاں ہیں فی متن تو درکنار جناب کے جیالوجی میں بھی کہاں ہے کہ جس کا فخر جناب کرتے ہوں۔ ماسوا اِسکے اگر جیالوجی سے گذر کر کیسی اور سائینس میں ہووے تو اس کا پتہ دیویں۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ ہرگز ایسا پتہ نہ دے سکیں گے اور نہ اس عہدہ برائی سے یہودی باہر آ سکتے ہیں۔ مگر مسیحیوں کا منہ بند کرنے کے لئے خیالات باطلہ پیش کرتے ہیں۔ اور اس سے صاف تو فقرہ کیا ہو سکتا ہے اور کیا تاویل ایسے فقرہ کی ہو سکتی ہے کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ لغت و اصطلاح منطق و معانی صرف و نحو ان سارے معیاروں کے آگے ہم اس

فقرہ کو رکہتے ہیں۔ سر سید احمد خان بہادر نے جو الوہیم میں جمع تعظیمی بیان کی حضرت ہم کو کہیں دکھلادیویں کہ نیچر میں یا واقعات میں اسماء خاص میں بھی کہیں تعظیم و تذلیل ہو سکتی ہے۔ کیا سر سید کا نام سر سید احمدان بھی ہو سکتا ہے؟ یہ ڈھکوسلہ بازی نہیں تو اور کیا ہے؟

سر سید صاحب نے فرمایا ہے کہ بعلیم اور اسٹرانیم میں جو میم تعظیمیہ ہے وہ بھی باطل بلکہ ابطل ہے اسلیئے یہ فرضی دیوتا تھے واقعی اشخاص نہ تھے اور بڑے مورتہائے انکی کے متفرق جگہوں میں پوجے جاتے تھے اور کثرت مورتوں کے لحاظ سے کثرت ناموں میں رکھی گئی جیسے کہ جسمیں سے کرشن یا رامچند کی مورتیں آتی ہیں جن کی بابت کہا جاتا ہے کہ ہمارا بیوپار کرشنوں اور رامچندروں کا ہے۔

غرض ہماری یہ ہے کہ نام خاص میں تعظیم اور تذلیل کچھ نہیں۔

سوم ایکا مر جو ادراک سے باہر ہو اُسکا امکان تو عقل ہے ہم پیش کریں گے۔ اور واقعہ ہونا کلام سے۔ سو الہامی کتابوں سے ہم نے الوہیت مسیح اور مسئلہ تثلیث فی التوحید کو بخوبی پیش کردیا ہے اور امکان بھی عقل سے دکھلادیا ہے۔ پس اب ہمارے ذمہ بار ثبوت کچھ باقی نہیں۔

چہارم الہام کا مشرح الہام ہی ہونا چاہیئے۔ اس بارہ میں آپکا فرمانا بہت سا درست ہے اور افضل ہی۔ کیونکہ اگر الہام کسی جگہ مجمل اور مبہم معلوم ہو تو دوسرے موقعہ الہام سے اسکی شرح اچھی طرح ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر کسی الہام میں کوئی تعلیم ایک ہی موقع پر ہو۔ اور وہ بھی مشرح نہ ہو تو تاویل عقلی کو اُس میں گنجایش ہے۔

ہم اس کو ردیات میں نہیں پھینک سکتے ہیں۔ بلکہ وہاں اسکی تاویل عقلی کرینگے۔

پنجم وہ جو خداوند مسیح نے کہا کہ تم میرے ابن اللہ کہنے پر کفر کا الزام کیوں لگاتے ہو کیا تمہارے قضات اور بزرگوں کو الوہیم نہیں کہا گیا۔ اُن پر کفر کا الزام نہیں ہے تو مجھ پر کیوں؟ اس سے اُسنے اپنی الوہیت کا انکار کچھ نہیں کیا۔ مگر اُن کے غصہ کو بیجا ٹھہرایا۔ اور تمام دیا علاوہ براں متی کے ۱۶ باب ۱۳ تا ۱۶ میں اس خطاب کو خداوند نے حواریوں سے بھی منظور فرمایا کہ وہ زندہ خدا کا بیٹا ہے۔ پھر متی ۲۶۔ ۶۳ میں مرقوم ہے تب سردار کاہن نے اُسے کہا میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں۔ اگر تو مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ تو ہم سے کہہ یسوع نے اُسے کہا ہاں وہ جو تو کہتا ہے۔ (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

چوتھا پرچہ

مباحثہ ۲۵۔ مئی سنہ ۱۸۹۳ء

روئیداد

آج چھ بجے ۸ منٹ پر میرزا صاحب نے اپنا جواب لکھانا شروع کیا اور سات بجے ۸ منٹ پر ختم کیا۔ اس موقعہ پر یہ تحریک پیش ہوئی اور باتفاق رائے پیش ہوئی کہ چونکہ مضمون سنائے جانے کے وقت کاتب تحریروں کا مقابلہ بھی کرتے ہیں۔ اسلئے اُن کی روک ٹوک کی وجہ سے مضمون بے لطف ہو جاتا ہے اور سامعین کو مزہ نہیں آتا۔ بنابراں ایسا ہونا چاہیئے کہ کاتب پیشتر مضمون سُنائے جانے کے باہم تحریروں کا مقابلہ کر لیا کریں۔ پھر ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب نے ۷ بجے ۵۴ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا۔ اور آٹھ بجے ۵۴ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سُنایا گیا۔ پھر میرزا صاحب نے ۹ بجے ۴۴ منٹ پر شروع کیا۔ اور دس بجے ۴۴ منٹ پر ختم ہوا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط ہوئے اور مصدقہ تحریریں فریقین کو دی گئیں اور جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

دستخط بحروف انگریزی غلام قادر
فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

۲۵۔ مئی سنہ ۱۸۹۳ء۔ وقت ۶ بجے ۸ منٹ۔

بیان حضرت میرزا صاحب

ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب نے میرے پہلے بیان پر جو میں نے کتاب آسمانی کے لئے بطور ضروری اعجازی علامت کے یہ لکھا تھا کہ دونوں کتابیں انجیل اور قرآن شریف کا اُن کے کمالات ذاتیہ میں مقابلہ کیا جائے تو ڈپٹی صاحب کمال کے لفظ پر گرفت فرما کے

ہیں کہ کمال کیا چیز ہے۔ کیا سُنار اور لوہار کا کمال بلکہ راہ نجات دکھلانے کا کمال ہوتا ہے۔ اسکے جواب میں لکھا جاتا ہے۔ کہ راہ نجات دکھلانے کا دعوئی اس صورت میں اور اُس حالت میں کمال متصوّر ہوگا۔ کہ جب اسکو ثابت کر کے دکھلایا جاوے اور پہلے اُن اسباب کا ذکر کرنا بھی میرے نزدیک بے محل ہے۔ اب واضح ہو کہ اللہ جل شانہٗ نے قرآن کریم میں اپنی کمال تعلیم کا آپ دعویٰ فرمایا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الخ کہ آج میں نے تمہارے لئے دین تمہارا کامل کیا اور اپنی نعمت یعنے تعلیم قرآنی کو تم پر پورا کیا۔ اور ایکدوسرے محل میں اس کمال کی تشریح کے لئے کہ اکمال کس کو کہتے ہیں فرماتا ہے الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء توتی اکلہا کل حین باذن ربہا۔ ویضرب اللہ الامثال للناس لعلہم یتذکرون ومثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃ خبیثۃ ن اجتثت من فوق الارض مالہا من قرار یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ویضل اللہ الظلمین (سیپارہ ۱۳ رکوع ۱۱) کیا تو نے نہیں دیکھا کیونکر بیان کی اللہ نے مثال یعنی مثال دین کامل کی کہ بات پاکیزہ درخت پاکیزہ کی مانند ہے جسکی جڑ ثابت ہو اور شاخیں اسکی آسمان میں ہوں۔ اور وہ ہر ایک وقت پر اپنا پھل اپنے پروردگار کے حکم سے دیتا ہو۔ اور یہ مثالیں اللہ تعالےٰ لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے تا لوگ ان کو یاد کرلیں۔ اور نصیحت پکڑلیں۔ اور ناپاک کلمہ کی مثال اس ناپاک درخت کی ہے۔ جو زمین پر سے اکھڑا ہوا ہے اور اُس کو قرار وثبات نہیں۔ سو اللہ تعالےٰ مومنوں کو قول ثابت کیساتھ یعنے جو قول ثابت شدہ اور مدلل ہے اس دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدم کرتا ہے۔ اور جو لوگ ظلم اختیار کرنا کرتے ہیں۔ اُن کو گمراہ کرتا ہے۔ یعنی ظالم خدا تعالےٰ سے ہدایت کی مدد نہیں پاتا۔ جب تک کہ ہدایت کا طالب ہو۔

اکمال دین کی تشریح

اب دیکھیئے کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے آیۃ اَکْمَلْتُ لَکُمْ کی تشریح میں صرف اتنا فرمایا تھا کہ یہ غالباً امور معاشرت کے متعلق معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ڈپٹی صاحب موصوف مسلمات کو تسلیم کرچکے ہیں کہ کسی آیت کے وہ معنی کرنے چاہیئے کہ الہامی کتاب آپ کرے۔ اور الہامی کتاب کی شرح دوسری شرحوں پر مقدم ہے۔ اب اللہ تعالیٰ ان آیات میں کلام پاک اور مقدس کا کمال تین باتوں پر موقوف قرار دیتا ہے۔ اوّل یہ کہ اصلہا ثابت

کلام پاک اور مقدس کے کمال تین باتوں پر منحصر ہے۔

یعنے اصول ایمانیہ اس کے ثابت اور محقق ہوں اور فی حد ذاتہ یقین کامل کے درجہ پر پہونچے ہوئے ہوں اور فطرت انسانی اس کو قبول کرے کیونکہ ارض کے لفظ سے اس جگہ فطرت انسانی مراد ہے۔ جیسا کہ من فوق الارض کا لفظ صاف بیان کر رہا ہے اور ڈپٹی صاحب اس سے انکار نہیں کریں گے۔ خلاصہ یہ کہ اصول ایمانیہ ایسے چاہئیں کہ ثابت شدہ اور انسانی فطرت کے موافق ہوں۔ پھر دوسری نشانی کمال کی یہ فرماتا ہے کہ فرعها فی السماء یعنے اس کی شاخیں آسمان پر ہوں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں یعنے صحیفۂ قدرت کو غور کی نگاہ سے مطالعہ کریں تو اس کی صداقت اُن پر کھلجائے اور دوسری یہ کہ وہ تعلیم یعنے فروعات اس تعلیم کے جیسے اعمال کا بیان احکام کا بیان اخلاق کا بیان یہ کمال درجہ پر پہنچے ہوئے ہوں جس پر کوئی زیادہ متصور نہ ہو۔ جیسا کہ ایک چیز جب زمین سے شروع ہو کر آسمان تک پہونچ جائے تو اُس پر کوئی زیادہ متصور نہیں۔

پھر تیسری نشانی کمال کی یہ فرمائی کہ توتی اکلها کل حین ہر ایک وقت اور ہمیشہ کے لئے وہ اپنا پھل دیتا رہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی وقت خشک درخت کی طرح ہو جاوے جو پھل پھول سے بالکل خالی ہے۔ اب صاحبو دیکھو کہ اللہ تعالے نے اپنے فرمودہ الیوم اکملت کی تشریح آپ ہی فرما دی۔ کہ اس میں تین نشانیوں کا ہونا بس ضروری ہے۔ سو جیسا کہ اس نے یہ تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ اسی طرح پر اس نے انکو ثابت کر کے بھی دکھلا دیا ہے۔ اور اصول ایمانیہ جو پہلی نشانی ہے جس سے مراد کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے اسکو اس قدر بسط سے قرآن شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ کہ اگر میں تمام دلایل لکھوں تو پھر چند جزو میں بھی ختم نہ ہونگے۔ مگر تھوڑا سا اُن میں سے بطور نمونہ کے ذیل میں لکھتا ہوں۔ جیسا کہ ایک جگہ یعنے سیپارہ دوسرے سورہ البقر میں فرماتا ہے ان فی خلق السموات و الارض واختلاف اللیل والنهار والفلك التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیی به الارض بعد موتها وبث فیها من کل دابة وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون یعنی تحقیق آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے اختلاف اور اُن کشتیوں کے چلنے میں جو دریا میں لوگوں کے نفع کے لئے چلتے ہیں۔ اور جو کچھ خدا نے آسمان سے پانی اتارا ہے اور اس سے زمین کو اسکے مرنے کے بعد

اکمال دین کیلئے تین نشانیاں

اصول ایمانیہ کے چند دلایل

پہلی نشانی کلمہ لا الٰہ الا اللہ

زندہ کیا اور زمین میں ہر ایک قسم کے جانور بکھیر دیئے اور ہواؤں کو پھیرا اور بادلوں کو آسمان اور زمین میں مسخر کیا۔ یہ سب خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید اور اس کے الہام اور اُسکے مدبر بالارادہ ہونے پر نشانات ہیں۔ اب دیکھئے اس آیت میں اللہ جلشانہٗ نے اپنے اس اصول ایمانی پر کیسا استدلال اپنے اس قانون قدرت سے کیا یعنے اپنے اُن مصنوعات سے جو زمین و آسمان میں پائی جاتی ہیں۔ جن کے دیکھنے سے مطابق منشا اس آیت کریمہ کے صاف صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بیشک اس عالم کا ایک صانع قدیم اور کامل اور وحدہٗ لاشریک اور مدبر بالارادہ اور اپنے رسولوں کو دنیا میں بھیجنے والا ہے۔ وجہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی تمام یہ مصنوعات اور یہ سلسلہ نظام عالم کا جو ہماری نظر کے سامنے موجود ہے۔ یہ صاف طور پر تبلا رہا ہے کہ یہ عالم خود بخود نہیں بلکہ اس کا ایک موجد اور صانع ہے جسکے لئے یہ ضروری صفات ہیں کہ وہ رحمان بھی ہو اور رحیم بھی ہو۔ اور قادر مطلق بھی ہو اور واحد لاشریک بھی ہو اور ازلی ابدی بھی ہو اور مدبر بالارادہ بھی ہو۔ اور مستجمع جمیع صفات کاملہ بھی ہو۔ اور وحی کو نازل کرنیوالا بھی ہو۔ **دوسری** نشانی یعنی فرعھا فی السّمآء جسکے معنے یہ ہیں کہ آسمان تک اسکی شاخیں پہونچی ہوئی ہیں اور آسمان پر نظر ڈالنے والے یعنے قانون قدرت کے مشاہدہ کرنے والے اس کو دیکھ سکیں۔ اور نیز وہ انتہائی درجہ کی تعلیم ثابت ہو۔ اسکے ثبوت کا ایک حصہ تو اسی آیت موصوفہ بالا سے پیدا ہوتا ہے۔ کیں لئے کہ جیسا کہ اللہ جلشانہٗ نے مثلاً قرآن کریم میں یہ تعلیم بیان فرمائی ہے کہ الحمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم ملک یوم الدین جس کے یہ معنے ہیں کہ اللہ جلشانہٗ تمام عالموں کا رب ہے۔ یعنے علۃ العلل ہر ایک ربوبیت کا وہی ہے دوسری یہ کہ وہ رحمن بھی ہے یعنے بغیر ضرورت کسی عمل کے اپنی طرف سے طرح طرح کے آلاء اور نعماء شامل حال اپنی مخلوق کے رکھتا ہے۔ اور رحیم بھی ہے کہ اعمال صالحہ کے بجا لانیوالوں کا مددگار ہوتا ہے۔ اور ان کے مقاصد کو کمال تک پہنچاتا ہے اور مالک یوم الدین بھی ہے کہ ہر ایک جزا سزا اسکے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح پر چاہے اپنے بندہ سے معاملہ کرے چاہے تو اُس کو ایک عمل بد کے عوض میں وہ سزا دیوے۔ جو اس عمل بد کے مناسب حال ہے۔ اور چاہے تو اسکے لئے مغفرت کے سامان میسّر کرے۔ یہ تمام امور اللہ جل شانہٗ کے اس نظام کو دیکھ کر صاف ثابت ہوتے ہیں۔

پھر **تیسری** نشانی جو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی تؤتی اکلھا کل حین یعنی کامل کتاب

دوسری نشانی فرعھا فی السّمآء

تیسری نشانی تؤتی اکلھا کل حین

کی ایک یہ بھی نشانی ہے - کہ جس پھل کا وہ وعدہ کرتی ہے - وہ صرف وعدہ ہی وعدہ نہ ہو بلکہ وہ پھل ہمیشہ اور ہر وقت میں دیتی رہے - اور پھل سے مراد اللہ جلشانہ نے اپنا لقا مع اسکے تمام لوازم کے جو برکات سماوی اور مکالمات الٰہیہ اور ہر ایک قسم کی قبولیتیں اور خوارق ہیں - رکھی ہیں جیسا کہ خود فرماتا ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاءکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیہا ما تشتھی انفسکم ولکم فیہا ما تدعون - نزلا من غفور رحیم (س ۲۴ ر ۱۸) وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر انہوں نے استقامت اختیار کی یعنے اپنی بات سے نہ پھرے اور طرح طرح کے زلازل ان پر آئے - مگر انہوں نے ثابت قدمی کو ہاتھ سے نہ دیا - ان پر فرشتے اُترتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم کچھ خوف نہ کرو اور نہ کچھ حزن - اور اس بہشت سے خوش ہو جس کا تم وعدہ دیئے گئے تھے - یعنے اب وہ بہشت تمہیں ملگیا اور بہشتی زندگی اب شروع ہوگئی کس طرح شروع ہوگئی نحن اولیاءکم الخ اس طرح کہ ہم تمہارے متولی اور متکفل ہوگئے - اس دنیا میں اور آخرت میں اور تمہارے لئے اس بہشتی زندگی میں جو کچھ تم مانگو وہی موجود ہے - یہ غفور رحیم کیطرف سے مہمانی ہے - مہمانی کے لفظ سے اس پھل کیطرف اشارہ کیا ہے جو آیۃ "تؤتی اکلہا کل حین" میں فرمایا گیا تھا - اور آیۃ "فرعہا فی السماء" کے متعلق ایک بات ذکر کرنے سے رہ گئی - کہ کمال اس تعلیم کا باعتبار اُسکے انتہائی درجہ ترقی کے کیونکر ہے - اسکی تفصیل یہ ہے کہ قرآن شریف سے پہلے جس قدر تعلیمیں آئیں درحقیقت وہ ایک قانون مختص القوم یا مختص الزمان کیطرح تھیں - اور عام افادہ کی قوت ان میں نہیں پائی جاتی تھی - لیکن قرآن کریم تمام قوموں اور تمام زمانوں کی تعلیم اور تکمیل کے لئے آیا ہے - مثلاً نظیر کے طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں بڑا زور سزادہی اور انتقام میں پایا جاتا ہے جیسا کہ دانت کے عوض دانت اور آنکھ کے عوض آنکھ کے فقرہ سے معلوم ہوتا ہے - اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم میں بڑا زور عفو اور درگذر پر پایا جاتا ہے - لیکن ظاہر ہے کہ یہ دونوں تعلیمیں ناقص ہیں نہ ہمیشہ انتقام سے کام چلتا ہے اور نہ ہمیشہ عفو سے بلکہ اپنے اپنے موقعہ پر نرمی اور درشتی کی ضرورت ہوا کرتی ہے - جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا ومن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ (س ۲۵ - ر ۵) یعنے اصل بات تو یہ ہے کہ بدی

کامل کتاب کی پیروی سے لقاء ربانی مع جمیع لوازم عطا ہوتا ہے -

فرعہا فی السماء کی تفسیر

کا عوض تو اسی قدر بدی ہے جو پہنچ گئی ہے۔ لیکن جو شخص عفو کرے اور عفو کا نتیجہ کوئی اصلاح ہو نہ کہ کوئی فساد یعنی عفو اپنے محل پر ہو نہ غیر محل پر پس اجر اس کا اللہ پر ہے۔ یعنی یہ نہایت احسن طریق ہے۔ اب دیکھئے اس سے بہتر اور کون سی تعلیم ہوگی کہ عفو کو عفو کی جگہ اور انتقام کو انتقام کی جگہ رکھا۔ اور پھر فرمایا ان اللہ یامر بالعدل والاحسان و ایتاء ذی القربی (س ۱۴ ر ۱۹) یعنے اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ تم عدل کرو۔ اور عدل سے بڑھ کر یہ ہے کہ باوجود رعایت عدل کے احسان کرو۔ اور احسان سے بڑھکر یہ ہے کہ تم ایسے طور سے لوگوں سے مروت کرو کہ جیسے کہ گویا وہ تمہارے پیارے اور ذوالقربیٰ ہیں۔ اب سوچنا چاہیئے کہ مراتب تین ہی ہیں۔ اول انسان عدل کرتا ہے۔ یعنی حق کے مقابل حق کی درخواست کرتا ہے۔ پھر اگر اس سے بڑھے تو مرتبہ احسان ہے۔ اور اگر اس سے بڑھے تو احسان کو بھی نظرانداز کر دیتا ہے۔ اور ایسی محبت سے لوگوں کی ہمدردی کرتا ہے جیسے ماں اپنے بچہ کی ہمدردی کرتی ہے۔ یعنے ایک طبعی جوش سے نہ کہ احسان کے ارادہ سے۔ (باقی آیندہ)

دستخط بحروف انگریزی غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام	دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

بیان مسٹر عبداللہ صاحب

۲۵ - مئی سنہ ۱۸۹۳ء

باقی بیان مسٹر عبداللہ صاحب

بقیہ دریوزہ

جناب میرزا صاحب مکرم میرے جو فرماتے ہیں کہ جو امور تعلیمیہ کسی کتاب الہامی کے ہوں انکا ثبوت بھی اسی کتاب کے بیان سے ہو۔ یعنی اس قسم کی کچھ ملی نہ ہوجائے کہ کچھ تو کتاب کی تعلیم سے پیدا ہو جائے۔ اور کچھ ذہن اس شخص سے جو تائید کرنیکے واسطے اس تعلیم کے کھڑا ہے۔ جس کے جواب میں میری التماس یہ ہے کہ میں نے مختصر ایک فہرست بنادی ہے۔ کہ جس کو پادری ٹامس ہاول صاحب لکھوا دیویں کہ میں

کمزور آدمی ہوں۔ وہو ہذا

اوّل کثرت فی الوحدت

یرمیا ۲۳ باب ۶۔ اسکے دنوں میں یہودا نجات پاویگا۔ اور اسرائیل سلامتی سے سکونت کریگا۔ اور اس کا یہ نام رکھا جائیگا۔ خداوند ہماری صداقت اصل میں ہے یہوصد قنو۔ یسعیاہ باب ۴ و ۸ باب ۱۰ دیکھو کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی۔ اور اس کا نام ایمانوئیل رکھیں گے۔ تم منصوبہ باندھو پروہ باطل ہوگا۔ حکم سناؤ پر وہ نہ ٹھہریگا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اس جگہ لفظ ایمانوئیل ہے۔ یسعیاہ ۴۰ باب ۳۔ ملاکی ۳ باب ۱ بمقابلہ متی ۳ باب ۳ زکریا ۱۲ باب ۱۰ بمقابلہ یوحنا ۱۹ باب ۳۷۔ یسعیاہ ۶ باب ۵ بمقابلہ یوحنا ۱۲ باب ۳۷ و ۴۰ و ۴۱

دوم الوہیت کی لازمی صفات المسیح میں

اول ازلیت یوحنا ۱ باب ۱ سے ۳ تک۔ ابتدا میں کلام تھا۔ اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس سے موجود ہوئیں اور کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اس کے ہوئی۔ یوحنا ۸ باب ۵۸۔ یسوع نے انہیں کہا کہ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں۔ پیشتر اس سے کہ ابراہام ہو میں ہوں۔ مکاشفات ۱ باب ۸۔ خداوند یوں فرماتا ہے کہ میں الفا اور میگا اول و آخر جو ہے اور تھا اور آنے والا ہے قادر مطلق ہوں۔ یوحنا ۱۷ باب ۵۔ یسعیاہ ۴۴ باب ۶ بمقابلہ مکاشفات ۲ باب ۸ و میکہ ۵ باب ۲۰

دوم خالقیت یوحنا $\frac{1}{10\,و\,3}$ سب چیزیں اس سے موجود ہوئیں۔ کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اس کے ہوئی وہ جہان میں تھا اور جہاں اسی سے موجود ہوا۔ اور جہاں نے اسے نہ جانا۔ عبرانی $\frac{1}{2\,و\,3}$ ان آخری دنوں میں ہم سے بیٹے کے وسیلہ سے بولا۔ جس نے اس کو ساری چیزوں کا وارث ٹھہرایا اور جسکے وسیلے اسنے عالم بنائے وہ اسکے جلال کی رونق اور اسکی ماہیت کا نقش ہوکے سب کچھ اپنی ہی قدرت کے کلام سے سنبھال لیتا ہے۔ قلسی $\frac{1}{15\,و\,16\,و\,17}$ افسی $\frac{3}{9}$ مکاشفات $\frac{4}{11}$ ان سب کا مقابلہ امثال ۸ باب سے

تیسرا محافظ کل ہستی

قلسی $\frac{1}{17}$ وہ سب سے آگے ہے اور اس سے ساری چیزیں بحال رہتی ہیں بمقابلہ یسعیاہ $\frac{44}{24}$ عبرانی $\frac{1}{1\,و\,2\,و\,3\,و\,10}$

چوتھا لا تبدیل

عبرانی ۱۳/۸ یسوع مسیح کل اور آج اور ابد تک ایک سا ہے مزمور ۱۰۲/۲۵ و ۲۶ و ۲۷ بمقابلہ عبرانی ۱/۸ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲

پانچواں ہمہ دانی پہلا سلاطین ۸/۳۹ تو اپنے مسکن آسمان پر سے سن اور بخشدے اور عمل کر اور ہر ایک آدمی کو جس کے دل کو تو جانتا ہے۔ اس کی سب روش کے مطابق بدلہ دے اسلئے کہ تو ہاں تو ہی اکیلا سارے بنی آدم کے دلوں کو جانتا ہے (یہ خدا تعالےٰ کی تعریف ہے) بمقابلہ مکاشفات ۲/۲۳ اور سارے کلیساؤں کو معلوم ہوگا۔ کہ میں وہی ہوں یعنے یسوع مسیح جو دلوں اور گردوں کا جانچنے والا ہوں اور میں تم میں سے ہر ایک کو اسکے کاموں کے موافق بدلہ دوں گا۔ متی ۱۱/۲۷ و ۹/۴ و ۱۲/۲۵ لوقا ۶/۸ ۹/۴۷ یوحنا ۱/۴۸ ۲/۲۴ و ۲۱/۱۷ قلسی ۲/۳

ششم حاظر و ناظر (مکانی) متی ۱۸/۲۰ کیونکہ جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہوں وہاں میں اُن کے بیچ میں ہوں۔ یوحنا ۳/۱۳ اور کوئی آسمان پر نہیں گیا سوا اُس شخص کے جو آسمان پر سے اترا یعنے ابن آدم جو آسمان پر ہے (زمانی) متی ۲۸/۲۰ یوحنا ۱/۴۸

ساتواں قادر مطلق۔ یوحنا ۵/۲۱ جس طرح باپ مردوں کو اٹھاتا ہے اور جلاتا ہے۔ بیٹا بھی جنہیں چاہتا ہے جلاتا ہے۔ مکاشفات ۱/۸ میں الفا اور امیگا اول اور آخر جو ہے اور تھا اور آنے والا ہے قادر مطلق ہوں۔ متی ۲۸/۱۸ مرقس ۱/۲۷ یوحنا ۳/۳۱-۳۵ ۱۶/۱۵ فلپی ۳/۲۱ عبرانی ۷/۲۵ اول پطرس ۳/۲۲

آٹھواں ہمیشہ کی زندگی۔ یوحنا ۱۱/۲۵ یسوع نے اُسے کہا کہ قیامت اور زندگی میں ہی ہوں پہلا یوحنا ۵/۲۰

سوم۔ المسیح مالک کل ہے۔ رومی ۱۴ باب ۹ کہ مسیح اسلئے موا اور اٹھا اور جیا کہ مردوں اور زندوں کا بھی خداوند ہو۔ پہلا طمطاوس ۶/۱۵ جسے وہ بر وقت ظاہر کریگا۔ جو مبارک اور اکیلا حاکم بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ہے۔ اعمال ۱۰/۳۶ افسی ۱/۲۲ و ۲۳ مکاشفات ۱۹/۱۶

چہارم کل عالم کا اختیار رکھتا ہے۔ متی ۲۸/۱۸ اور یسوع نے پاس آکر اُسے کہا کہ آسمان اور زمین کا سارا اختیار مجھے دیا گیا ہے۔ متی ۱/۱۴ عبرانی ۱/۲

پنجم۔ المسیح کی پرستش ۔ ان آیات میں جس لفظ کا ترجمہ سجدہ ہوا ہے۔ اصل زبان میں پراس اخومائی ہے جس کے خاص معنی پرستش الٰہی کے ہیں۔ متی ۲/۱۱ و ۸/۲ و ۹/۱۸ و ۱۴/۳۳ و ۱۵/۲۵ و ۲۰/۲۰ و ۲۸/۹ مرقس ۵/۶ پہلا تسبیلقون ۳/۱۱ عبرانی ۱/۶ فلپی ۲/۱۰ و ۱۱ نبی اور بزرگ اور فرشتے ایسی پرستش اپنی سے سخت انکار کرتے رہے۔ مگر مسیح نے انکار نہیں کیا۔ مکاشفات ۱۹/۱۰ یوحنا نے انکار کیا اعمال ۱۰/۲۶ پطرس نے انکار کیا ۱۴/۱۴ پولوس نے انکار کیا۔

ششم المسیح سے دعا مانگی جاتی ہے۔ اعمال ۷/۵۹ ستفنس پر پتھراؤ کیا۔ جو یہ دعا مانگتا تھا کہ اے خداوند یسوع میری روح کو قبول کر۔ مرقس ۹/۲۴ لوقا ۲۳/۴۲ یوحنا ۹/۳۸ دوسری قرنتی ۱۲/۸ و ۹ مکاشفات ۵/۸-۱۲-۱۳

ہفتم المسیح دنیا کی عدالت کرے گا۔ متی ۱۶/۲۷ کیوں کہ ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آوے گا۔ تب ہر ایک کو اُس کے اعمال کے موافق بدلہ دے گا۔ دوسری قرنتی ۵/۱۰ کیونکہ ہم سب کو ضرور ہے کہ مسیح کی مسند عدالت کے آگے حاضر ہوویں تاکہ ہر ایک جو کچھ اُس نے بدن میں ہو کے کیا۔ بھلا یا بُرا مطابق اسکے پاوے متی ۱۳/۴۱ و ۴۲ و ۴۳ ۲۵/۳۱ سے ۴۱ یوحنا ۵/۲۲ و ۲۳ اعمال ۱۰/۴۲

ہشتم المسیح گناہ بخشتا ہے۔ متی ۹/۶ لیکن تاکہ تم جانو کہ ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے لوقا ۵/۲۰ سے ۲۶ ۷/۴۸

نہم۔ المسیح اپنے فرشتوں کو بھیجتا ہے۔ متی ۱۳/۴۱ ابن آدم اپنے فرشتوں کو بھیجیگا مکاشفات ۱/۱ و ۲۲/۶

نوٹ اگر مسیح محض انسان ہی ہوتا تو صفات مذکورہ بالا جو فقط ذات باری تعالیٰ پر عائد ہو سکتی ہیں۔ اس پر کس طرح عائد ہوتیں۔ علاوہ اس کے واضح ہو کہ انسان کی نجات و سزا وغیرہ کے متعلق المسیح کو وہ کام منسوب کئے گئے ہیں۔ جو سوائے خالق کے مخلوق نہیں کر سکتا اور نہ بائبل میں کسی اور کو منسوب کئے گئے۔

اب جناب کے اُن امور کا جواب جو پہلے پورا نہ ہوا تھا۔ سو یہ ہے کہ جناب نے مسیح کی الوہیت کے مخالف اس کا وہ بیان لیا ہے جو تمہاری کتب میں لکھا ہے تم سب خدا ہو تب تم میرے خدا ہونے کو کیوں رد کرتے ہو۔ میرزا صاحب فرماتے ہیں۔ کہ مناسب تو یہ تھا

کہ اس جگہ مسیح اپنے دعویٰ الوہیت کو مفصل پیش اور ثابت کرنا۔

جواب میری التماس یہ ہے کہ ایک شخص کا کچھ بیان کرنا منجملہ اسکی وجوہات مضمنہ کے منافی اسکے ما بقی مضمنہ کا نہیں یعنے الوہیت کا انکار اس میں نہیں۔ اسمیں مراد المسیح کی صرف ان کے غصہ کو فرو کرنا تھا۔ کیونکہ وہ اس امر پر اسکو پتھراؤ کرنا چاہتے تھے کہ اس نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ اور انہوں نے یہ معنے کئے اور صحیح کئے کہ تو اپنے آپ کو خدا کا بیٹا ٹھہرا کر خدا کا مساوی بنتا ہے۔ پس یہ تیرا کفر ہے۔ ہم اسلئے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ لفظ اللہ کہنے سے میرے پر کفر کس طرح عاید کرتے ہو کیا تمہارے ہاں کتب انبیاء میں نہیں لکھا کہ قضات اور بزرگ الوہیم کہلائے اگر وہ الوہیم کہلائے اور کفر ان پر عاید نہ ہوا۔ اور مجھ کو جسے خدا نے مخصوص کیا ہے کفر کا الزام لگاتے ہو۔ یہاں سے صاف نظر آتا ہے کہ ان کی دیوانگی کے شعلہ کو فرو کیا ہے اور اپنی الوہیت کا (ان لفظوں میں) نہ انکار کیا نہ اقرار۔ فقط باقی آئندہ

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر۔ فصیح ۔ (پریزیڈنٹ)	ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

بیان حضرت میرزا صاحب

حضرت میرزا صاحب کا بیان

۲۵ مئی ۱۸۹۳ء

۲۵۔ مئی سنہ ۱۸۹۳ء

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے کمال کے لفظ پر گرفت کی تھی۔ اس کا کسی قدر جواب برعایت اختصار دے چکا ہوں۔ مگر ڈپٹی صاحب موصوف نے ساتھ اسکے یہ فقرہ بھی ملا دیا ہے کہ نجات دینے میں کمال ہونا چاہیئے۔ اور منجی حضرت مسیحؑ ہیں۔ اور ان کی تائید میں ڈپٹی صاحب نے بہت سی پیشگوئیاں بائیبل اور نیز خطوط عبرانیوں وغیرہ سے لکھکر پیش کی ہیں۔ مگر میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ یہ دردسری بے فایدہ اٹھائی گئی میری طرف سے یہ شرط ہو چکی تھی کہ فریقین میں سے جو صاحب اپنی الہامی کتاب کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہیں۔ اس میں یہ قاعدہ ہونا چاہیئے کہ اگر وہ بیان از قسم دعویٰ ہو تو وہ دعویٰ بھی

الہامی کتاب آپ پیش کرے - اور اگر وہ بیان از قسم دلایل عقلیہ ہو تو چاہیئے کہ الہامی کتاب دلایل عقلیہ آپ پیش کرے نہ یہ کہ الہامی کتاب پیش کرنے سے عاجز ہو - اور اسکی حالت پر رحم کرکے اُس کی مدد کی جائے - ڈپٹی صاحب توجہ فرماویں کہ بینے ابطال الوہیت کی جب دلیل پیش کی تو وہ اپنی طرف سے نہیں کی بلکہ وہ عقلی دلیل پیش کی - جو قرآن کریم نے آپ دمائی تھی - مگر میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے مطابق شرائط قرار یافتہ کے عقلی دلائل میں سے کیا پیش کیا - اگر ڈپٹی صاحب یہ فرماویں کہ ہم نے ایک ذخیرہ کثیرہ پیشگویوں کا جو پیش کردیا تو اس سے زیادہ کیا پیش کیا جاتا - تو اُسکے جواب میں افسوس سے بھرے ہوئے دِل کے ساتھ مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ پیشگوئیاں دلائل عقلیہ میں سے نہیں ہیں - وہ تو ہنوز دعاوی کے رنگ میں ہیں - جو اپنے ثبوت کی بھی محتاج ہیں چہ جائیکہ دوسری چیز کی مثبت ہوسکیں - اور میں شرط کرچکا ہوں کہ دلائل عقلیہ پیش کرنی چاہئیں - ماسوا اسکے جس قدر پیش کیا گیا ہے - حضرت مسیحؑ اس کی تصدیق سے انکار کررہے ہیں - اگرچہ میں اپنے کل کے بیان میں کسی قدر اس کا ثبوت دے چکا ہوں مگر ناظرین کی زیادت معرفت کی غرض سے پھر کسی قدر لکھتا ہوں - کہ حضرت مسیحؑ یوحنا باب ۱۰ میں ۳۰ تک صاف طور پر فرمارہے ہیں کہ مجھ میں اور دوسرے مقربوں اور مقدسوں میں ان الفاظ کی اطلاق میں جو بائبل میں اکثر انبیاء وغیرہ کی نسبت بولے گئے ہیں جو ابن اللہ ہیں یا خدا ہیں - کوئی امتیاز اور خصوصیت نہیں - ذرہ سوچ کر دیکھنا چاہیئے - کہ حضرت مسیحؑ پر یہودیوں نے یہ بات سُنکر کہ وہ اپنے تئیں ابن اللہ کہتے ہیں یہ الزام لگایا تھا کہ تو کفر کہتا ہے یعنی کافر ہے اور پھر انہوں نے اس الزام کے لحاظ سے اُنکو پتھراؤ کرنا چاہا - اور بڑے افروختہ ہوئے - اب ظاہر ہے کہ ایسے موقعہ پر کہ جب حضرت مسیحؑ یہودیوں کی نظر میں اپنے ابن اللہ کہلانے کی وجہ سے کافر معلوم ہوتے تھے اور انہوں نے اُسکو سنگسار کرنا چاہا - تو ایسے موقعہ پر کہ اپنی بریت یا اثبات دعویٰ کا موقعہ تھا - مسیحؑ کا فرض کیا تھا؟ ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اس موقعہ پر کہ کافر بنایا گیا - حملہ کیا گیا سنگسار کرنے کا ارادہ کیا گیا - دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرنا مسیحؑ کا کام تھا - اوّل یہ کہ اگر حقیقت میں حضرت مسیحؑ خدا تعالےٰ کے بیٹے ہی تھے تو یوں جواب دیتے کہ یہ میرا دعویٰ حقیقت میں سچا ہے اور میں واقعی طور پر خدا تعالےٰ کا بیٹا ہوں - اور اس دعویٰ کے ثابت

کرنے کے لئے میرے پاس دو ثبوت ہیں - ایک یہ کہ تمہاری کتابوں میں میری نسبت لکھا ہے کہ مسیح ؑ درحقیقت خدا تعالےٰ کا بیٹا ہے بلکہ خود خدا ہے - قادر مطلق ہے - عالم الغیب ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے - اگر تم کو شبہ ہے تو لاؤ کتابیں پیش کرو - میں اُن کتابوں سے اپنی خدائی کا ثبوت تمہیں دِکھلادوں گا - یہ تمہاری غلط فہمی اور کم توجہی اپنی کتابوں کی نسبت ہے کہ تم مجھے کافر ٹھہراتے ہو تمہاری کتابیں ہی تو مجھے خدا بنا رہی ہیں - اور قادر مطلق بتلا رہی ہیں - پھر میں کافر کیوں کر ہوا - بلکہ تمہیں تو چاہیئے کہ اب میری پرستش اور پوجا شروع کردو کہ میں خدا ہوں -

پھر دوسرا ثبوت یہ دینا چاہیئے تھا - کہ آؤ خدائی کی علامتیں مجھ میں دیکھ لو جیسے خدا تعالےٰ نے آفتاب ماہتاب ستارے زمین وغیرہ پیدا کیا ہے - ایک قطعہ زمین کا یا کوئی ستارہ یا کوئی اور چیز میں نے بھی پیدا کی ہے - اور اب بھی پیدا کرکے دکھلا سکتا ہوں اور نبیوں کے معمولی معجزات سے بڑھ کر مجھ میں قوت اور قدرت حاصل ہے - اور مناسب تھا کہ اپنے خدائی کے کاموں کی ایک مفصل فہرست اُن کو دیتے کہ دیکھو آجتک یہ یہ کام میں نے خدائی کے کئے ہیں - کیا حضرت موسیٰ ؑ سے لیکر تمہارے کسی آخری نبی تک ایسے کام کسی اور نے بھی کئے ہیں - اگر ایسا ثبوت دیتے تو یہودیوں کا مُنہ بند ہو جاتا اور اُسی وقت تمام فقیہ اور فریسی آپ کے سامنے سجدہ میں گرتے کہ ہاں حضرت ! ضرور آپ خدا ہی ہیں ہم بھولے ہوئے تھے - آپ نے اُس آفتاب کے مقابل پر جو ابتدا سے چمکتا ہوا چلا آتا ہے - اور دن کو روشن کرتا ہے اور اس ماہتاب کے مقابل پر جو ایک خوبصورت روشنی کے ساتھ رات کو طلوع کرتا ہے - اور رات کو منور کر دیتا ہے - آپ نے ایک آفتاب اور ایک ماہتاب اپنی طرف سے بنا کر ہمکو دکھلا دیا ہے - اور کتابیں کھولکر اپنی خدائی کا ثبوت ہماری مقبولہ مسلمہ کتابوں سے پیش کر دیا ہے - اب ہماری کیا مجال ہے کہ بھلا آپ کو خدا نہ کہیں جہاں خدا نے اپنی قدرتوں کے ساتھ تجلی کی وہاں عاجز بندہ کیا کر سکتا ہے - لیکن حضرت مسیح ؑ نے اِن دونوں ثبوتوں میں سے کسی ثبوت کو بھی پیش نہ کیا اور پیش کیا تو ان عبارتوں کو پیش کیا سُن لیجئے -

تب یہودیوں نے پھر پتھر اٹھائے کہ اُس پر پتھراؤ کریں - یسوع نے اُنہیں جواب دیا کہ میں نے اپنے باپ کے بہت سے اچھے کام تمہیں دکھائے ہیں - اِن میں سے کس کام

کے لئے تم مجھے پتھراؤ کرتے ہو یہودیوں نے اُسے جواب دیا کہ ہم تجھے اچھے کام کیلئے نہیں بلکہ اسلئے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تو کفر کہتا ہے اور انسان ہو کے اپنے تئیں خدا بناتا ہے۔ یسُوع نے انہیں جواب دیا کہ کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا ہو۔ جب کہ اُس نے انہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو تم اُسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہاں میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے کہ میں نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔

اب منصفین سوچ لیں کہ کیا الزام کفر کا دور کرنے کے لئے اور اپنے آپکو حقیقی طور پر بیٹا اللہ تعالیٰ کا ثابت کرنے کے لئے یہی جواب تھا کہ اگر میں نے بیٹا کہلایا تو کیا ہرج ہو گیا۔ تمہارے بزرگ بھی خدا کہلاتے رہے ہیں۔

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب اس جگہ فرماتے ہیں کہ گویا حضرت مسیحؑ انکے بلوے سے خوفناک ہو کر ڈر گئے اور اصلی جواب کو چھپا لیا اور تقیہ اختیار کیا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ کیا یہ اُن نبیوں کا کام ہے کہ اللہ جلشانہ کی راہ میں ہر وقت جان دینے کو تیار رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ جلشانہ فرماتا ہے الذین یبلغون رسالات اللہ و یخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ یعنے اللہ تعالےٰ کے سچے پیغمبر جو اسکے پیغام پہنچاتے ہیں۔ وہ پیغام رسانی میں کسی سے نہیں ڈرتے۔ پس حضرت مسیحؑ قادر مطلق کہلا کر کمزور یہودیوں سے کیوں ڈر گئے۔

خدا کے رسول کسی سے نہیں ڈرتے سوا خدا کے

اب اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حقیقی طور پر ابن اللہ ہونے کا یا خدا ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ اور اس دعویٰ میں اپنے تئیں ان تمام لوگوں کا ہمرنگ قرار دیا۔ اور یہ بات کا اقرار کیا کہ انہیں کے موافق یہ دعویٰ بھی ہے تو پھر اس صورت میں وہ پیشگوئیاں جو ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب پیش فرماتے ہیں وہ کیوں کر بموجب شرط کے صحیح سمجھی جائیں گی۔ ایسا تو نہیں کرنا چاہیئے کہ مدعی سُست گواہ چُست۔ حضرت مسیحؑ تو کفر کے الزام سے بچنے کے لئے صرف یہ عذر پیش کرتے ہیں۔ کہ میری نسبت اسیطرح بیٹا ہونے کا لفظ بولا گیا ہے۔ جس طرح تمہارے بزرگوں کی نسبت بولا گیا ہے گویا یہ فرماتے ہیں کہ میں تو اس وقت قصور وار اور مستوجب کفر ہوتا کہ خاص طور پر بیٹا ہونیکا دعویٰ کرتا۔ بیٹا کہلانے اور خدا کہلانے سے تمہاری کتابیں بھری پڑی ہیں

دیکھ لو۔ پھر حضرت مسیح ؑ نے صرف اسی پر بس نہیں کی۔ بلکہ آپ نے کئی مقامات انجیل میں اپنی انسانی کمزوریوں کا اقرار کیا جیسا کہ جب قیامت کا پتہ اُن سے پوچھا گیا۔ تو آپ نے اپنی لاعلمی ظاہر فرمائی۔ اور کہا کہ بجز اللہ تعالیٰ کے قیامت کے وقت کو کوئی نہیں جانتا۔

اب صاف ظاہر ہے کہ علم روح کی صفات میں سے ہے نہ کہ جسم کی صفات میں سے۔ اگر ان میں اللہ تعالیٰ کی روح تھی۔ اور یہ خود اللہ تعالیٰ ہی تھے تو لاعلمی کے اقرار کی کیا وجہ۔ کیا خدا تعالیٰ بعد علم کے نادان بھی ہو جایا کرتا ہے۔ پھر متی ۱۹ باب ۱۶ میں لکھا ہے "دیکھو ایک نے آکے اُسے (یعنے مسیح ؑ سے) کہا اے نیک استاد میں کونسا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں اُسنے اُسے کہا تو کیوں نیک مجھے کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ پھر متی ۲۰ میں لکھا ہے کہ زبدی کے بیٹوں کی ماں نے اپنے بیٹوں کے حضرت مسیح کے دائیں بائیں بیٹھنے کی درخواست کی تو فرمایا اس میں میرا اختیار نہیں۔ اب فرمایئے کہ قادر مطلق ہونا کہاں گیا قادر مطلق بھی کبھی بے اختیار ہو جایا کرتا ہے۔ اور جب کہ اسقدر تعارض صفات میں واقع ہو گیا کہ حضرات حواری تو آپ کو قادر مطلق خیال کرتے ہیں اور آپ قادر مطلق ہونے سے انکار کر رہے ہیں۔ تو ان پیشگردہ پیشگوئیوں کی کیا عزت اور کیا وقعت باقی رہی جس کے لئے یہ پیش کی جاتی ہیں۔ وہی انکار کرتا ہے کہ میں قادر مطلق نہیں۔ یہ خوب بات ہے۔ پھر متی ۲۶/۳۸ میں لکھا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ "مسیح ؑ نے تمام رات اپنے بچنے کے لئے دعا کی اور نہایت غمگین اور دلگیر ہو کر اور رو رو کر اللہ جلشانہ سے التماس کی کہ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے گذر جاوے اور نہ صرف آپ بلکہ اپنے حواریوں سے بھی اپنے لئے دعا کرائی۔ جیسے عام انسانوں میں جب کسی پر کوئی مصیبت پڑتی ہے اکثر مسجدوں وغیرہ میں اپنے لئے دعا کرایا کرتے ہیں۔ لیکن تعجب یہ کہ باوجود اس کے کہ خواہ نخواہ قادر مطلق کی صفت اُن پر تھوپی جاتی ہے اور اُن کے کاموں کو اقتداری سمجھا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ دعا منظور نہ ہوئی۔ اور جو تقدیر میں لکھا تھا وہ ہو ہی گیا۔ اب دیکھو اگر وہ قادر مطلق ہوتے تو چاہیئے تھا کہ یہ اقتدار اور یہ قدرت کاملہ پہلے اُن کو اپنے نفس کے لئے کام آتا۔ جب اپنے نفس کے لئے کام نہ آیا تو غیروں کو اُن سے توقع رکھنا ایک طمع خام ہے۔

اب ہمارے اس بیان سے وہ تمام پیشگوئیاں جو ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے پیش کی ہیں رد ہو گئیں۔ اور صاف ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اپنے اقوال

مسیح کا انکار علم قیامت سے صاف بتلا رہا ہے کہ وہ خدا نہیں

مسیح کا انکار نیکی سے کہ میں نیک نہیں نیک صرف خدا ہے

کے ذریعہ اور اپنے افعال کے ذریعہ سے اپنے تئیں عاجز ہی ٹھہراتے ہیں۔ اور خدائی کی کوئی بھی صفت ان میں نہیں ایک عاجز انسان ہیں ہاں نبی اللہ بیشک ہیں خدا تعالے کے سچے رسول ہیں۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں۔ اللہ جلشانہ قرآن کریم میں فرماتا ہے قل ارایتم ما تدعون من دون اللہ اروني ماذا خلقوا من الارض ام لهم شرك في السموات ايتوني بكتاب من قبل هذا او اثارة من علم ان كنتم صادقين۔ ومن اضل ممن يدعو من دون الله من لا يستجيب له الى يوم القيمة وهم عن دعائهم غافلون یعنے کہا تم نے دیکھا کہ جن لوگوں کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ٹھہرا رہے ہو۔ اُنہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا اور ان کو آسمان کی پیدائش میں کوئی شراکت ہے اگر اسکا ثبوت تمہارے پاس ہے اور کوئی ایسی کتاب ہے۔ جس میں یہ لکھا ہو کہ فلاں فلاں چیز تمہارے معبود نے پیدا کی ہے۔ تو لاؤ وہ کتاب پیش کرو اگر تم سچے ہو یعنے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ یوں ہی کوئی شخص قادر مطلق کا نام رکھالے۔ اور قدرت کا کوئی نمونہ پیش نہ کرے اور خالق کہلائے اور خالقیت کا کوئی نمونہ ظاہر نہ کرے۔

اور پھر فرماتا ہے کہ اس شخص سے زیادہ تر گمراہ کون شخص ہے۔ کہ ایسے شخص کو خدا کر کے پکارتا ہے۔ جو اسکو قیامت تک جواب نہیں دے سکتا۔ بلکہ اُسکے پکارنے سے بھی غافل ہے چہ جائے کہ اُس کو جواب دے سکے۔

اب اس مقام پر ایک سچی گواہی میں دینا چاہتا ہوں جو میرے پر فرض ہے اور وہ یہ ہے جو میں اُس اللہ تعالے پر ایمان لاتا ہوں کہ جو بگفتن قادر مطلق نہیں۔ بلکہ حقیقی اور واقعی طور پر قادر مطلق ہے اور مجھے اُس نے اپنے فضل و کرم سے اپنے خاص مکالمہ سے شرف بخشا ہے اور مجھے اطلاع دیدی ہے کہ میں جو سچا اور کامل خدا ہوں میں ہر ایک مقابلہ میں جو روحانی برکات اور سماوی تائیدات میں کیا جائے تیرے ساتھ ہوں اور تجھ کو غلبہ ہوگا۔

حضرت میرزا صاحب کیساتھ خدا کا وعدہ کہ وہ غالب رہیگا

اب میں اس مجلس میں ڈپٹی عبداللہ آتھم کی خدمت میں اور دوسرے تمام حضرات عیسائی صاحبوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ اس بات کو اب طول دینے کی کیا حاجت ہے کہ آپ ایسی پیشگوئیاں پیش کریں جو حضرت مسیح کے اپنے کاموں و فعل کے مخالف پڑی ہوئی ہیں۔ ایک سیدھا اور آسان فیصلہ ہے جو میں زندہ اور کامل خدا سے کسی نشان کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اور آپ حضرت مسیح سے دعا کریں۔ آپ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ وہ قادر مطلق ہے۔ پھر اگر وہ قادر مطلق ہے تو ضرور آپ کامیاب ہو جاویں گے۔ اور میں اس وقت اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں بالمقابل نشان بتلانے میں قاصر رہا تو ہر ایک سزا اپنے اوپر اٹھالوں گا۔ اور اگر آپ نے مقابل پر کچھ دکھلایا تب بھی سزا اٹھالوں گا۔ چاہیئے کہ آپ خلق اللہ پر رحم کریں۔ میں بھی اب پیرانہ سالی تک پہنچا ہوا ہوں۔ اور آپ بھی بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ہمارا آخری ٹھکانا اب قبر ہے۔ آؤ اس طرح پر فیصلہ کرلیں۔ سچا اور کامل خدا بے شک سچے کی مدد کریگا۔ اب اس سے زیادہ کیا عرض کروں۔ (باقی آئندہ)

ایک آسان فیصلہ ہر کسی نشان کیلئے دعا کی جاوے۔

دستخط

(بحروف انگریزی) غلام قادر فصیح پریذیڈنٹ از جانب اہل اسلام

دستخط

(بحروف انگریزی) ہنری مارٹن کلارک پریذیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

پانچواں پرچہ

مباحثہ ۲۶ مئی سنہ ۱۸۹۶ء

رُوئیداد

آج چھ بجے گیارہ منٹ پر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے جواب لکھنا شروع کیا۔ ۷ بجے ۶ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ میرزا صاحب نے ۷ بجے ۲۲ منٹ پر شروع کیا اور آٹھ بجے ۲۲ منٹ پر ختم ہوا۔ میرزا صاحب کا مضمون سُنائے جانے کے بعد یہ سوال پیش ہوا کہ میرزا صاحب نے جو اپنے مضمون کے اخیر میں عیسائی جماعت کو عام طور پر مخاطب کیا ہے اسکے متعلق بعض عیسائی صاحبان کو جو خواہش رکھتے ہیں جواب دینے کی اجازت ہو جاوے۔ سب سے پہلے پادری ٹامس ہاول صاحب نے اجازت طلب کی اور میرزا صاحب نے اپنی طرف سے اجازت دیدی۔ اِسکے بعد پادری احسان اللہ صاحب نے کہا کہ شرائط کے بموجب عیسائی صاحبان کی طرف کسی اور شخص کو بولنے کی اجازت نہیں اور اس سوال میں عیسائی صاحبان کو عام طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ اسلئے یہ سوال ناواجب ہی سمجھا جانا چاہیئے۔ اسپر میر مجلس اہل اسلام نے بیان کیا کہ جس ترتیب کے ساتھ سوال ہوا ہے اسی ترتیب کے ساتھ جواب دیا جانا چاہیئے۔ یعنی سوال بھی مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کے ذریعہ عام طور پر عیسائی صاحبان سے کیا گیا ہے۔ اور جواب بھی انہیں کے ذریعہ اسی ترتیب کیساتھ دیا جائے۔ یعنی اس سوال کے جواب کے موقعہ پر کسی عیسائی صاحب کو جو اجازت طلب کرتے ہیں پیش کریں۔ اسپر میر مجلس عیسائی صاحبان نے بیان کیا کہ اس طرح سے مباحثہ کے انتظام میں نقص آ ئیگا۔ بہتر یہ ہے کہ اس سوال کو ہی نکال دیا جائے۔ اسپر میرزا صاحب نے بیان فرمایا کہ اس میں اتنی ترمیم کیجاسکتی ہے کہ اس سوال کو صرف مسٹر عبداللہ آتھم صاحب تک ہی محدود کیا جائے۔ اور یہ ترمیم باتفاق رائے منظور ہوئی۔ بعد ازاں پادری جے۔ ایل ٹھاکرداس صاحب نے اجازت لیکر بیان کیا کہ میرزا صاحب کو یہ سوال عیسائی صاحبان پر کرنے کا حق ہے مگر چونکہ اس سے پہلے اس امر کا تصفیہ ہو چکا تھا اسلئے وہی بحال رہا۔ پھر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے جواب ۸ بجے ۱۵ منٹ اوپر شروع کیا اور ۹ بجے ۲۲ منٹ پر ختم کیا۔ پھر میرزا صاحب نے ۹ بجے ۲۴ منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا اور ۱۰ بجے ۳۰ منٹ پر ختم کیا۔ بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط کئے گئے اور مصدقہ تحریریں فریقین کو دیگئیں۔ اور جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط (بحروف انگریزی)	دستخط (بحروف انگریزی)
ھنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

ہمارا بیان یہ ہے کہ مسیح کامل انسان اور کامل مظہر اللہ ہے۔ بروئے کلام الٰہی ان دو امروں کا انکار ہونا محال ہے۔ لیکن بالیقین یہودی اسکو مظہر اللہ نہیں جانتے تھے۔ پھر جب کبھی اسکے منہ سے اسکے مظہر اللہ ہونیکا کوئی لفظ نکل آتا تھا۔ تو یہودی اس پر الزام کفر کا لگا کر سنگسار کرنے پر آمادہ ہوتے تھے۔ چنانچہ موقع متنازع کی بھی یہی صورت ہے اور اس موقعہ پر مسیح نے فرمایا کہ اگر میں اپنی انسانیت سے بھی اپنے آپ کو ابن اللہ کہوں تو اس سے زیادہ کچھ نہیں جیسے تمہارے نبی بھی خدا کہلائے تو میرا کہنا ان سے زیادہ بڑھکر بہ نسبت اسکے انسانیت کے بھی نہیں ہے۔ پس یہاں اس نے اپنے مظہر اللہ ہونیکا انکار کیونکر کیا مظہر اللہ ہونے کی آیات تو ہماری محولہ فہرست دیروزہ میں بھی موجود ہیں۔ کس خوش فہمی سے میرزا صاحب رد کرتے ہیں۔ کونسا امر ان میں اسکے بطلان کا پکڑا گیا جو امر خاص متعلق مسیح ؑ کی انسانیت کے ہے وہ منافی اسکی الوہیت یا مظہر اللہ ہونیکا بھی ہوسکتا ہے۔ ہرگز کسی قانون سے نہیں حق تو یہ ہے کہ وہ اپنی انسانیت میں بھی مخصوص اور مرسلہ شخص تھا وہ لفظ جس کا ترجمہ مخصوص ہے۔ یونانی میں "ہے گی ایڈزو" ہے جس کے معنے مقدس اور بھیجا گیا۔ جو لفظ ہے اسکا ایما اسیر ہے کہ وہ فرمایا کرتا تھا کہ میں آسمان سے ہوں۔ تم زمینی ہو یعنی میں آسمان سے زمین پر بھیجا گیا ہوں اور ہمارے شارح اکثر اسکے معنے الوہیت کے کرتے ہیں پھر کیا میرزا صاحب نے اسی باب ۱۰ یوحنا میں یہ نہ دیکھا کہ جیسے مسیح نے اولاً یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں اور باپ ایک ہیں جس پر یہودیوں نے پتھر اٹھائے تھے۔ اس زعم سے کہ وہ انسان مخلوق ہوکر دعویٰ اللہ ہونے کا کرتا ہے۔ پھر جب اس نے اپنی انسانیت کو بھی اس الزام سے بچالیا تو پھر وہی دعویٰ پیش کر دیا کہ میں اور باپ ایک ہیں۔ پس جناب یہ کیونکر فرماتے ہیں کہ وہ ڈر گیا۔ بجائے ڈرنے کے اور بھی اس نے کھلا کھلی دعویٰ الوہیت کو پیش کیا تو یہ صحیح ہے کہ ایک موقعہ پر خداوند مسیح ؑ نے فرمایا کہ میں اس گھڑی سے آگاہ نہیں۔ اور دوسرے موقعہ پر فرمایا کہ میرے دائیں اور بائیں بٹھلانا میرا اختیاری نہیں لیکن یہ کلمات نسبت اسکی انسانیت سے رکھتے ہیں۔ کیونکہ الوہیت کے کلمات اور ہیں۔ چنانچہ یہ کہ زمین و آسمان کا اختیار مجھ کو حاصل ہے اور پھر یہ بھی صحیح ہے کہ ایک موقعہ پر خداوند نے فرمایا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ جبکہ نیک سوائے خدا کے کوئی نہیں مگر یہ فرمانا اسکا اس شخص سے تھا جو اسکو منجی اور مالک

ہر شئے کا نہیں مانتا تھا چنانچہ جب اس نے اخیر میں اس سے کہا کہ اگر تو کامل ہوا چاہتا ہے تو سارا اپنا مال غربا کو دے ڈال اور میرے پیچھے ہولے مگر وہ اس سے دلگیر ہو کر چلا گیا اور اگر وہ اسکو خدا اور مالک جانتا اور یہ کہ وہ اس سے ہزار چند بخش سکتا ہے تو کبھی بھی دلگیر ہو کر نہ جاتا اس سے ظاہر ہے کہ وہ قایل اسکی الوہیت کا نہ تھا اسیواسطے خداوند نے فرمایا کہ تب تو مجھے نیک بھی کیوں کہتا ہے یعنی مکاریوں بنتا ہے کیونکہ تو جانتا ہے کہ نیک سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔

(۳) جناب میرزا صاحب نے کمال ہونے راہ نجات پر قرآن سے کچھ نہیں فرمایا۔ پھر ہماری اور کوئی چیز کس مصرف کی ہے۔ بقول مسیح اگر ہم جہان کو حاصل کریں۔ اور جان کو کھو دیں تو فایدہ کیا ہوا۔ پس سب سے اول لازم اور واجب ہے کہ نجات کی بابت قرآن میں کمال دکھلایا جاوے۔ بیت

وہ ہو تو یہ ہوتی ہو یا نہ ہو   وہ نہ ہو تو سب کا سب فنا ہو

توحید کا علم تو بائیبل میں بھی موجود تھا۔ الا اس کلمہ توحید سے نجات کا کیا علاقہ ہے کیا یعقوب حواری کے خط کے دوسرے باب ۱۹ میں یہ بہت ٹھیک اور واجبا نہیں فرمایا گیا کہ تو کہتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ شیطان بھی کہتا ہے۔ بلکہ تھراتا بھی ہے۔ توریت کے مضمون کے چار حصہ میں ماسوا امور اثباتیہ کے یعنی شریعت اخلاقی۔ شریعت رسمیاتی۔ شریعت قضاتی اور قصص اب یہ سارے امور ٹے پالوجی کے ہیں یعنی نشانات تصویری کے سے چنانچہ اخلاقی میں احتیاج دکھلایا گیا ہے اور رسمیاتی میں یحتاج دکھلایا گیا ہے اور قضاتی میں (نہی اور کرسے) دکھلائی گئی۔ یعنے وہ سلطنت جو خدا تعالے بلا واسطہ غیر کے خود کرتا ہے۔ اور قصص جن میں تصویر کے نشانات بھرے ہیں ان مقامات کو اب اس جگہ اگر ہم لکھیں تو بہت طول ہو جاتا ہے۔ ہم اسکے واسطے اپنی کتاب اندرونہ بائیبل کو پیش کرتے ہیں۔ کہ جس سے یہ سب حال ظاہر ہو جاویگا۔ انجیل میں انہیں نشانات کا صاحب نشان دکھلایا ہے۔ پس یہ متفرق شریعتیں کیونکر ہوئیں۔ البتہ قرآن کی شریعت انکے سوا ہے جو مخصوصہ ساتھ قرآن کے ہے۔ اسکا بار ہم پر کچھ نہیں۔ لیکن آپ پر ہے۔

(۴) صداقت محتاج دلیل کی کیوں کر ہے کیا وہ خود ہی اپنی مراد پر دال نہیں ہے واسطے اور تصفیہ آپ کیا چاہتے ہیں کیا وہ آیات جو ہم نے اس فہرست میں پیش کی ہیں انمیں کوئی ناصاف بھی ہے۔

(۵) ہم سے جو استفسار یہ ہے کہ مسیح نے کیا بنایا تھا۔ خدا نے تو زمین و آسمان اور سب چیزیں

بنایئیں - بجواب اس کے عرض ہے کہ ہم بہ حیثیت انسانیت کے جو اُس نے کچھ نہیں بنایا - لیکن بحیثیت مظہر اقنوم ثانی کے باب ۸ امثال و ایک باب یوحنا میں یوں لکھا ہے جو کچھ بنا ہے اسی کے وسیلہ بنا ہے اور کہ باپ کو کسی نے دیکھا تک نہیں مگر بیٹے نے خلق کو نیکے وسیلہ سے اُسے جتلا دیا۔

(۷) ہم نے خداوند مسیح ع کا ڈر نہیں کہا - بلکہ ان کا بیجا غصہ فرو کرنا کہا ہے۔

(۸) مسیح ع نے تعلیم سلف کو پیچیدہ نہیں کیا - بلکہ پیچیدہ کو صاف کیا ہے۔

چنانچہ اس نے مظہر اللہ ہو کر وہ صفات ظاہر کیں جو اور طرح سے ظاہر نہو سکتی تھیں جیسا کہ متی ۶ - ۹ خدا کا باپ ہونا - یوحنا ۳ - ۱۶ خدا محبت ہے یوحنا کا ۴/۲۴ خدا روح ہے - کثرت فی الوحدت توریت میں صاف لکھی تھی - جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا - تاہم یہودیوں کی آنکھ میں غفلت کا پردہ تھا - اور خداوند نے اس پردہ کو اُٹھا دیا

(۹) کلام الٰہی کی شرح کرنا یہودیوں کا خاص ورثہ نہیں ہے - گو وہ انبیاؤں کی اولاد ہیں اور کلام کے امانندار اور تواتر سے سُننے والے کیونکہ اُن میں بغض اور تعصب بہت بھر گیا تھا - اور جب خداوند یسوع نے یہ فرمایا کہ جو وہ کہتے ہیں سو کرو اور جو کرتے ہیں سو نہ کرو - اسکے معنی صاف یہ ہیں کہ کہنا اُن کا الفاظ توریت سے ہے اور کرنا ان کا برخلاف اسکے -

(۱۰) بدن مسیح کا زوال پذیر ہو یا نہ ہو مگر اس سے کفارہ کا کیا علاقہ ہے فی الحال اور کچھ نہ کہونگا

(باقی آئندہ)

(بحروف انگریزی)	(بحروف انگریزی)
دستخط	دستخط
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

بیان حضرت میرزا صاحب

بیان حضرت میرزا صاحب

میرے کل کے بیان میں نجات کے بارہ میں کچھ لکھنا رہ گیا تھا کہ نجات کی حقیقت کیا ہے - اور سچے حقیقی طور پر کب اور کس وقت کسی کو کہہ سکتے ہیں کہ نجات پا گیا - اب جاننا چاہیئے کہ اللہ جلشانہ نے نجات کے بارہ میں قرآن کریم میں یہ فرمایا ہے وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودًا او نصارٰی تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین - بلٰی من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون اور کہا اُنہوں نے کہ ہرگز بہشت میں داخل نہیں ہوگا یعنے نجات نہیں

نجات کی حقیقت

پائے گا۔ مگر وہی شخص جو یہودی ہوگا یا نصرانی ہوگا۔ یہ ان کی بے حقیقت آرزوئیں ہیں کہو لاؤ برہان اپنی اگر تم سچے ہو۔ یعنی تم دکھلاؤ کہ تمہیں کیا نجات حاصل ہوگئی ہے بلکہ نجات اس کو ملتی ہے۔ جس نے اپنا سارا وجود اللہ کی راہ میں سونپ دیا۔ یعنی اپنی زندگی کو خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کردیا۔ اور اسکی راہ میں لگا دیا۔ اور وہ بعد وقف کرنے اپنی زندگی کے نیک کاموں میں مشغول ہوگیا اور ہر قسم کے اعمال حسنہ بجالانے لگا۔ پس وہی شخص ہے جس کو اسکا اجر اُسکے رب کے پاس سے ملیگا اور ایسے لوگوں پر نہ کچھ ڈر ہے اور نہ وہ کبھی غمگین ہونگے یعنے وہ پورے اور کامل طور پر نجات پا جائیں گے۔ اس مقام میں اللہ جلشانہ نے عیسائیوں اور یہودیوں کی نسبت فرمایا کہ جو وہ اپنی اپنی نجات یابی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ صرف انکی آرزوئیں ہیں۔ اور ان آرزوں کی حقیقت جو زندگی کی مرقع ہے ان میں ہرگز پائی نہیں جاتی بلکہ اصلی اور حقیقی نجات وہ ہے جو اسی دنیا میں اسکی حقیقت نجات یابندہ کو محسوس ہو جائے اور وہ اس طرح پر ہے کہ نجات یابندہ کو اللہ تعالیٰ کیطرف سے یہ توفیق عطا ہو جائے کہ وہ اپنا تمام وجود خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دے اسطرح پر کہ اُسکا مرنا اور جینا اور اُس کے تمام اعمال خدا تعالیٰ کیلئے ہو جائیں اور اپنے نفس سے وہ بالکل کھویا جائے اور اسکی مرضی خدا تعالیٰ کی مرضی ہو جائے اور پھر نہ صرف دل کے عزم تک یہ بات محدود رہے۔ بلکہ اسکی تمام جوارح اور اسکے تمام قویٰ اور اُسکی عقل اور اسکا فکر اور اسکی تمام طاقتیں اسی راہ میں لگ جائیں تب اسکو کہا جائیگا کہ وہ محسن ہے۔ یعنے خدمتگاری کا اور فرمانبرداری کا حق بجالایا۔ جہاں تک اُس کی بشریت سے ہو سکتا تھا سو ایسا شخص نجات یاب ہے جیسا کہ ایکدوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین (س ۸ سورۃ انعام رکوع ۲) کہہ نماز میری اور عبادتیں میری اور زندگی میری اور موت میری تمام اس اللہ کے واسطے ہیں۔ جو رب ہے عالموں کا۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی درجہ کے حاصل کرنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور میں اول مسلمانوں کا ہوں۔

یہودیوں اور نصرانیوں میں نجات کی حقیقت نہیں پائی جاتی۔ صرف منہ کا دعویٰ کرتے ہیں

نجات کی علامتیں

پھر بعد اسکے اللہ جلشانہ اس نجات کی علامات اپنی کتاب کریم میں لکھتا ہے۔ کیونکہ گو جو کچھ فرمایا گیا وہ بھی ایک حقیقی ناجی کے لئے مابہ الامتیاز ہے۔ لیکن چونکہ دنیا کی آنکھیں اس باطنی نجات اور وصول الی اللہ کو دیکھ نہیں سکتیں اور دنیا پر واصل اور غیر واصل کا امر مشتبہ ہو جاتا ہے اسلئے اسکی نشانیاں بھی بتلا دیں کیونکہ یوں تو دنیا میں کوئی بھی فرقہ نہیں

کہ اپنے تئیں غیر ناجی اور جہنمی قرار دیتا ہے کسی سے پوچھ کر دیکھ لیں۔ بلکہ ہر ایک قوم کا آدمی جس کو پوچھو اپنی قوم کو اور اپنے مذہب کے لوگوں کو اول درجہ کا نجات یافتہ قرار دیگا۔ اس صورت میں فیصلہ کیوں کر ہو تو اس فیصلہ کے لئے خدا تعالیٰ نے حقیقی اور کامل ایمانداروں اور حقیقی اور کامل نجات یافتہ لوگوں کے لئے علامتیں مقرر کر دی ہیں اور نشانیاں قرار دیدی ہیں تا دنیا شبہات میں مبتلا نہ رہے۔ چنانچہ منجملہ ان نشانیوں کے بعض نشانیوں کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون الذین امنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ لا تبدیل لکلمات اللہ ذلک ھو الفوز العظیم (س۱۱ ر۱۳ سورۃ یونس) یعنے خبردار ہو تحقیق وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے دوست ہیں اُن پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے وہ ہی لوگ ہیں جو ایمان لائے یعنے اللہ رسول کے تابع ہو گئے اور پھر پرہیزگاری اختیار کی۔ اُن کے لئے خدا تعالیٰ کیطرف سے اس دنیا کی زندگی اور نیز آخرت میں بشارت ہے۔ یعنی خدا تعالےٰ خواب اور الہام کے ذریعہ سے اور نیز مکاشفات سے ان کو بشارتیں دیتا رہیگا۔ خدا تعالیٰ کے وعدوں میں تخلف نہیں اور یہ بڑی کامیابی ہے جو اُن کے لئے مقرر ہو گئی یعنے اس کامیابی کے ذریعہ سے اُنمیں اور غیروں میں فرق ہو جائیگا۔ اور جو سچے نجات یافتہ نہیں ان کے مقابل میں دم نہیں مار سکیں گے۔ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاءکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیہا ما تشتھی انفسکم ولکم فیہا ما تدعون نزلا من غفور رحیم (س۲۴ ر۱۸) یعنے جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر استقامت اختیار کی اُن کی یہ نشانی ہے کہ اُن پر فرشتے اترتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم مت ڈرو۔ اور کچھ غم نہ کرو اور خوشخبری سنو اس بہشت کی کہ جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا۔ ہم تمہارے دوست اور متولی اس دنیا کی زندگی میں ہیں۔ اور نیز آخرت میں اور تمہارے لئے اس بہشت میں وہ سب کچھ دیا گیا جو تم مانگو یہ مہمانی ہے غفور رحیم سے۔

مقربوں کی نشانیاں

اب دیکھیئے اس آیت میں مکالمہ الٰہیہ اور قبولیت اور خدا تعالیٰ کا متولی اور متکفل ہونا اور اسی دنیا میں بہشتی زندگی کی بناڈالنا اور ان کا حامی اور ناصر ہونا بطور نشان کے بیان فرمایا گیا۔

اور پھر اس آیت میں جس کا کل ہم ذکر کر چکے ہیں یعنی یہ کہ توتی اکلھا کل حین ایسی نشانی

کیطرف اشارہ ہے کہ سچی نجات کا پانے والا ہمیشہ اچھے پھل لاتا ہے اور آسمانی برکات کے
پھل اسکو ہمیشہ ملتے رہتے ہیں۔ اور پھر ایک اور مقام میں فرماتا ہے واذا سالک عبادی
عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم
یرشدون۔ (س ۲ ر ۷) اور جب میرے بندے میرے بارہ میں سوال کریں تو انکو کہدے
کہ میں نزدیک ہوں یعنی جب وہ لوگ جو اللہ رسول پر ایمان لائے ہیں یہہ پتہ پوچھنا چاہیں
کہ خدا تعالیٰ ہم سے کیا عنایات رکھتا ہے جو ہم سے مخصوص ہوں اور غیروں میں نہ پائی جاویں
تو انکو کہدے کہ میں نزدیک ہوں یعنی تم میں اور تمہارے غیروں میں یہ فرق ہے کہ تم میرے
مخصوص اور قریب ہو اور دوسرے مہجور اور دور ہیں۔ جب کوئی دعا کرنیوالوں میں سے جو تم
میں سے دعا کرے دعا کرتے ہیں تو میں اسکا جواب دیتا ہوں یعنی میں اسکا ہمکلام ہو جاتا ہوں
اور اس سے باتیں کرتا ہوں۔ اور اسکی دعا کو پایۂ قبولیت میں جگہ دیتا ہوں پس چاہیئے کہ قبول
کریں حکم میرے کو اور ایمان لاویں تا کہ بھلائی پاویں۔ ایسا ہی اور کئی مقامات میں اللہ
جلشانہٗ نجات یافتہ لوگوں کے نشان بیان فرماتا ہے۔ اگر وہ تمام لکھے جاویں تو طول ہو جائے
گا۔ جیسا کہ انمیں سے ایک یہ بھی آیت ہے یاایہا الذین اٰمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم
فرقانا۔ (س ۹ ر ۱۸ سورہ انفال) کہ اے ایمان والو اگر تم خدا تعالیٰ سے ڈرو تو خدا تم
میں اور تمہارے غیروں میں مابہ الامتیاز رکھ دیگا۔

اب میں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب سے باادب دریافت کرتا ہوں کہ اگر عیسائی
مذہب میں طریق نجات کا کوئی لکھا ہے اور وہ طریق آپ کی نظر میں صحیح اور درست ہے اور
اس طریق پر چلنے والے نجات پا جاتے ہیں تو ضرور اس نجات یابی کی علامات بھی اس کتاب
میں لکھی ہوں گی۔ اور سچے ایماندار جو نجات پا کر اس دنیا کی ظلمت سے مخلصی پا جاتے ہیں
ان کی نشانیاں ضرور انجیل میں کچھ لکھی ہوں گی۔ آپ براہ مہربانی مجکو مختصر جواب دیں کہ
کیا وہ نشانیاں آپ صاحبوں کے گروہ میں یا بعض ایسے صاحبوں میں جو بڑے بڑے
مقدس اور اس گروہ کے سردار اور پیشوا اور اول درجہ پر ہیں پائی جاتی ہیں اگر پائی جاتی ہیں تو
انکا ثبوت عنایت ہو۔ اور اگر نہیں پائی جاتیں تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جس چیز کی صحت اور درستی
کی نشانی نہ پائی جائے تو کیا وہ چیز اپنے اصل پر محفوظ اور قایم سمجھی جائے گی۔ مثلاً اگر تربد
یا سقمونیا یا سنا میں خاصہ اسہال کا نہ پایا جائے کہ وہ دست آور ثابت نہ ہو تو کیا اس

تردید کو تردید موصوف یا سقمونیا خالص کہہ سکتے ہیں۔ اور ماسوا اسکے جو آپ صاحبوں نے طریق نجات شمار کیا ہے جسوقت ہم اس طریق کو اس دوسرے طریق کیساتھ جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے مقابل کر کے دیکھتے ہیں تو صاف طور پر آپ کے طریق کا تصنع اور غیر طبعی ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ بات بپایۂ ثبوت پہونچتی ہے کہ آپ کے طریق میں کوئی صحیح راہ نجات کا قایم نہیں کیا گیا مثلاً دیکھئے کہ اللہ جلشانہ قرآن کریم میں جو طریق پیش کرتا ہے وہ تو یہ ہے کہ انسان جب اپنے تمام وجود کو اور اپنی تمام زندگی کو خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دیتا ہے تو اُس صورت میں ایک سچی اور پاک قربانی اپنے نفس کے قربان کرنے سے وہ ادا کر چکتا ہے اور اس لایق ہو جاتا ہے کہ موت کے عوض میں حیات پاوے کیونکہ یہ آپکی کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دیتا ہے وہ حیات کا وارث ہو جاتا ہے۔ پھر جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی تمام زندگی کو وقف کر دیا اور اپنے تمام جوارح اور اعضا کو اسکی راہ میں لگا دیا تو کیا اب تک اُس نے کوئی سچی قربانی ادا نہیں کی کیا جان دینے کے بعد کوئی اور بھی چیز ہے جو اُس نے باقی رکھ چھوڑی ہے۔ لیکن آپکے مذہب کا عدل تو مجھے سمجھ نہیں آتا کہ زید گناہ کرے اور بکر کو اسکے عوض میں سولی دیا جائے آپ اگر غور اور توجہ سے دیکھیں تو بیشک ایسا طریق قابل شرم آپ پر ثابت ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے جب سے انسان کو پیدا کیا۔ انسان کی مغفرت کیلئے بھی قانون قدرت رکھا ہے جو ابھی مینے بیان کیا ہے اور درحقیقت اس قانون قدرت میں جو طبعی اور ابتدا سے چلا آتا ہے ایسی خوبی اور عمدگی ہے جو ایک ہی انسان کی سرشت میں خدا تعالیٰ نے دونوں چیزیں رکھدی ہیں جیسے اسکی سرشت میں گناہ رکھا ہے ویسا ہی اس گناہ کا علاج بھی رکھا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایسے طور سے زندگی وقف کر دی جاوے کہ جسکو سچی قربانی کہہ سکتے ہیں اب مختصر بیان یہ ہے کہ آپکے نزدیک یہ طریق نجات کا جو قرآن شریف نے پیش کیا ہے صحیح نہیں ہے تو اول آپ کو چاہیے کہ اس طریق کے مقابل پر جو حضرت مسیح کی زبان سے ثابت ہوتا ہے اسکو ایسا ہی مدلل اور معقول طور پر ان کی تقریر کے حوالہ سے پیش کریں پھر بعد اسکے انہیں کے قول مبارک سے اسکی نشانیاں بھی پیش کریں تا کہ تمام حاضرین جو اسوقت موجود ہیں ابھی فیصلہ کر لیں۔ ڈپٹی صاحب! کوئی حقیقت بغیر نشانوں کے ثابت نہیں ہو سکتی دنیا میں بھی ایک معیار حقایق شناسی کا ہے کہ ان کو ان کی نشانیوں سے پرکھا جائے۔ سو ہمنے تو وہ نشانیاں پیش کر دیں اور اُنکا دعویٰ بھی اپنی نسبت پیش کر دیا۔ اب یہ فرض ہمارا آپکے ذمہ ہے اگر آپ پیش نہیں کریں گے اور ثابت کر کے نہیں دکھلائیں گے۔ کہ یہ طریق نجات جو حضرت مسیح کیطرف

معیار ثبوت کا طریق نجات قرآن کے مقابلہ میں بالکل غیر طبعی ہے۔

یہ کون طریق ہے کہ زید گناہ کرے اور بکر کو سزا دیجائے

انسان کی سرشت میں اگر گناہ رکھا ہے تو اسکا علاج بھی رکھا ہے

منسوب کیا جاتا ہے کس وجہ سے سچا اور صحیح اور کامل ہے تو اسوقت تک آپ کا یہ دعویٰ ہرگز صحیح نہیں سمجھا جا سکتا - بلکہ قرآن کریم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ صحیح اور سچا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے صرف بیان ہی نہیں کیا بلکہ کرکے بھی دکھا دیا اور اُسکا ثبوت میں پیش کر چکا ہوں آپ براہ مہربانی اب اس نجات کے قصہ کو بے دلیل اور بے وجہ صرف دعویٰ کے طور پر پیش نہ کریں - کوئی صاحب آپ میں سے کھڑے ہوکر اسوقت بولیں کہ میں بموجب فرمودہ حضرت مسیح کے نجات پا گیا ہوں اور وہ نشانیاں نجات کی اور کامل ایمانداری کی جو حضرت مسیح نے مقرر کی تہیں وہ مجھ میں موجود ہیں پس ہمیں کیا انکار ہے ہم تو نجات ہی چاہتے ہیں - لیکن زبان کی کہانی کو کوئی قبول نہیں کر سکتا میں آپکی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآن کا نجات دینا میں نے بچشم خود دیکھ لیا ہے - اور میں پھر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بالمقابل اسبات کو دکھلانے کو حاضر ہوں لیکن اول آپ دو حرفی مجھے جواب دیں کہ آپ کے مذہب میں سچی نجات معہ اسکی علامات کے پائی جاتی ہے یا نہیں اگر پائی جاتی ہے تو دکھلاؤ - پھر اس کا مقابلہ کرو - اگر نہیں پائی جاتی تو آپ صرف اتنا کہدو کہ ہمارے مذہب میں نجات نہیں پائی جاتی - پھر میں یک طرفہ ثبوت دینے کیلئے مستعد ہوں

قرآن کا نجات دینے کا دعویٰ ثابت کرنیکے لئے میں موجود ہوں

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ) از جانب اہل اسلام	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ) از جانب عیسائیان

بیان ڈپٹی مسٹر عبداللہ آتھم صاحب

بیان ڈپٹی صاحب

(بقیہ جواب)

جو میرزا صاحب نے فرمایا کہ مسیح نے اسیوقت ایسا ویسا ثبوت کیوں نہ دیا جب اس پر الزام کفر کا لگا کر پتھراؤ کرنا چاہتے تھے تاکہ ظاہر ہو جاتا کہ فی الواقع اللہ ہی ہے - مجھے اسپر ایک قصہ یاد آیا کہ ایک شخص نے مجھ سے کلام کرتے ہوئے یہ کہا کہ خدا تعالیٰ نے یہ کیا کوتاہ بینی کی کہ دو آنکھیں پیشانی کے نیچے ہی لگا دی ہیں - ایک سر میں کیوں نہ لگا دی کہ وہ اوپر کی بلیات سے اپنے آپکو محفوظ رکھتا - اور ایک پیٹھ میں کیوں نہ لگا دی کہ پیچھے سے دیکھ سکتا - اب اس میں حیرانی ہے کہ کیا ایک بیچون وچرا پر اس قسم کی چون وچرا جائز ہے یہ کہنا معقول نہیں ہے کہ ایسا اور ویسا کیوں نہ کیا مگر یہہ معقول ہے کہ جو کیا گیا ہے اُسکو بمعرض اعتراض لایا جائے - ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہودیوں کا الزام یہی نہ تھا کہ تو انسان ہوکر خدا بنتا ہے یہ کفر ہے اور جواب اس کا یہ ہوا کہ میں

انسان ہو کر بھی اپنے آپ کو ابن اللہ کہہ سکتا ہوں اور کفر نہیں ہوتا۔ جیسے نبی اللہ بھی تو انسان تھے اور ان کو اللہ کہا گیا تو پس ہمیں سوال اسکی الوہیت کے متعلق کو لنا تھا۔
دوسرا امر جناب میرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ مسیح نے اپنے لئے حواریوں سے دعا چاہی یہ تو ہیچ نہیں موقعہ کو دیکھ لیں ہمیں یہ تو لکھا ہے کہ مسیح نے ان کو کہا کہ تم اپنے لئے دعا مانگو تاکہ تم امتحان میں نہ پڑو۔
تیسرا جناب کے کل کے مباہلہ کا جواب یہ ہے کہ ہم مسیحی تو پرانی تعلیمات کے لئے نئے معجزات کی کچھ ضرورت نہیں دیکھتے اور نہ ہم اسکی استطاعت اپنے اندر دیکھتے ہیں۔ بجز اسکے کہ ہمکو وعدہ یہ ہوا ہے کہ جو درخواست بمطابق رضاء الٰہی کے تم کروگے وہ تمہارے واسطے حاصل ہو جائے گی۔ اور نشانات کا وعدہ ہم سے نہیں۔ لیکن جناب کو اس کا بہت سا ناز ہے ہم بھی دیکھنے معجزہ سے انکار نہیں کرتے۔ اگر اسی میں مہربانی خلق اللہ کے اوپر ہے کہ نشان دکھلا کر فیصلہ کیا جائے تو ہم نے تو اپنا عجز بیان کیا۔ جناب ہی کوئی معجزہ دکھلا دیں اور اس وقت آپ نے اپنے آخری مضمون دیروزہ میں کہا تھا اور کچھ آج بھی اسپر ایما ہے اب زیادہ گفتگو کی اس میں کیا ضرورت ہے ہم دونوں عمر رسیدہ ہیں۔ آخر قبر ہمارا ٹھکانا ہے خلق اللہ پر رحم کرنا چاہیئے۔ کہ آؤ کسی نشان آسمانی سے فیصلہ کر لیں اور یہ بھی آپ نے کہا کہ مجھے خاص الہام ہوا ہے کہ اس میدان میں تجھے فتح ہے۔ اور ضرور خدا کی رحمت اُن کے ساتھ ہوگا جو راستی پر ہیں۔ ضرور ضرور ہی ہوگا۔ آپ کی اس تحریر کے خلاصہ کا یہہ جواب ہے جیسا کہ ہم آگے بھی لکھ چکے ہیں کہ ہم آپ کو کوئی پیغمبر یا رسول یا شخص ملہم جان کر آپ سے مباحثہ نہیں کرتے آپ کے ذاتی خیالات اور وجوہات اور الہامات سے ہمارا کچھ سروکار نہیں۔ ہم فقط آپ کو ایک محمدی شخص فرض کر کے دین عیسوی اور محمدیت کے بارہ میں بموجب اُن قواعد و اسناد کے جو ان ہر دو میں عام مانی جاتی ہیں آپ سے گفتگو کر رہے ہیں۔ خیر تاہم چونکہ آپ ایک خاص قدرت الٰہی دیکھلانے پر آمادہ ہو کے ہم کو برائے مقابلہ بلاتے ہیں تو ہمیں دیکھنے سے گریز بھی نہیں۔ یعنی معجزہ یا نشانی۔ پس ہم یہ تین شخص پیش کرتے ہیں۔ جن میں ایک اندھا۔ ایک ٹانگ کٹا۔ اور ایک گونگا ہے۔ ان میں سے جس کسی کو صحیح سالم کر سکو کر دو۔ اور جو اس معجزہ سے ہم پر فرض و واجب ہوگا۔ ہم ادا کریں گے۔ آپ بقول خود ایسے خدا کے قایل ہیں جو گفتنہ قادر نہیں۔ لیکن درحقیقت قادر ہے۔ تو وہ انکو تندرست بھی

کر سکیگا پھر اسمیں تامل کی کیا ضرورت ہے اور ضرور بقول آپکے راست باز کیساتھ ہوگا ضرور ہوگا آپ خلق اللہ پر رحم فرمایئے جلد فرمایئے اور آپکو خبر ہوگی کہ آج یہ معاملہ پڑتا ہے۔ جس خدا نے الہام سے آپکو خبر دیدی کہ اس جنگ و میدان میں تجھے فتح ہے اُس نے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہوگا۔ کہ اندھے و دیگر مصیبت زدوں نے بھی پیش ہونا ہے سو سب عیسائی صاحبان و محمدی صاحبان کے روبرو اسیوقت اپنا چیلنج پورا کیجئے۔

چہارم نجات کے بارہ میں جو جناب نے قرآن سے فرمایا ہے اسکا خلاصہ افعال معینہ ہے اور اس امر کی پڑتال ہم ہفتہ آئندہ میں کریں گے کیونکہ موقع وہی ہے جب ہمارے حملہ شروع ہونگے۔ اور آپ کے حملہ ختم ہولیں گے۔ اور جو آپ نے اعمال منبقن کا فدیہ پیش کیا ہے اُسکو ہم جانچیں گے کہ کیا کامل ہے یا ناقص علی ہذا القیاس مسیح کا طریقہ نجات بھی ہم اسی روز جانچیں گے۔

دستخط بحروف انگریزی — دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ ازجانب عیسائی صاحبان — غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ ازجانب اہل اسلام

بیان حضرت میرزا صاحب

بیان حضرت میرزا صاحب

حضرت مسیح کے بارہ میں جو آپ نے عذر پیش کیا ہے کہ حضرت مسیح نے صرف یہودیوں کا غصہ فرو کرنیکے لئے یہ کہدیا تھا کہ تمہاری شریعت میں بھی تمہارے نبیوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ خدا ہیں اور نیز اس جگہ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مسیح نے اپنی انسانیت کے لحاظ سے ایسا جواب دیا یہ بیان آپکا منصفین کی توجہ اور غور کے لائق ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہودیوں نے حضرت مسیح کا کلمہ کہ میں خدا تعالیٰ کا بیٹا ہوں ایک کفر کا کلمہ قرار دیکر اور نعوذ باللہ ان کو کافر سمجھکر یہ سوال کیا تھا اور اس سوال کے جواب میں بے شک حضرت مسیح کا یہ فرض تھا کہ اگر وہ حقیقت میں انسانیت کی وجہ سے نہیں بلکہ خدائی کی وجہ سے اپنے تئیں خدا تعالیٰ کا بیٹا سمجھتے تھے تو اپنے مدعا کا پورا پورا اظہار کرنے اور اپنے ابن اللہ ہونے کا ان کو ثبوت دیتے کیونکہ اسوقت وہ ثبوت ہی مانگتے تھے۔ لیکن حضرت مسیح نے تو اس طرف رُخ نہ کیا اور اپنے کو دوسرے انبیاء کی طرح قرار دیکر عذر پیش کردیا اور اس فرض سے سبکدوش نہ ہوئے جو ایک سچا مبلغ اور معلم سبکدوش ہونا چاہتا ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ مخصوص مقدس کو کہتے ہیں حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت ثابت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپکی بائیبل میں مخصوص کا لفظ اور نبیوں وغیرہ کی

مسیح نے اپنی ابنیت کو یہودیوں کے الزام کے مقابلہ میں دوسرے انبیاء کا شریک بنایا۔

نسبت بھی استعمال پاگیا ہے دیکھو یسعیا نبی ۱۳ باب ۳ اور جو آپ نے بھیجے ہوئے کے معنی الوہیت نکالے ہیں یہ بھی ایک عجیب معنے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ پہلے سموئیل کے ۱۲ باب ۸ آیت میں لکھا ہے کہ موسیٰ اور ہارون کو بھیجا۔ اور پھر پیدایش ۵ ۴ ۔ یہ میں لکھا ہے خدا نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ پھر یرمیاہ ۳۵ باب ۱۳ و ۴ ۴ باب ۴ میں یہی آیت موجود ہے اب کیا اسجگہ بھی ان الفاظ کے معنے الوہیت کرنا چاہیئے افسوس کہ آپ ایک سیدھے اور سادے حضرت مسیح کے بیان کو توڑ مروڑ کر اپنے منشاء کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ اور حضرت مسیح نے جو اپنی بریت کا ثبوت پیش کیا۔ اُسکو نکما اور مہمل کرنا آپ کا ارادہ ہے۔ کیا حضرت مسیح یہودیوں کی نظر میں صرف اسقدر کہنے سے بری ہو سکتے تھے کہ میں اپنے خدا ہونیکی وجہ سے تو بیشک ابن اللہ ہی ہوں لیکن میں انسانیت کی وجہ سے دوسرے نبیوں کے مساوی ہوں اور جو ان کے حق میں کہا گیا وہ ہی میرے حق میں کہا گیا۔ اور کیا یہودیوں کا الزام اس طور کے رکیک عذر سے حضرت مسیح کے سر پر سے دُور ہو سکتا تھا اور کیا انہوں نے یہ تسلیم کیا ہوا تھا کہ حضرت مسیحؑ اپنی خدائی کی وجہ سے تو بیشک ابن اللہ ہی ہیں ہمیں ہمارا کوئی جھگڑا نہیں۔ ہاں انسان ہونیکی وجہ میں کیوں اپنے تئیں ابن اللہ کہلاتے ہیں بلکہ صاف ظاہر ہے کہ اگر یہودیوں کے دل میں صرف اِتنا ہی ہوتا کہ حضرت مسیح محض انسان ہونیکی وجہ سے دوسرے مقدس اور مخصوص انسانوں کی طرح اپنے تئیں ابن اللہ قرار دیتے ہیں تو وہ کافر ہی کیوں ٹھہراتے۔ کیا وہ حضرت اسرائیل کو اور حضرت آدمؑ اور دوسرے نبیوں کو جن کے حق میں ابن اللہ کے لفظ آئے ہیں کافر خیال کرتے تھے نہیں بلکہ سوال ان کا تو یہی تھا کہ ان کو بھی دہوکا لگا تھا۔ کہ حضرت مسیحؑ حقیقت میں اپنے تئیں اللہ کا بیٹا سمجھتے ہیں اور چونکہ جواب مطابق سوال چاہیئے اسلئے حضرت مسیحؑ کا فرض تہا کہ وہ اُن کے جواب میں وہی طریق اختیار کرتے جس طریق کیلئے ان کا استفسار تہا۔ اگر حقیقت میں خدا تعالےٰ کے بیٹے تھے تو وہ پیشگوئیاں جو ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب بعد از وقت اس مجلس میں پیش کر رہے ہیں اُنکے سامنے پیش کرتے اور چند نمونہ خدا ہونے کے دکھلا دیتے تو فیصلہ ہو جاتا۔ یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ یہودیوں کا سوال حقیقی ابن اللہ کے دلایل دریافت کرنیکے لئے نہیں تھا۔ اس مقام میں زیادہ لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ اب بعد اسکے واضح ہو کہ میں نے ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کی خدمت میں یہہ تحریر کیا تہا کہ جیسے آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ نجات صرف مسیحی مذہب میں ہے ایسا ہی قرآن میں لکھا ہے کہ نجات صرف اسلام میں ہے اور آپکا تو صرف اپنے لفظوں

یہود حضرت مسیح کو حقیقی ابن اللہ ہونیکا دعویدار سمجھتے تھے جس کا مسیح نے انکار کیا۔

کے ساتھ دعویٰ اور میں نے وہ آیات بھی پیش کردی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ دعویٰ بغیر ثبوت کے کچھ عزت اور وقعت نہیں رکھتا۔ سو اِس بنار پر دریافت کیا گیا تھا کہ قرآن کریم میں تو نجات یابندہ کی نشانیاں لکھی ہیں۔ جن نشانوں کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ اس مقدس کتاب کی پیروی کرنیوالے نجات کو اسی زندگی میں پا لیتے ہیں۔ مگر آپ کے مذہب میں حضرت عیسیٰؑ نے جو نشانیاں نجات یابندوں یعنی حقیقی ایمانداروں کی لکھی ہیں وہ آپ میں کہاں موجود ہیں مثلاً جیسے کہ مرقس ۱۶ باب ۱۷ میں لکھا ہے اور وے جو ایمان لائیں گے ان کے ساتھ یہ علامتیں ہونگی کہ وہ میرے نام سے دیووں کو نکالیں گے اور نئی زبانیں بولیں گے سانپوں کو اٹھا لیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا وے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائیں گے۔ تو اب میں بادب التماس کرتا ہوں اور اگر ان الفاظ میں کچھ درشتی یا مرارۃ ہو تو اسکی معافی چاہتا ہوں کہ یہہ تین بیمار جو آپنے پیش کئے ہیں یہہ علامت تو بالخصوصیت مسیحیوں کیلئے حضرت عیسیٰؑ قرار دے چکے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اگر تم سچے ایماندار ہو تو تمہاری یہی علامت ہے کہ بیمار پر ہاتھ رکھو گے تو وہ چنگا ہو جائیگا۔ اب گستاخی معاف اگر آپ سچے ایماندار ہونیکا دعوی کرتے ہیں تو اسوقت تین بیمار آپ ہی کے پیش کردہ موجود ہیں آپ اُن پر ہاتھ رکھدیں اگر وہ چنگے ہو گئے تو ہم قبول کرلیں گے کہ بیشک آپ سچے ایماندار اور نجات یافتہ ہیں۔ ورنہ کوئی قبول کرنے کی راہ نہیں کیونکہ حضرت مسیح تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر تم میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوتا تو اگر تم پہاڑ کو کہتے کہ یہاں سے چلا جا تو وہ چلا جاتا۔ مگر خیر میں اسوقت پہاڑ کی نقل مکانی تو آپ سے نہیں چاہتا۔ کیونکہ وہ ہماری اس جگہ سے دور ہیں۔ لیکن یہہ تو بہت اچھی تقریب ہو گئی کہ بیمار تو آپ نے ہی پیش کردیئے اب آپ انپر ہاتھ رکھو اور چنگا کرکے دکھلاؤ۔ ورنہ ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہاتھ سے جاتا رہیگا مگر آپ پر یہ واضح رہے کہ یہ الزام ہم پر عاید نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اللہ جلشانہٗ نے قرآن کریم میں ہماری یہ نشانی نہیں کہی کہ بالخصوصیت تمہاری یہی نشانی ہے کہ جب تم بیماروں پر ہاتھ رکھو گے تو اچھے ہو جائیں گے۔ ہاں یہ فرمایا ہے کہ میں اپنی رضا اور مرضی کے موافق تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔ اور کم سے کم یہ کہ اگر ایک دعا قبول کرنے کے لائق نہ ہو۔ اور مصلحت الٰہی کے مخالف ہو تو اسمیں اطلاع دی جاوے گی یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تم کو یہ اقتدار دیا جاوے گا کہ تم اقتداری طور پر جو چاہو وہی کر گذرو گے۔ مگر حضرت مسیح کا تو یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیمار پر

مسیح نے جو نشانیاں نجات یابندوں کی بیان کی ہیں وہ آپ میں کہاں ہیں۔

مسیح کے ان نشانوں کے موافق بیماروں کو اچھا کرو۔ تب ایماندار ہو۔

قرآن میں اقتداری نشانات دکھلانے کا ذکر نہیں۔

وغیرہ کے چنگا کرنے میں اپنے تابعین کو اختیار بخشتے ہیں۔ جیسا کہ متی ۱۰ باب ا میں لکھا ہے
پھر اُس نے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کے انہیں قدرت بخشی کہ ناپاک روحوں کو نکالیں اور
ہر طرح کی بیماری اور دکھ درد کو دور کریں۔ اب یہ آپکا فرض اور آپکی ایمانداری کا ضرور نشان
ہو گیا کہ آپ ان بیماروں کو چنگا کر کے دکھلادیں یا یہ اقرار کریں کہ ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی
ہم میں ایمان نہیں اور آپکو یاد رہے کہ ہر ایک شخص اپنی کتابوں کے موافق مواخذہ کیا
جاتا ہے۔ ہمارے قرآن کریم میں کہیں نہیں لکھا کہ تمہیں اقتدار دیا جائیگا۔ بلکہ صاف فرما
دیا کہ قل انما الآیات عند اللہ یعنی ان کو کہدو کہ نشان اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں جس نشان کو
چاہتا ہے اسی نشان کو ظاہر کرتا ہے بندہ کا اسپر زور نہیں ہے۔ کہ جبر کے ساتھ اس سے ایک نشان
لیوے یہ جبر اور اقتدار تو آپ ہی کی کتابوں میں پایا جاتا ہے بقول آپکے مسیح اقتداری معجزات
دکھلاتا تھا اور اُس نے شاگردوں کو بھی اقتدار بخشا اور آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ اب بھی حضرت
مسیح زندہ حی قیوم قادر مطلق عالم الغیب دن رات آپکے ساتھ ہے جو چاہو وہی دے سکتا ہے۔
پس آپ حضرت مسیح سے درخواست کریں کہ ان تینوں بیماروں کو آپ کے ہاتھ رکھنے سے اچھا
کردیویں تا نشانی ایمانداری کی آپ میں باقی رہ جاوے ورنہ یہ تو مناسب نہیں کہ ایک طرف
اہل حق کے ساتھ بحیثیت سچے عیسائی ہونے کے مباحثہ کریں اور جب سچے عیسائی کے نشان
مانگے جائیں تب کہیں کہ ہم میں استطاعت نہیں اس بیان سے تو آپ اپنے پر ایک اقبالی ڈگری
کراتے ہیں کہ آپ کا مذہب اسوقت زندہ مذہب نہیں ہے لیکن ہم جس طرح پر خدا تعالیٰ نے
ہمارے سچے ایماندار ہونے کے نشان ٹھہرائے ہیں۔ اس التزام سے نشان دکھلانے کو تیار ہیں
اگر نشان نہ دکھلا سکیں تو جو سزا چاہیں دیدیں اور جس طرح کی چھری چاہیں ہمارے گلے میں
پھیر دیں۔ اور وہ طریق نشان نمائی کا جس کے لئے ہم مامور ہیں وہ یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ سے
جو ہمارا سچا اور قادر خدا ہے اس مقابلہ کے وقت جو ایک سچے اور کامل نبی کا انکار کیا جاتا ہے
تضرع سے کوئی نشان مانگیں تو وہ اپنی مرضی سے نہ ہمارا محکوم و تابع ہو کر جس طرح سے چاہیگا
نشان دکھلائیگا آپ خوب سوچیں کہ حضرت مسیح بھی باوجودیکہ آپکے اسقدر غلو کے اقتداری نشانات
کے دکھلانے سے عاجز رہے۔ دیکھئے مرقس ۸ب ۱۱ و ۱۲ آیت میں یہ لکھا ہے کہ تب فریسی نکلے
اور اس سے حجت کر کے یعنی جس طرح اب اسوقت مجھ سے حجت کیگئی۔ اسکے امتحان کیلئے آسمان سے
کوئی نشان چاہا اسنے اپنے دل سے آہ کھینچ کے کہا کہ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں میں تم سے

بیماروں کو اچھا کردیا یہ کہو کہ ہم میں ایمان نہیں ہے

آپ کا بیان ظاہر کرتا ہے کہ آپکا مذہب زندہ نہیں ہے

سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائیگا۔ اب دیکھئے کہ یہودیوں نے اسی طرز سے نشان مانگا تھا حضرت مسیح نے آہ کھینچکر نشان دکھلانے سے انکار کر دیا پھر اسکے بھی عجب طرح کا ایک اور مقام دیکھئے کہ جب مسیح صلیب پر کھینچے گئے تو تب یہودیوں نے کہا کہ اُس نے اوروں کو بچایا پر آپ کو نہیں بچا سکتا اگر اسرائیل کا بادشاہ ہے تو اب صلیب سے اُتر آوے تو ہم اسپر ایمان لاوینگے اب ذرہ نظر غور سے اس آیت کو سوچیں کہ یہودیوں نے وعدہ اور اقرار کر لیا تھا کہ اب صلیب سے اتر آوے تو وہ ایمان لاویں گے لیکن حضرت مسیح اتر نہیں سکے ان تمام مقامات سے صاف ظاہر ہے کہ نشان دکھلانا اقتداری طور پر انسان کا کام نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام میں حضرت مسیح فرماتے ہیں یعنی متی باب ۱۲ آیت ۳۸ کہ اس زمانہ کے بد اور حرام کار لوگ نشان ڈھونڈھتے ہیں پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان دکھلایا نہ جائے گا۔ اب دیکھئے کہ اس جگہ حضرت مسیح نے ان کی درخواست کو منظور نہیں کیا۔ بلکہ وہ بات پیش کی جو خدا تعالےٰ کی طرف سے اُنکو معلوم تھی اسیطرح میں بھی وہ بات پیش کرتا ہوں جو خدا تعالےٰ کی طرف سے مجھکو معلوم ہے میرا دعوےٰ نہ خدائی کا اور نہ اقتدار کا اور میں ایک مسلمان آدمی ہوں جو قرآن شریف کی پیروی کرتا ہوں اور قرآن شریف کی تعلیم کے رو سے اس موجودہ نجات کا مدعی ہوں میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں یہ آپ کی غلطی ہے یا آپ کسی خیال سے کہہ رہے ہیں کیا یہ ضروری ہے کہ جو الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ نبی بھی ہو جائے میں تو محمدی اور کامل طور پر اللہ و رسول کا متبع ہوں اور ان نشانوں کا نام معجزہ رکھنا نہیں چاہتا۔ بلکہ ہمارے مذہب کے رو سے ان نشانوں کا نام کرامات ہے۔ جو اللہ رسول کی پیروی سے دیئے جاتے ہیں تو پھر میں دعوت حق کی غرض سے دوبارہ اتمام حجت کرتا ہوں کہ یہ حقیقی نجات اور حقیقی نجات کے برکات اور ثمرات صرف انہیں لوگوں میں موجود ہیں۔ جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنیوالے اور قرآن کریم کے احکام کے سچے تابعدار ہیں اور میرا دعویٰ قرآن کریم کے مطابق صرف اتنا ہے کہ اگر کوئی حضرت عیسائی صاحب اس نجات حقیقی کے منکر ہوں جو قرآن کریم کے وسیلہ سے مل سکتی ہے تو انہیں اختیار ہے کہ وہ میرے مقابل پر نجات حقیقی کی آسمانی نشانیاں اپنے مسیح سے مانگ کر پیش کریں مگر اب بالخصوص رعایت شرائط بحث کے لحاظ سے میرے مخاطب اس بارہ میں ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب ہیں۔ صاحب موصوف کو چاہیے کہ انجیل

اقتداری طور پر نشان دکھلانا انسان کا کام نہیں اسواسطے مسیح نہ تیلا سکے جب سولی پر نشان مانگا گیا۔

میرا نبوت کا دعوےٰ نہیں۔

یہ نشانات کرامات ہیں معجزات نہیں حقیقی نجات کے برکات صرف ان لوگوں میں ہیں جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرید ہیں

شریف کی علامات قرار دادہ کے موافق سچا ایماندار ہونے کی نشانیاں اپنے وجود میں ثابت کریں۔ اور اس طرف میرے پر لازم ہوگا کہ میں سچا ایماندار ہونے کی نشانیاں قرآن کریم کے رُو سے اپنے وجود میں ثابت کروں مگر اس جگہ یاد رہے کہ قرآن کریم ہمیں اقتدار نہیں بخشتا بلکہ ایسے کلمہ سے ہمارے بدن پر لرزہ آتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ کس قسم کا نشان دکھلائے گا۔ وہی خدا ہے سوا اُس کے اور کوئی خدا نہیں۔ ہاں ہماری طرف سے اس بات کا عہد پختہ ہے۔ جیسا کہ اللہ جلشانہ نے میرے پر ظاہر کردیا ہے کہ ضرور مقابلہ کے وقت میں فتح پاؤں گا۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ خدا تعالےٰ کس طور سے نشان دکھلائے گا۔ اصل مدعا تو یہ ہے کہ نشان ایسا ہو کہ انسانی طاقتوں سے بڑھ کر ہو یہ کیا ضرور ہے کہ ایک بندہ کو خدا ٹھہرا کر اقتدار کے طور پر اُس سے نشان مانگا جائے ہمارا یہ مذہب نہیں اور نہ ہمارا یہ عقیدہ ہے۔ اللہ جلشانہ ہمیں صرف عموم اور کلی طور پر نشان دکھلانے کا وعدہ دیتا ہے اگر اس میں میں جھوٹا نکلوں تو جو سزا آپ تجویز کریں خواہ سزائے موت ہی کیوں نہ ہو مجھے منظور ہے لیکن اگر آپ حد اعتدال و انصاف کو چھوڑ کر مجھ سے ایسے نشان چاہیں گے۔ جس طرز سے حضور مسیح بھی دکھلا نہیں سکتے۔ بلکہ سوال کرنے والوں کو ایک دو گالیاں سُنا دیں تو ایسے نشان دکھلانے کا دم مارنا بھی میرے نزدیک کفر ہے۔

خدا نے مجھسے وعدہ کیا ہے کہ تجھے غلبہ ضرور دونگا۔

دستخط   دستخط

بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر - فصیح پریزیڈنٹ	ھنری مارٹن کلارک - پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

چھٹا پرچہ
مباحثہ ۲۷۔ مئی ۱۸۹۳ء
روئیداد جلسہ

چھٹا پرچہ

مباحثہ ۲۷۔ مئی ۱۸۹۳ء

روئیداد

آج پھر جلسہ منعقد ہوا - ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ پادری جی ایل ٹھاکرداس صاحب بوجہ ضروری کام کے گوجرانوالہ میں تشریف لیگئے ہیں اس لئے ان کی بجائے ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب ناصر مقرر کئے جائیں - تجویز منظور ہوئی

پھر بہ تحریک ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب ناصر اور بتائید میر حامد شاہ صاحب اور باتفاق رائے حاضرین یہ تجویز منظور ہوئی کہ شرائط مباحثہ میں قرار دیا گیا تھا کہ ہر ایک تقریر پر تقریر کنندوں اور میر مجلس صاحبان کے دستخط ہونے چاہئیں - بعوض اسکے میں پیش کرتا ہوں کہ صاحب میر مجلس صاحبان کے دستخط ہی کافی متصور ہیں -

مباحثہ کے متعلق یہ قرار پایا کہ اہل اسلام کی طرف سے منشی غلام قادر صاحب فصیح اور میرزا خدابخش صاحب اور عیسائی صاحبان کی طرف سے بابو فخر الدین اور شیخ وارث الدین صاحب ایک جگہ بیٹھ کر فیصلہ کریں اور رپورٹ کریں - کہ مباحثہ کی کس قدر قیمت مناسب مقرر کیجاسکتی ہے - اسکے بعد عیسائی صاحبان کیطرف سے بتایا جائیگا کہ وہ کس قدر کاپیاں خرید سکیں گے - اور یہ مباحثہ جسے عیسائی صاحبان خریدیں گے اس طرح چھپا ہوا ہوگا کہ روئیداد اور مصدقہ مضامین فریقین کے لفظ بلفظ اسمیں مندرج ہوں گے - کسی فریق کی طرف سے اس میں کمی بیشی وغیرہ نہیں کی جائے گی -

۶ بجے ۳۰ منٹ پر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے جواب لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۳۰ منٹ پر ختم ہوا - اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سُنایا گیا - میرزا صاحب نے ۸ بجے ۵ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۹ بجے ۵ منٹ پر ختم ہوا - اور اسکے بعد ایک امر پر تنازعہ ہوتا رہا -

جس کا اسی وقت فیصلہ کرکے ہر دو میر مجلسوں کے اس پر دستخط کئے گئے جو اس کارروائی کے ساتھ ملحق ہے - فقط

دستخط بحروف انگریزی - ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ - ازجانب عیسائی صاحبان

دستخط بحروف انگریزی - غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ - ازجانب اہل اسلام

چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب بیمار تھے - اور اُنہوں نے اپنے آخری جواب میں ایک پہلے سے لکھی ہوئی تحریر پیش کرکے کہا کہ کوئی اور صاحب ان کی طرف سے سُنادیں - اسلئے میر مجلس اہل اسلام نے اِس پر اعتراض کیا کہ ایسی تحریر پہلے سے لکھی ہوئی پیش کی جانی خلاف شرائط ہے چنانچہ اسپر ایک عرصہ تک تنازعہ ہوتا رہا - آخر کار یہ قرار پایا کہ سوموار کا ایک دن اس زمانہ مباحثہ میں ایزاد کیا جاوے اور ایسا ہی دوسرے زمانہ میں بھی ایک دن اور بڑھا دیا جاوے علاوہ بریں یہ بھی میرزا صاحب کی رضامندی سے قرار پایا کہ اُس سوموار کے روز مسٹر عبداللہ آتھم صاحب خدانخواستہ صحتیاب نہ ہوں تو اُن کی جگہ کوئی اور صاحب مقرر کئے جاویں - اور اس امر کا اختیار ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کو ہوگا - یہ بھی قرار پایا کہ ۲۹ تاریخ کو آخری جواب ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کا ہو - اور دوسرے زمانہ میں آخری جواب میرزا صاحب کا ہوگا - وقت کا لحاظ نہ ہوگا اور گیارہ بجے کے اندر اندر کارروائی ختم ہوگی - یعنے آخری زمانہ مجیب کا حق ہوگا کہ جواب دے اور اُس کے جواب کے بعد اگر وقت بچے تو سائل کو وقت نہیں دیا جائیگا - اور جلسہ برخاست کیا جاویگا - چونکہ مذکورہ بالا اول الذکر امر فیصلہ طلب تھا اسلئے اتفاق رائے سے اس کا یوں فیصلہ ہوا کہ آئندہ کوئی مضمون تحریری پہلے کا لکھا ہوا لفظ بلفظ نقل نہیں کرایا جاسکتا - اور یہ فیصلہ بتراضی فریقین ہوا اور فریقین پر کوئی اعتراض نہیں -

۲۷ مئی ۱۸۹۳ء

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
ازجانب عیسائی صاحبان

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
ازجانب اہل اسلام

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۲۷ - مئی ۱۸۹۳ء

اوّل - دربارہ راہ نجات و نشانات نجات یافتگاں جو جناب میرزا صاحب نے بیان کئے ہیں - ہم نے پہلے اس سے بیان کر دیا ہے - کہ ہفتہ آئندہ کے شروع میں اسکی بحث پوری شروع ہوگی - اس جگہ بھی ہم اس قدر اشارہ کر دیتے ہیں کہ آپکے لفظ نجات کی تعریف بہت ہی نامکمل ہے - اور آپ کو ضرور نہ تھا - کہ طریقہ نجات مسیحان کو مصنوعی اور غیر طبعی اور باطل فرماتے - بہر کیف جو آپ نے فرمایا ہے وہ آگے دیکھا جائیگا - جب ہماری باری اعتراضات کی ہوگی +

دوم - انجیل یوحنا کی باب ۱۰ پیش کردہ آیات کا ہم کافی و وافی جواب دے چکے ہیں آپ نے بجائے اسکے کہ اُس جواب کا کچھ نقص دکھلاتے محض بار بار تکرار ہی اسکا کیا ہے گویا کہ تکرار ہی کافی ہے اور طول کلامی ہی گویا صداقت ہے -

یوحنا کے باب ۱۰ - ۳۶ میں جہاں لفظ مخصوص اور بھیجا ہوا ترجمہ ہوا ہے ہماری اس شرح پر کہ لفظ مخصوص کا اصل زبان میں بمعنے تقدیس کیا گیا ہے - اور بھیجا ہوا اسی پر ایماء کرتا ہے جو اُس نے فرمایا کہ میں آسمانی ہوں اور تم زمینی ہو - یہ لفظ جتنے حوالہ آپ نے دیئے ہیں - اور کسی بزرگ کے بارہ میں پائے نہیں جاتے - یسعیا $\frac{13}{3}$ سطروں کے ترجمہ میں لفظ ادخومائی ہے جس کے معنے بھیجا ہوا ہے - پہلے سموئیل $\frac{1}{16}$ میں لفظ ایپسنن ای لو معنے وہی ہیں - پیدائش $\frac{45}{7}$ میں بھی اور یرمیا $\frac{35}{13}$ میں لفظ بادی ذی جس کے معنے جاگے ہیں - اور یہ الفاظ مقام متنازعہ کے لفظ ھی گی آسے سے بہت ہی متفرق ہیں - اور اِن الفاظ کا تعلق مقام متنازعہ سے کچھ نہیں ہے اور جو ہم نے کہا وہ درست ہے کہ جس کو خدا نے مخصوص کیا اور بھیجا یعنے آسمان سے بھیجا -

سوم - کیا یہودی لوگ اسرائیل وغیرہ کو اسی لقب کے باعث کافر سمجھتے تھے یہ جناب کا سوال ہے - جواب اِسکا ہم بار بار دے چکے - مگر افسوس کہ جناب کسی باعث سے اسکو نہ سمجھے - گزشتہ بحث پر جناب نظر غور پھر فرما کر دیکھ لیں اور یہ خصوصیت اور کسی بزرگ کے ساتھ تو نہ تھی - جو مسیح کے ساتھ تھی -

چہارم - اس کا بھی لوگ انصاف کر لیں گے جو میرزا صاحب کہتے ہیں کہ ہمنے صرف لفظ کے ساتھ نجات کا دعویٰ کیا ہے - اور صرف لفظ ہی استعمال کیا ہے - کیوں صاحب ہماری آیات محولہ کتب مقدسہ سے کس لئے بے توجگی رہی - کیوں نہ ان کا کچھ نقص دکھلایا گیا بیشتر اس سے کہ بے توجگی رکھی جاتی -

پنجم - مرقس کے باب ۱۶ کے بموجب جو میرزا صاحب ہم سے نشان طلب کرتے ہیں بجواب اس کے واضح ہو کہ وعدہ کی عمومیت پر ہمارا کچھ عذر نہیں کہ جو ایمان لائے اُس کے ساتھ یہ علامتیں ہوں - الّا سوال یہ ہے کہ اُس وعدہ کی عمومیت کے ساتھ کیا معرفت بھی عام ہے ؟ کیا حواری اس ضعف ایمانی کے واسطے کہ اُنہوں نے معتبر گواہوں کی گواہی اور خداوند کے وعدہ کی باتیں اور انبیا سلف کی پیش خبریاں نہ مانی تھیں ؟ جھڑکی نہ کھائی تھی کہ اور کیا ہمارے خداوند کا یہ دستور نہ تھا کہ جس کو وہ تنبیہ فرماتا تھا - اسی کو تقویت بھی بخشتا تھا -

اور جب اُس نے ایسا فرمایا کہ تم جاؤ دنیا میں کہ جب کوئی ایمان لاویگا اسکے ساتھ یہ نشان ہونگے تو اسکا مطلب یہ نہ ہوا کہ معجزہ کی بابت تم ضعیف الایمان ہوئے - اب آئندہ کو معجزات تمہارے ہاتھ سے نہ نکلیں گے - کیا یہ جھڑکی ہمارے اس زمانہ کے پادریوں نے بھی کھائی تھی - یہ تو ہم نے تسلیم کیا کہ وعدہ عام ہے - لیکن اسکو دکھلاؤ کہ معرفت بھی عام ہے جس کے وسیلہ سے یہ امر پورا ہونیوالا ہے - ہم نے باب ۱۶ مرقس سارا آپ کو سُنا دیا ہے - جو ہم نے بیان کیا یہی صورت وہاں موجود ہے یا نہیں - پس جب معرفت خاص تھی تو حواریوں کے زمانہ کے بعد اس وعدہ کی کشش بیجا ہے کہ نہیں -

نکمیں اس وعدہ کے بارہ میں اعمال $\frac{۸}{۱۴}$ دیکھو کہ کیا یہ لکھا ہے یا نہیں کہ یوحنا اور پطرس رسول جب سامریا میں گئے اور بہت سے لوگوں کو مسیحی پایا تو اُن سے سوال کیا کہ تم نے روح القدس بھی پائی ہے یا نہیں اُنہوں نے جواب دیا کہ روح القدس کی بابت ہم نے سُنا تک نہیں تب اُنہوں نے پوچھا کہ تم نے کس کے ہاتھ سے بپتسما پایا اُنہوں نے کہا کہ یوحنا اصطباغی کے ہاتھ سے - تب اُنہوں نے ہاتھ انکے سر پر رکھے اور ان کو روح القدس ملی - اس نظیر سے کیا ثابت نہ ہوا کہ ہماری شرح صحیح اور سچی ہے - اور کیا جناب کی کشش وعدہ عام معجزات کی تا ابد غلط ہے -

پہلے قرنتھیوں کے ۱۲ باب میں ۴ آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ پر روح ایک ہی ہے اور خدمتیں بھی طرح طرح کی ہیں اور خداوند ایک ہی ہے۔ اور تاثیریں طرح طرح کی ہیں پر خدا ایک ہی ہے جو سبھوں میں سب کچھ کرتا ہے ۲۸۔ اور خدا نے کلیسیا میں کتنوں کو مقرر کیا اور پہلے رسولوں کو دوسرے نبیوں کو تیسرے استادوں کو بعد اسکے کرامتیں تب چنگا کرنے کی قدرتیں وغیرہ ۳۰ آیت مددگاریاں پیشوائیاں طرح طرح کی زبانیں۔ کیا سب رسول ہیں؟ کیا سب نبی ہیں۔ کیا سب استاد ہیں۔ کیا سب کرامتیں دکھاتے ہیں؟ کیا سب کو چنگا کرنے کی قدرت ہے؟ کیا طرح طرح کی زبانیں سب بولتے ہیں؟ کیا سب ترجمہ کرتے ہیں۔ ان امور سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں کہ جب حواری موجود تھے۔ ہر ایک مومن کسی بخشش کو عطیہ الٰہی سے پیش کرتا تھا کہ کسی کو یہ امر آتا تھا اور کسی کو وہ اور کوئی بغیر معجزہ کے نہ تھا۔ لیکن کلام الٰہی نے پہلے قرنتھیوں ۱۳/۲ و ۸ میں یہ فرمایا اور اگر میں نبوت کروں اور اگر میں غیب کی سب باتیں اور سارے علم جانوں اور میرا ایمان کامل ہو یہاں تک کہ میں پہاڑوں کو چلاؤں پر محبت نہ رکھوں تو میں کچھ نہیں ہوں۔ محبت کبھی جاتی نہیں رہتی اگر نبوتیں ہیں تو موقوف ہونگی۔ اگر زبانیں ہیں تو بند ہو جائیں گی۔ اگر علم ہے تو لاحاصل ہو جائیگا۔ اور آخری آیت میں لکھا ہے۔ اب تو ایمان امید اور محبت یہ تینوں موجود رہتی ہیں۔ پر ان میں جو بڑھکر ہے محبت ہے۔ کیونکہ ایمان جب دو دید ہو گیا تو ایمان رہا امید جب حاصل ہو گئی تو اتمام پا گئی۔ مگر محبت کبھی اتمام نہیں پاتی۔ اور یہ بھی یاد رہے محبت خاص نام خدا کا ہے کہ خدا محبت ہے۔ ان سب امور سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ معجزات جیسے کہ ہمیشہ کے واسطے موعود نہیں ہوئے ویسے ہی نجات کے بارہ میں سب سے اوپر ان کا درجہ نہیں۔ لیکن ایک وقت کے واسطے جب نئی تعلیم دی گئی اسکی تصدیق اور قائمی کے واسطے معجزے بخشے گئے۔ اور اگر ہمیشہ معجزے ہوا کریں تو تاثیر معجزہ ہونے کی کچھ نہ رہے۔ خلاصہ جس آیت سے جناب نے وعدہ عام کی کوشش کی ہے۔ ہم یہ دکھلاتے ہیں کہ اس کے متعلق معرفت بھی ہے اور وہ معرفت محض خاص ہے۔ اور متن کلام بابت ۱۶ مرقس کو دیکھ کر جناب اس بیان کو کسی طرح سے غلط نہ ٹھہرا سکیں گے۔

ششم۔ جناب فرماتے ہیں کہ مسیح نے بھی اقتداری معجزے دکھلانے سے انکار کیا۔

لیکن یہ جناب کی زیادتی ہے۔ کہاں انکار کیا ہے؟ کیا جب لوگ نشان آسمانی کو دیکھ کر واسطے ٹھٹھہ کرنے کے اور نشان آسمانی مانگتے تھے تو ارشاد ہوا کہ اس بد اور حرامکار گروہ کو کوئی نشان نہ دکھلایا جاویگا۔ آپ انصاف فرمایئے کہ کیا نشان کے نہ دکھانے کے معنے یہ ہیں کہ نشان نہیں دکھلایا جا سکتا۔ کیا کوئی قادر شخص اگر یہ کہے کہ میں فلاں امر نہ کرونگا تو اسکے معنی یہ ہیں کہ وہ نہیں کر سکتا ہے؟

متی ۹ اور یوحنا ۱۱ اور لوقا ۷ وغیرہ ابواب میں نظائر معجزات صاف صاف دیکھ لو۔ مجھے تو جناب کے فہم وذکا سے اس سے زیادہ امید تھی کہ آپ ایسے معنے نہ کریں۔

ہفتم۔ آپ جو فرماتے ہیں کہ مسیح نے دگالیاں دیں۔ کیا بد کو بد کہنا گالی ہے اور یا حرامزادہ کو حرامزادہ کہنا گالی ہے۔ اگر جناب اہل اسلام کے داب کلام کے موافق بھی کچھ کرتے تو ایک نبی اولی العزم اور معصوم کے اوپر ایسی بے ہنجابانہ کلام نہ کرتے۔ اسکے واسطے ہم افسوس کرتے ہیں کہ نبیوں کی بابت یہ کہا جاوے کہ گالیاں دیتے تھے۔ (باقی آئندہ)

دستخط (بحروف انگریزی)		دستخط (بحروف انگریزی)
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ) ازجانب عیسائی صاحبان		غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ) ازجانب اہل اسلام

بیان حضرت میرزا صاحب

بیان حضرت میرزا صاحب

ڈپٹی صاحب سے میرا یہ سوال تھا کہ آپ جو حضرت عیسیٰ ؑ کو خدا ٹھہراتے ہیں تو آپکے پاس حضرت موصوف کی الوہیت پر کیا دلیل ہے۔ کیوں کہ جب کہ دنیا میں بہت سے فرقے اور قومیں ایسی پائی جاتی ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے پیشواؤں اور راہبروں کو خدا ٹھہرا رکھا ہے۔ جیسے ہندوؤں کا فرقہ اور بدھ مذہب کے لوگ اور وہ لوگ بھی اپنے اپنے پرانوں اور شاستروں کے روسے ان کی خدائی پر منقولی دلایل پیش کیا کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے معجزات اور بہت سے خوارق بھی ایسی شدومد سے بیان کرتے ہیں کہ آپکے پاس ان کی نظیر نہیں۔ جیسے کہ راجہ رامچندر صاحب اور راجہ کرشن صاحب اور برہما اور بشن اور مہادیو کی کرامات جو وہ بیان کرتے ہیں آپ صاحبوں پر پوشیدہ نہیں تو پھر ایسی صورت میں ان متفرق خداؤں میں سے ایک سچا خدا ٹھہرانے کے لئے ضرور نہیں کہ بڑی بڑی معقولی دلایل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ

دعوے ہی ہیں اور منقولی ثبوتوں کے پیش کرنے میں تو وہ سب صاحب آپکے شریک ہیں۔ بلکہ منقولات کے بیان کرنے میں شریک غالب معلوم ہوتے ہیں۔ اور میں نے ڈپٹی صاحب موصوف کو صرف اسیقدر بات کی طرف توجہ نہیں دلائی۔ بلکہ قرآن کریم سے عقلی دلایل نکالکر ابطال الوہیت مسیح پر پیش کئے کہ انسان جو اور تمام انسانوں کے لوازم اپنے اندر رکھتا ہے کیسطرح خدا نہیں ٹھہر سکتا۔ اور نہ کبھی یہ ثابت ہوا کہ دنیا میں خدا یا خدا کا بیٹا بھی نبیوں کی طرح وعظ اور اصلاح خلق کے لئے آیا ہو۔ مگر افسوس کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے اسکا کوئی جواب شافی نہ دیا۔ میری طرف سے یہ پہلے شرط ہو چکی تھی کہ ہم فریقین دعوی بھی اپنی کتاب الہامی کا پیش کریں گے۔ اور دلایل معقولی بھی اسی کتاب الہامی کی سُنائی جائیں گی۔ مگر ڈپٹی صاحب موصوف نے بجائے اسکے کہ کوئی معقولی دلیل حضرت عیسی علیہ السلام کے خدا یا خدا کا بیٹا ہونے پر پیش کرتے دعوے پر دعوے کرتے گئے۔ اور بڑا ناز ان کو ان چند پیشگوئیوں پر ہے۔ جو انہوں نے عبرانیوں کے خطوط اور بعض مقامات بائیبل سے نکالکر پیش کئے ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایسی پیشگوئیاں جبتک ثابت نہ کی جاویں کہ درحقیقت وہ صحیح ہیں اور ان کا مصداق حضرت مسیحؑ نے اپنے تئیں ٹھہرالیا ہے اور پھر دلایل عقلی دی ہیں تب تک وہ کسی طور سے دلایل کے طور پر پیش نہیں ہو سکتیں بلکہ وہ بھی ڈپٹی صاحب کے دعاوی ہیں۔ جو محتاج ثبوت ہیں اِن دعاوی کے سوائے ڈپٹی صاحب نے اب تک حضرت مسیحؑ کی الوہیت ثابت کرنیکے لئے کچھ بھی پیش نہیں کیا۔ اور میں بیان کر چکا ہوں کہ حضرت مسیحؑ یوحنا ۱۰ - باب میں صاف طور سے اپنے تئیں خدا کا بیٹا کہلانے میں دوسروں کا ہمرنگ سمجھتے ہیں۔ اور کوئی خصوصیت اپنے نفس کے لئے قائم نہیں کرتے حالانکہ وہ یہودی جنہوں نے حضرت مسیحؑ کو کافر ٹھہرایا تھا ان کا سوال یہی تھا اور یہی وجہ کافر ٹھہرانے کی بھی تھی کہ اگر آپ درحقیقت خدا کے بیٹے ہیں تو اپنی خدائی کا ثبوت دیجئے۔ لیکن انہوں نے کچھ بھی ثبوت نہ دیا افسوس کہ ڈپٹی صاحب سبات کو کیوں سمجھتے نہیں کہ کیا ایسا ہونا ممکن تھا۔ کہ سوال دیگر و جواب دیگر۔ اگر حضرت مسیحؑ درحقیقت اپنے تئیں ابن اللہ ٹھہرانے تو ضرور یہی پیشین گوئیاں وہ پیش کرتے جو اب ڈپٹی صاحب پیش کر رہے ہیں۔ اور جب کہ اُنہوں نے وہ پیش نہیں کیں تو معلوم ہوا کہ اُن کا وہ دعوی نہیں تھا۔ اگر انہوں نے کبھی اور

پیشگوئیاں جو پیش کی گئی ہیں جب تک ان کو عقلی دلایل سے ثابت نہ کیا جاوے وہ صرف دعوی ہی ہیں

مقام میں پیش کر دی ہیں۔ اور کسی دوسرے مقام میں یہودیوں کے اس بار بار کے اعتراض کو سطح پر اٹھا دیا ہے کہ میں درحقیقت خدا اور خدا کا بیٹا ہوں۔ اور یہ پیشگویاں میرے حق میں وارد ہیں اور خدائی کا ثبوت بھی اپنے افعال سے دکھلا دیا ہے۔ تا اس تنازعہ فیہ پیشگوئی سے ان کو مخلصی حاصل ہو جاتی تو برائے مہربانی وہ مقام پیش کریں۔ اب کسی طور سے آپ اس مقام کو چھپا نہیں سکتے۔ اور آپ کی دوسری تاویلات تمام رکیک ہیں۔ سچ یہی بات ہے کہ مخصوص کا لفظ اور بھیجا گیا کا لفظ عہد عتیق میں اور نیز جدید میں عام طور پر استعمال پایا ہے۔ آپ پر ایک ہمارا قرضہ ہے۔ جو مجھے ادا ہوتا نظر نہیں آتا۔ جو آپ نے حضرت مسیحؑ کی خدائی کا تو ذکر کیا۔ لیکن ان کی خدائی کا معقولی طور پر کچھ بھی ثبوت نہ دے سکے اور دوسرے خداؤں کی نسبت انہیں کچھ مابہ الامتیاز عقلی طور پر قائم نہ کر سکے۔ بھلا آپ فرماویں کہ عقلی طور پر اسبات پر کیا دلیل ہے کہ راجہ رامچندر اور راجہ کرشن اور بدھ یہ خدا نہ ہوں اور حضرت مسیحؑ خدا نہ ہوں اور مناسب ہے کہ اب بعد اس کے آپ بار بار ان پیشگویوں کا نام نہ لیں۔ جو خود حضرت مسیحؑ کی طرز بیان سے رد ہو چکی ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام ضرورت کے وقت ان کو اپنے کام میں نہیں لائے بلکہ ہر ایک دانا اسبات کو سمجھتا ہے کہ جب وہ کافر ٹھہرائے گئے اور ان پر حملہ کیا گیا اور ان پر پتھراؤ شروع ہوا تو انکو اسوقت اپنی خدائی کے ثابت کرنے کے لئے ان پیشگویوں کی اگر وہ درحقیقت حضرت مسیحؑ کے حق میں تھیں اور ان کی خدائی پر گواہی دیتی تھیں سخت ضرورت پڑی تھی کیوں کہ اسوقت جان جانے کا اندیشہ تھا اور کافر تو قرار پا چکے تھے تو پھر ایسی ضروری اور کارآمد پیشگویاں کس دن کیلئے رکھی گئی تھیں کیوں نہیں پیش کیں۔ کیا آپ نے اسکا کوئی کبھی جواب دیا۔ پھر ہم ان پیشگویوں کو کیا کریں اور کس عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور کیونکر حضرت مسیحؑ کو دنیا کے دوسرے مصنوعی خداؤں سے الگ کر لیں اللہ جل شانہ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ۔ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَیَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (سیپارہ ۱۰ رکوع ۱۰)۔ یعنی

وہ پیشگویاں جو بیرنگ جاتی ہیں وہ خود مسیح کے اقوال سے رد ہو گئیں کیونکہ انہوں نے ان کو کسی موقعہ پر پیش نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کہا بعض یہود نے کہ عزیرؑ خدا کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے مسیحؑ خدا کا بیٹا ہے۔ یہ اُنکے مُنہ کی باتیں ہیں جن کا کوئی بھی ثبوت نہیں ریس کرنے لگے ان لوگوں کی جو پہلے اس سے کافر ہو چکے۔ یعنے جو انسانوں کو خدا اور خدا کے بیٹے قرار دے چکے یہ ہلاک کئے جائیں کیسے یہ تعلیم سے پھر گئے۔ اُنہوں نے لینے عالموں کو اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا پروردگار ٹھہرالیا۔ اور ایسا ہی مسیحؑ ابن مریم کو حالانکہ ہم نے یہ حکم کیا تھا کہ تم کسی کی بندگی نہ کرو مگر ایک کی جو خدا ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں چاہتے ہیں کہ اپنے مونہوں کے پھونکوں سے حق کو بجھادیں اور اللہ تعالیٰ باز نہیں رہیگا جب تک اپنے نور کو پورا نہ کرے اگرچہ کافر ناخوش ہوں۔ وہ وہی خدا ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا وہ دین سب دینوں پر غالب ہو جائے اگرچہ مشرک ناخوش ہوں" اب دیکھئے کہ ان آیات کریمہ میں اللہ جلشانہ نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ عیسائیوں سے پہلے یہودی یعنے بعض یہودی بھی عزیرؑ کو ابن اللہ قرار دے چکے اور نہ صرف وہی بلکہ متقدم زمانہ کے کافر بھی اپنے پیشواؤں اور اماموں کو یہی منصب دے چکے پھر اُن کے پاس اسبات کا کیا دلیل ہے کہ وہ لوگ اپنے اماموں کو خدا ٹھہرانے میں جھوٹے تھے اور یہ سچے ہیں۔ اور پھر اسبات کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ یہی خرابیاں دنیا میں پڑ گئیں تھیں جن کی اصلاح کے لئے اس رسول کو بھیجا گیا تا کامل تعلیم کے ساتھ اُن خرابیوں کو دُور کرے۔ کیونکہ اگر یہودیوں کے ہاتھ میں کوئی کامل تعلیم ہوتی تو وہ برخلاف توریت کے اپنے عالموں اور درویشوں کو ہرگز خدا نہ ٹھہراتے اس سے معلوم ہوا کہ وہ کامل تعلیم کے محتاج تھے۔ جیسا کہ حضرت مسیحؑ نے بھی اسبات کا اقرار کیا۔ کہ ابھی بہت سی باتیں تعلیم کی باقی ہیں کہ تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ یعنے جب وہ یعنے روح حق آوے تو وہ تمہیں تمہاری سچائی کی راہ بتاوے گی۔ اسلئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی۔ لیکن وہ جو کچھ سُنے گی وہ کہے گی اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گی۔ حضرات عیسائی صاحبان اس جگہ روح حق سے روح القدس مراد لیتے ہیں۔ اور اس طرف توجہ نہیں فرماتے کہ روح القدس تو اُنکے اصول کے موافق خدا ہے تو پھر وہ کس سے سُنیگا۔ حالانکہ لفظ پیشگوئی کے یہ ہیں کہ جو کچھ وہ سُنے گی وہ کہے گی۔ اب پھر ہم اس پہلے مضمون کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے تو حضرت مسیحؑ کے خدا ہونے پر کوئی معقولی دلیل انجیل سے

یہود اور نصاریٰ کے پاس اگر کامل تعلیم ہوتی تو وہ اپنے درویشوں اور عالموں کو خدا نہ ٹھہراتے۔

پیش نہ کی۔ لیکن ہم ایک اور دلیل قرآن کریم سے پیش کر دیتے ہیں کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے
اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ھل من شرکائکم من یفعل
من ذلکم من شئ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔ پارہ ۲۱ - رکوع ۷) یعنی اللہ وہ ہے
جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہیں رزق دیا۔ پھر تمہیں مار یگا۔ پھر زندہ کریگا۔ کیا تمہارے
معبودوں میں سے جو انسانوں میں سے ہیں کوئی ایسا کرسکتا ہے پاک ہے خدا ان بہتانوں سے
جو مشرک لوگ اسپر لگا رہے ہیں۔ پھر فرماتا ہے:۔ امر جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ
فتشابہ الخلق علیہم قل اللہ خالق کل شئ وھو الواحد القھار۔ کیا انہوں نے خداتعالےٰ
کے شریک ایسی صفات کے ٹھہرا رکھے ہیں کہ جیسے خداتعالےٰ خالق ہے وہ بھی خالق ہیں
تا اس دلیل سے انہوں نے ان کو خدا مان لیا۔ ان کو کہدے کہ ثابت شدہ یہی امر ہے۔
کہ اللہ تعالےٰ خالق ہر ایک چیز کا ہے اور وہی اکیلا ہر ایک چیز پر غالب اور قاہر ہے۔
اس قرآنی دلیل کے موافق ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب سے میں نے دریافت کیا تھا
کہ اگر آپ صاحبوں کی نظر میں درحقیقت حضرت مسیحؑ خدا ہیں تو ان کی خالقیت وغیرہ
صفات الوہیت کا ثبوت دیجیئے۔ کیونکہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ خدا اپنی صفات کو آسمان
پر چھوڑ کر نرا مجرد اور برہنہ ہو کر دنیا میں آجائے۔ اس کی صفات اس کی ذات سے لازم
غیر منفک ہیں۔ اور کبھی تعطل جائز نہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ خدا ہو کر پھر خدائی
کے صفات کاملہ ظاہر کرنے سے عاجز ہو۔ اسکا جواب ڈپٹی صاحب موصوف مجھے یہ دیتے
ہیں کہ جو کچھ زمین آسمان میں آفتاب و ماہتاب وغیرہ چیزیں مخلوق پائی جاتی ہیں
یہ مسیحؑ کی بنائی ہوئی ہیں۔ اب ناظرین اس جواب کی خوبی اور عمدگی کا آپ ہی
اندازہ کرلیں کہ یہ ایک دلیل پیش کیگئی ہے یا دوسرا ایک دعویٰ پیش کیا گیا ہے۔ کیا ایسا
ہی ہندو مہاجان نہیں کہتے کہ جو کچھ آسمان و زمین میں مخلوق پائی جاتی ہے۔ وہ راجہ
رامچندر صاحب نے ہی بنائی ہوئی ہے۔ پھر اسکا فیصلہ کون کرے۔ پھر بعد اس کے
ڈپٹی صاحب موصوف ایمانی نشانیوں کو کسی خاص وقت تک محدود قرار دیتے ہیں
حالانکہ حضرت مسیحؑ صاف لفظوں سے فرما رہے ہیں۔ کہ اگر تم میں رائی کے برابر بھی ایمان
ہو تو تم سے ایسی ایسی کرامات ظاہر ہوں۔ پھر ایک مقام یوحنا ۱۴ باب ۱۲ میں آپ
فرماتے ہیں۔ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے جو میں کام کرتا ہوں وہ

ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور جسکو خدا کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے انہوں نے کچھ نہیں پیدا کیں۔

خدا کے صفات لازم غیر منفک ہیں اگر مسیح خدا ہے تو کوئی اسکی صفت بتلاؤ۔

بھی کریگا۔ اور ان سے بھی بڑے بڑے کام کریگا۔ اب دیکھئے کہ وہ تاویلات آپ کی کہاں گئیں۔ اس آیت میں تو حضرت مسیح نے صاف صاف فیصلہ ہی کر دیا اور فرما دیا کہ مجھ پر ایمان لانے والا میرا ہمرنگ ہو جائیگا۔ اور میرے جیسے کام بلکہ مجھ سے بڑھکر کریگا۔ اور یہ فرمودہ حضرت مسیح کا نہایت صحیح اور سچا ہے۔ کیونکہ انبیاء اسی لئے آیا کرتے ہیں کہ ان کی پیروی کرنے سے انسان اُنہیں کے رنگ سے رنگین ہو جاتے۔ اور اُن کے درخت کی ایک ڈالی بن کر وہی پھل اور وہی پھول لاوے جو وہ لاتے ہیں۔ ماسوا اسکے یہ بات ظاہر ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے اطمینان قلب کا محتاج ہوتا ہے۔ اور ہر ایک زمانہ کو تاریکی کے پھیلنے کے وقت نشانوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ پھر یہ کیوں کر ہو سکے کہ حضرت مسیح کے مذہب قایم رکھنے کے لیئے اور اس خلاف تحقیقات عقیدہ حضرت مسیح کے ابن اللہ ٹھہرانے کے لئے کسی نشان کی کچھ بھی ضرورت نہ ہو۔ اور دوسری قوم جنکو باطل پر خیال کیا جاتا ہے۔ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو قرآن کریم کو لایا اسکو خلاف حق سمجھا جاتا ہے اسکی پیروی کرنے والے تو قرآن کریم کے منشاء کے موافق خداتعالیٰ کی توفیق اور فضل سے نشان دِکھلادیں مگر مسیحیوں کے نشان آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئے ہوں۔ اگر مسیحیوں میں نشان نمائی کی توفیق اب موجود نہیں ہے تو پھر خود سوچ لیں کہ ان کا مذہب کیا شے ہے۔ میں پھر سے بارہ عرض کرتا ہوں کہ جیسا کہ اللہ جلشانہٗ کے سچے مذہب کی تین نشانیاں ٹھہرائی ہیں۔ وہ اب بھی نمایاں طور پر اسلام میں موجود ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ آپ کا مذہب بےنشان ہو گیا۔ اور کوئی سچائی کے نشان اسمیں باقی نہیں رہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جو نشانی دکھلانے سے ایک جگہ انکار کیا تھا تو اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے دکھلا چکے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ آپکا بیان صحیح نہیں ہے۔ اگر وہ دِکھلا چکتے تو اسکا حوالہ دیتے۔ اور نیز میں یہ بھی کہتا ہوں کہ میں بھی تو آپ لوگوں کو دکھلا چکا ہوں۔

کیا آپ کو پرچہ نور افشاں ۱۰ مئی ۱۸۸۸ء یاد نہیں ہے۔ جس میں بڑے دعوے کے ساتھ صاحب نور افشاں نے میری پیشگوئی کا انکار کر کے اس پرچہ میں مخالفانہ مضمون چھپوایا تھا۔ اور وہ پیشگوئی بھی نقل کر دی تھی۔ تو پھر وہ پیشگوئی اپنی میعاد میں پوری ہو گئی۔

مسیح کا قول کہ مجھپر ایمان لانے والا میرا ہمرنگ ہوگا۔

سچے مذہب کی تین نشانیاں اسلام میں موجود ہیں۔

اور آپ اقرار کر چکے ہیں کہ پیشگوئی بھی خوارق میں داخل ہے تو ہم نے تو ایک نشان ایسے طور پر آپ کو ثابت کر دیا کہ نور افشاں میں درج ہے۔ پھر اس کے بعد اگر آپ کی طرف سے کوئی حجت ہو تو وہ اسی حجت کے ہمرنگ ہوگی جو یہودیوں نے کی تھی جسکی تفصیل حضرت مسیحؑ کی زبان سے آپ سن چکے ہیں۔ مجھے کہنے کی حاجت نہیں۔ مگر میں آپ کے اقرار کے موافق کہ آپ نے مسلمان ہونے کا اقرار کیا تھا۔ اس بات کے سننے کے لئے بہت مشتاق ہوں کہ اس پیشگوئی کو دیکھ کر آپ نے کس قدر حصہ اسلام کا قبول کر لیا ہے۔ اور میں تو آئندہ بھی تیار ہوں صرف درخواست اور تحریر شرائط کی دیر ہے۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ گویا حضرت مسیحؑ کے حق میں مینے گالی کا لفظ استعمال کر کے ایک گونہ بے ادبی کی ہے۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ میں حضرت مسیحؑ کو ایک سچا نبی اور برگزیدہ اور خدا تعالےٰ کا ایک پیارا بندہ سمجھتا ہوں وہ تو ایک الزامی جواب آپ ہی کے مشرب کے موافق تہا اور آپ ہی پر وہ الزام عاید ہوتا ہے نہ کہ مجھ پر۔

(باقی آئندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)	ھنری مارٹین کلارک (پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

سانواں پرچہ
مباحثہ ۲۹ مئی ۱۸۹۳ء
مباحثہ ۲۹ مئی ۱۸۹۳ء

ساتواں پرچہ

مباحثہ ۲۹ مئی ۱۸۹۳ء

روئداد

روئیداد جلسہ

آج پھر جلسہ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب نے تجویز پیش کی۔ کہ چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب بیماری کی وجہ سے تشریف نہیں لاسکے۔ اسلئے انکی جگہ میں پیش ہوتا ہوں اور میری جگہ پادری احسان اللہ صاحب میرمجلس عیسائی صاحبان مقرر کئے جاویں۔ میرزا صاحب اور میرمجلس اہل اسلام کی اجازت سے تجویز منظور ہوئی۔

ڈاکٹر کلارک صاحب نے ۶ بجے ۱۶ منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا اور ۷ بجے ۱۵ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سنایا گیا۔ میرزا صاحب نے ۷ بجے ۵۵ منٹ پر شروع کیا اور ۸ بجے ۵۵ منٹ پر ختم کیا۔ اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سنایا گیا۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب نے ۹ بجے ۴ منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا اور ۱۰ بجے ۵۳ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سنایا گیا۔ بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر پریزیڈنٹوں کے دستخط کئے گئے۔ اور مباحثہ کے پہلے حصہ کا خاتمہ ہوا۔

دستخط (بحروف انگریزی)	دستخط (بحروف انگریزی)
احسان اللہ قائمقام ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب
از جانب عیسائی صاحبان	اہل اسلام

بیان ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب قایمقام ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

بیان ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب

قائم مقام ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب ۲۹ مئی ۱۸۹۳ء

جناب میرزا صاحب کی گئی ایک باتیں سنکر میں بہت حیران ہوا ہوں لیکن سب سے زیادہ حیرت اُن کے اس فرمانے سے ہوئی۔ کہ آپ عقلاً کہہ سکتے ہیں۔ کہ راجندر اور کرشن بھی کیوں خدا تصور نہ کئے جائیں اور اہل ہنود کی جو کتابیں ہیں ان کا ثبوت بھی قابل اعتبار

نہ گنا جائے۔ میرزا صاحب یہ کیا آپ فرماتے ہیں انہوں نے کونسے کار الٰہی کئے اور انکا کونسا دعوٰی پایہ ثبوت تک پہنچا ہوا ہے۔ اور ایک اہل کتاب کی جو مجلس ہے۔ اسمیں انکی نظیروں کی ضرورت کیا ہے۔ آیا عقلاً آپ المسیح اور رامچندر اور کرشن میں کوئی تمیز نہیں کرتے اور جلالی انجیل کو مقابل اہل ہنود کی کتابوں کے جانتے ہیں۔ میرے خیال میں ایک نبی اللہ برحق کو اور اہل کتاب کے مسلوں کو بت پرستوں اور بت پرستوں کی کتابوں سے تشبیہ دینا ہی گناہ ہے۔ اور اگر آپ ایسی تشبیہ دیویں تو اسکا جواب بھی آپ اللہ تعالےٰ کو دیویں اہل ہنود کی جن کتابوں کا آپ نے ذکر کیا وہ تو تواریخی طور پر بھی درست نہیں ہیں۔ اب ہم کس بات کو مدنظر رکھکر زیادہ تر امتیاز کریں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ چونکہ بہت شخصوں نے دعوٰی کیا تھا کہ ہم خدا ہیں۔ اور ان کے یہ دعوے الوہیت کے باطل نکلے لہذا مسیح نے بھی یہ دعوےٰ کیا ہے۔ لہذا وہ بھی باطل ہے۔ جناب من یہ کیا فرماتے ہیں چونکہ دس روپیہ میں نو کھوٹے ہوں آیا دسواں بھی ضرور کھوٹا ہوگا۔ یہ اس طرح کا فتوٰی نہیں دیا جاسکتا۔ موقعہ دیکھ کر اور خصوصیتیں جو ہیں سمجھکر فتوٰی دینا چاہیئے۔ چونکہ جھوٹے دعوے ہیں آپ پر روشن ہوگا کہ سچا بھی کوئی ہوگا اگر سچے روپے نہ ہوتے تو نقلی بھی نہ ہوتے۔ سوم ہمنے کئی پیشگوئیاں میرزا صاحب کی خدمت میں عرض کردی ہیں۔ اور ان پر آپ کا یہ اعتراض ہے کہ آپ دعوٰی کے ثبوت میں دعوٰی ہی پیش کرتے ہیں۔ کیوں کہ یہ پیشگوئیاں جس کا حوالہ دیتے ہو خود دعوے ہیں۔ اور دعوٰی کا دعوٰی سے کیوں کر ثبوت ہوسکتا ہے۔ جناب من یہ آپ کی عجب غلط فہمی ہے۔ پیشگوئیاں اللہ تعالےٰ کی کسی صورت میں دعوٰی نہیں گنی جاسکتیں۔ بلکہ صداقتیں ہیں اور ہم انکو دعوے کے طور نہیں تسلیم کرتے۔ لیکن اپنے مالک کے فرمان کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ کسی فرد بشر کی جرأت ہے کہ اپنے پیدا کنندہ اور پرورش کرنے والے کے فرمان کو دعوٰی کہے اور ان کو پرکھنا بھی ہمارا حق نہیں کیوں کہ اگر ایک پیشگوئی ہے۔ تو وہ علاقہ رکھتی ہے زمانہ استقبال سے کہ زمانہ حال سے۔ اب جس منزل تک ہم پہونچے ہی نہیں ہیں وہاں کی باتوں کا ہم فیصلہ ہی کیا کریں۔ ہمارا حق ہے کہ نبی کو پرکھیں اور تسلی اپنی کرالیں کہ یہ شخص نبی اللہ ہے۔ اور جب ہم نے معلوم کرلیا پیغام جو وہ ہمیں پہنچاتا ہے۔ نہ اس کا جان کے پراسکے مالک اور اپنے مالک کا جان کے شکر اور ادب سے تسلیم کرنا چاہیئے۔ پیشگوئی جب

نازل ہوتی ہے تو تسلیم کی جاتی ہے۔ اور جب پوری ہو تو درجہ تکمیل تک پہنچتی ہے۔ جو باتیں
حال وارد نہیں ہوئیں ان میں سوائے اللہ تعالےٰ کے کون تمیز کر سکتا ہے۔ اب جناب من
دیکھیے گا۔ عہد عتیق میں کئی نبی اللہ تعالےٰ کے اطلاع دیتے ہیں از جانب اللہ کے یہ یہ باتیں
ہوں گی۔ عہد جدید جو وہ بھی کلام برحق ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے کئی اوس
تحریر فرماتے ہیں کہ یہ ہدایت خدا کی کہ وہ جو میرے فلانے فلانے بندے فلانے فلانے
موقعہ پر کہہ گئے تھے آج اور اس موقعہ پر پورا ہوتا ہے۔ صاحب من ناگزیر ہے کہ ہم مانیں
گریز خلاف فطرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شہادت اور فرمان سب شہادتوں سے بڑھکر ہے۔
جناب کی خدمت میں تین فہرست پیش کی گئی تھیں۔ جن میں پورانے عہد نامہ کی پیشگوئیاں معہ
حوالہ جات نئے عہد کے جہاں وہ پوری ہوتی ہیں لکھی گئی تھیں چھ سو سات سو آٹھ سو برس
پیشتر جو اللہ کے نبی کہہ گئے نقطہ نقطہ پورے ہوتے دیکھے۔ میرزائے من اگر اب بھی دعوے
مانیں تو سوائے ضد اور تعصب کے کچھ نہیں آپ نے یہ بھی استفسار کیا تھا کہ آیا المسیح نے خود
کبھی اپنی ہی زبان مبارک سے ان پیشگوئیوں میں سے اپنے حق میں تسلیم کیا ہے یا نہیں
جناب من نہ ایک دفعہ نہ دو دفعہ بلکہ کئی دفعہ اور نہ ایک کو اور نہ دو کو بلکہ سب کو۔ دیکھیے متی
کا ۲۲ باب آیت اکتالیس سے ۴۶ تک یوحنا کے ۵/۳۹ متی باب ۱۱۔ ۱۰ بالمقابل ملاکی نبی ۳ باب ۱
لوقا باب ۲۴۔ ۲۷ متی باب ۲۶۔ ۱۷ چہارم یوحنا باب ۲۔ ۳۵ کے بارہ میں جناب نے استفسار فرمایا۔
بار بار خدمت میں عرض کیگئی۔ نہ معلوم کیا ماجرا ہے کہ خیال شریف میں بات نہیں آتی۔ آخر ملتمس
میں یہ کرتا ہوں۔ اس آیت کو آپ اسلئے گرفت کرتے ہیں کہ اس میں الوہیت کا انکار ہے۔
برعکس اسکے المسیح اس موقعہ پر اپنی الوہیت کا بہت ہی پختہ دعویٰ کرتا ہے۔ گو یہودیوں کو
آپ یہ فرماتا ہے۔ ابتدا میں کلام تھا کلام خدا کے ساتھ تھا۔ کلام خدا تھا۔ کلام مجسم ہوا وہ گو
جن کے پاس کلام اللہ پہنچا۔ اس کلام کی برکت سے الٰہی ہونے کے قابل ٹھہرائے گئے گویا
کلام کی پیروی کی جا کر کے یہ برکت اُن کو مل گئی۔
جن کے پاس کلام پہنچا اور اُن کا اتنا درجہ ہو گیا تو تم کلام مجسم کو کہتے ہو کہ تو کفر بکتا
ہے۔ حیف تمہاری عقلوں پر۔ وہ خاص لفظیں جو غور کے لائق ہیں دو ہیں مخصوص کیا اور بھیجا
آپ نے تو چند عبارات لکھائی تھیں کہ اُن میں بھی یہ ہیں۔
لیکن تلاش کرنے سے پتہ ندارد آپ کے حوالہ غلط نکلے یونانی بھی جیسے آپ کی خدمت میں

عرض کردی۔ آپ نے فرمایا بہت اور حوالہ ہیں اطلاع نہ بخشی کسی کی۔ اسپر غور کریئے۔ بھیجا
مسیح کا بھیجا جانا اور ہی طرح کا تھا۔ یوحنا باب ۱۶ / ۲۸ باپ میں سے نکلا اور دنیا میں آیا ہوں
مگر اس میں الوہیت کا انکار ہے تو آپ فرمایئے کہ کسی بندہ نے کہا کہ "میں باپ میں سے
نکلا اور پھر باپ کے پاس جاتا ہوں"
جناب کا یہ فرمانا کہ المسیح کو بھیجا ہے بجا نہیں۔ ہمارا حق نہیں کہنا کیوں ہوا یوں
جو باتیں ہو چکی ہیں ان کے موجب فیصلہ کرنا ہے۔ ورنہ ہم صاف کہدیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور
ان کے بزرگ نبیوں سے دانا ہیں ہم ہوتے تو یوں کہتے یہ دانائی نہیں یہ اقتراح ہے۔
سکندر اعظم کے ایک جرنیل تھے بنام پارمینو۔ جب ایران کو سکندر اعظم نے فتح کر لیا پارمینو
کہنے لگے میں اگر سکندر اعظم ہوتا تو دارا کی بیٹی کو اپنی شادی میں لے کے اس ملک سے باہر نہ
جاتا۔ سکندر اعظم نے فرمایا کہ اگر میں پارمینو ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔ اور چونکہ میں سکندر
اعظم ہوں نہ پارمینو میں کچھ اور کروں گا۔ لہذا چونکہ اُسوقت المسیح تھے نہ کہ میرزا صاحب۔
اور یاد رکھیئے کہ فقط یہ ہی ایک گفتگو یہودیوں کی نہیں ہوئی۔ کہ سب کچھ اسیوقت ہو
جاوے تین برس تک یہ سلسلہ جاری رہا۔
پنجم - اگر مسیح خالق تھے تو اُنہوں نے کیا بنایا۔ موجب فتوئی الٰہی کے یوحنا باب اوّل جواب
اس کا ہے سب کچھ۔ اگر اس فتوئی سے میرزا صاحب گریز کرتے ہیں تو انجیل کو ہی رد کر دیں
تو اُسکو ایک کتاب الفتانی و نفسانی و جھوٹوں کی بھری ٹھہرا دیویں۔
ششم - جب آپ انسان بنے تو صفات اللہ کہاں گئی یہ میرزا صاحب کا سوال ہے
جواب بہت مختصر اور چھوٹا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالے تا ابد مبارک تھے اور ہیں۔ انہوں نے
اپنے آپ کو فرد کیا۔ موجب فلپیوں کی ۲ باب ۶ آیت۔
ساتواں - رائی کے دانہ پر آپکے پیر پھر پھسلے اور پہاڑوں پر جا ٹھہرے اور کیسی
عجب جوتی اپنی پشمینہ میں لپیٹ کر ہمارے سر پر چلائی۔ کہ جاگو اُٹھو۔ ورنہ رائی بھر ایمان
نہیں رہنا۔ آپ نہ گھبرایئے ایمان کہیں نہیں جاتا ہے خدمت میں عرض کیا گیا کہ یہ فرمانا صرف
رسولوں کے لئے ہے نہ ہمارے لئے۔ بلکہ صاف پہلے قرنطیوں کے ۱۳-۲ میں یہ آگیا کہ ایمان
تو تم میں اِتنا ہو کہ پہاڑ بھی ہل جاویں۔ اور محبت نہ ہو تو عبث ہے۔ اور معجزات کے
حق میں جو آپ نے مرقس کے ۱۶ باب کو بنیاد جان کر عمارت عالیشان تیار کی تھی سو ہیچ ہے

اسلئے کہ بنیاد خام ہے۔ صاف آپ پر ظاہر کیا گیا کہ رسول مسیح کے بے ایمانی کی حالت میں بھی ایمان لاتے ہیں۔ ان کو فرمایا جاتا ہے کہ اب تمہارے ساتھ یہ نشانیاں ہوں گی۔ لفظ یونانی ہے۔ پس ٹی آئی اسکے معنے ہیں جو ایمان لائے ہیں حال میں اور صیغہ یہ ہرگز نہیں جو ایمان لاویں گے۔ بلکہ رسولوں کے زمانہ میں اختیار ہر ایک کو نہ تھا بدن ایک عضو مختلف۔ حواری پوچھتا ہے۔ کیا سب آنکھ ہیں سب کان ہیں اور فرماتا ہے کیا سب معجزہ دکھاتے ہیں اور کرامات کرتے ہیں اور بیماروں کو چنگا کرتے ہیں علے ہذا القیاس جیسے عرض کرچکا۔ اور پھر صاف لکھا ہے بہر حالت کہ یہ جو خاص عنایات ہیں بند ہو جائیں گی اور تا ابد جو رہے گی سو محبت ہے۔ خداوند نے صاف صاف فرما دیا کہ دائمی نشان جس سے دنیا جانیگی کہ تم میرے ہو نہ کرامات و معجزہ پر محبت ہے دیکھو یوحنا کا ۱۳ باب ۳۴ و ۳۵۔ اس سے سب جانیں گے کہ تم میرے شاگرد ہو۔ آپ نے پھر پوچھا کہ یوحنا باب ۱۴/۱۲ کے موجب آپ پر فرض ہے کہ جو کام مسیح نے کئے سو آپ کریں بلکہ اُس سے بڑھکر کریں۔

جناب من! آپ متن پر تو غور کریئے یہاں تو اپنے حواریوں سے مخاطب ہیں نہ مجھ سے نہ آپ سے۔ جو کام میں کرتا رہا تم پھر کرتے رہو گے۔ آپ نے فرمایا اور بلاشبہ انہوں نے کئی دیو نکالے۔ سانپ پکڑے۔ مُردے جِلائے۔

اور ان سے بڑھ کر تم کام کرو گے کیونکہ میں باپ پاس جاتا ہوں اور یہ حق ہے ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ المسیح کی منادی سے تھوڑے ہی ایمان لائے۔ پطرس کی ایک منادی سے یک لخت تین ہزار ایمان لائے۔ اعمال کی کتاب میں لکھا ہے کہ وہ فقط یہودیوں میں منادی کرتے رہے۔ شاگرد اُن کے تمام جہان میں گئے۔ تاہم یاد رکھئے کہ شاگرد اپنے اُستاد سے بڑھ کر نہیں۔

تم مجھ سے مانگو میں کر دونگا۔ آپ فرماتے ہیں تمہارا کام دُعا کرنا ہے لہذا صاف لکھا ہے یہہ دعا مانگتے رہے اور خداوند یسوع انجام دیتا رہا۔ اور دے رہا ہے۔

ہشتم۔ آپ کا استفسار ہے آیا ہر زمانہ میں نشانیاں ضرور نہیں۔ ہرگز نہیں ابتدا میں چاہیئے۔ لیکن ہمیشہ ابتدا نہیں ہے۔ نشانیاں و معجزہ تعلیم و دین کو کامل کرتے ہیں۔ اور جو شئے ایک مرتبہ اللہ تعالےٰ کی جانب سے کامل کی گئی اُسے ایسی ناکمل نہ چھیجتے کہ دوبارہ کامل کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ آخری نشان خداوند مسیح خود تھے اور یہ بھی صاف ظاہر ہے

کہ جب کوئی نئی تعلیم وارد ہو۔ تو خاص شخص چاہیئے کہ جو پیغام پہنچا دے اور خاص نشانیاں ہوں جس سے اللہ تعالےٰ ثابت کرے کہ یہ میرا مرسل ہے اور یہ تعلیم میری ہے لیکن اب ہزار درجہ ہیں۔ جس سے تحقیقات ہو سکتی ہے یعنے نقلی عقلی تواریخی وغیرہ۔ جہاں کوئی کام عام طور سے ہو سکے وہاں اللہ تعالےٰ خاص طور سے نہیں کرتا ہے۔

یہودیوں کو اُن جنگلوں میں جہاں خوراک نہ تھی خوراک آسمانی ملتی رہی جب دن ایسے ملک میں پہنچے جہاں سامان دیگر مہیا تھا من بھی دفع ہو گیا۔

معجزے اللہ تعالےٰ کی طرف سے مہر ہیں۔ کہ یہ بندہ میرا ہے اور یہ تعلیم میری ہے۔ پھر آگے کو نہ خاص بندہ ہوتا ہے نہ خاص مہر ہوتی ہے بروہ کارخانہ عام طور سے چلایا جاتا ہے چونکہ آپکے عقیدہ کے موجب محمدؐ صاحب نبی اللہ تھے اور قرآن کو اللہ تعالےٰ جبرئیلؑ کی معرفت اُنپر نازل کرتا رہا اور شروع میں حق ہے جو ایسا ہووے۔

لیکن اب محمدؐ صاحب کی اُمت اس تعلیم و دین کو پھیلاتی ہے نہ کہ محمد صاحب خود۔ اور قرآن بذریعہ چھپائی کے شائع کئے جاتے ہیں نہ کہ بذریعہ فرشتگان کے۔

نہم خداوند مسیح معجزہ دکھانے سے کیوں انکاری ہوئے اُسکے حق میں تو ہم صاحب خلاصۃً ذکر کر چکے۔ اُسوقت بھی انکاری نہ تھے کہتے ہیں نشان تم کو ملیگا یونس نبی کا۔ آپ نے یہ پڑھ کر سُنایا جیسا وہ تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ ویسا ابن آدم بھی تین دن زمین کے رحم میں رہیگا۔ اپنی موت اور دفنائے اور جی اٹھنے کی نشانی دی اور اس سے بڑھ کر معجزہ کبھی دنیا میں ہوا نہیں۔ انہوں نے ایک معجزہ دکھایا۔ یوحنا $\frac{21}{25}$ رسول کہتا ہے کئی اور کام اُس نے کئے اور اپنا کام کا واسطہ کیا دیتے ہیں۔ دیکھیئے یوحنا باب $\frac{14}{11}$

دسواں - آپکا یہ سوال ہے کہ وہ صلیب سے کیوں نہ اُتر آئے۔ کس طرح اُترتے؟ اِسی کام کے لئے تو جہاں میں آئے تھے کہ اپنے تئیں جہان کا کفارہ کریں۔ ہاں اسیطرح تو شیطان نے کہا تھا کہ تو پتھروں کی روٹی بنا اور نہ اُنھوں نے وہ کہا نہ کیا کیونکہ ان ہر کاموں میں شیطان کی پرستش تھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر اُتر آتے تو یہودی فوراً ایمان لاتے یہ آپ کو کیوں کر معلوم ہے۔ کونسا دیگر معجزہ دیکھ کر ایمان لائے تھے۔ اور اُن کو جی اٹھا دیکھ کر کونسے ایماندار بنے۔ صاحب من تمیز کبھی معجزہ سے ایمان نہیں پیدا ہوتا۔

حضرت موسیٰ نے فرعون کو تھوڑے معجزے دکھلائے تو بھی وہ سنگدل کافر ہی رہا شرط نہیں کہ ساتھ معجزہ کے ایمان بھی ہوگا۔ یعنے دیکھنے والے میں نہ ہو امر الٰہی ہے۔ فرعون کی میں نے نظیر دی ہے۔

لعزنام ایک شخص کو المسیح نے مردوں میں سے زندہ کیا یہودی ایسے قہر سے بھر گئے تجویز کرنے لگے کہ ان دونوں کو ہلاک کر دیں۔ صاف انجیل جلالی میں آیا ہے کہ اگر وہ موسیٰ اور نوشتوں پر ایمان نہ لائیں مردوں میں سے کوئی جائیگا تو وہ ایمان نہ لائیں گے۔

گیارھواں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ انسان کا بدن چار چار سال کے بعد تبدیل ہو جاتا ہے۔ لہذا کفارہ کیونکر ہوا۔ چار برس کے بعد نہیں سات برس کے بعد وقوع میں ہوتا ہے خیر بدن کی تبدیلی ہو وجود نہیں بدلتا۔ جناب کی رائے میں اس باعث سے کفارہ محال تھا۔ اب تو شاید یہہ بھی مانیں گے کہ سات برس کے بعد یا برس کے بعد مرد اپنی بی بی کا خاوند نہ ٹھہرتا اور نہ اپنے بچوں کا والد اور نہ اپنے مال کا مالک ہو سکتا ہے جب وقت خاتمہ پر آیا کیا ہی پھر خوب ہو کہ دوبارہ نکاح از سر نو رجسٹریاں کرادے تاکہ اُس کی عزت اور ملکیت بحال رہے۔

جناب! اِسطرح کے سوال اعتراضات آپ کے روشن فہمی کے لایق ہیں۔

دستخط (بحروف انگریزی) ـــ دستخط (بحروف انگریزی)

احسان اللہ قایمقام ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ) ـــ غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)

از جانب عیسائی صاحبان ـــ از جانب اہل اسلام

بیان حضرت میرزا صاحب ۲۹ رمئی ۱۸۹۳ء

بیان جناب میرزا صاحب

۲۹ رمئی سنہ ۱۸۹۳ء

آج ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ حضرت مسیحؑ کی الوہیت کے ثبوت کے بارہ میں پیش کیا اُسکے سُننے سے مجھ کو کمال درجہ کا تعجب ہوا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے مُنہ سے ایسی باتیں نکلیں جاننا چاہیئے کہ یہ دعویٰ الوہیت کا جو حضرت مسیح کیطرف منسوب کیا جاتا ہے یہ کوئی چھوٹا سا دعویٰ نہیں ایک عظیم الشان دعویٰ ہے حضرت عیسائی صاحبان کے عقیدہ کے رو سے جو شخص حضرت مسیحؑ کی الوہیت کا انکار کرے وہ ہمیشہ کے جہنم میں گرایا جائیگا۔ اور قرآن کریم کی تعلیم کی رُو سے جو شخص ایسا لفظ منہ پر لاوے کہ فلاں شخص درحقیقت خدا ہے یا درحقیقت میں ہی

خدا ہوں وہ جہنم کے لائق ٹھیریگا جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے ومن یقل منہم انی الٰہ من دونہ فذلک نجزیہ جہنم کذلک نجزی الظالمین یعنی جو شخص یہ بات کہے کہ میں خدا ہوں بجز سچے خدا کے تو ہم اسکو جہنم کی سزا دینگے۔ پھر اسکے اوپر کی آیت یہ ہے وقالوا اتخذ الرحمٰن ولداً سبحانہ بل عباد مکرمون۔ اور عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنا بیٹا پکڑا پاک ہے وہ بیٹوں سے بلکہ یہ بندے عزت دار ہیں۔ پارہ ۱۷۔ رکوع ۲۔ اور پھر بعد اسکے جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمارے ہاتھ میں کیا ثبوت ہے تو ہمیں ایک ذخیرہ کثیر ثبوتوں کا نظر آتا ہے ایکطرف عقل سلیم انسان کی اس اعتقاد کو دھکے دے رہی ہے اور ایکطرف قیاس استقرائی شہادت دے رہا ہے کہ اب تک اسکی نظیر بجز دعویٰ متنازعہ فیہ کے نہیں پائی گئی۔ اور ایکطرف قرآن کریم جو بیشمار دلائل سے اپنی حقانیت ثابت کرتا ہے اس سے انکاری ہے جیسا کہ فرماتا ہے و یعبدون من دون اللہ ما لم ینزل بہ سلطاناً وما لیس لہم بہ علم۔ وما للظلمین من نصیر سیپارہ ۱۷ رکوع ۱۶ (یعنے عبادت کرتے ہیں سوائے اللہ کے ایسی چیز کی جسکی خدائی پر اللہ تعالےٰ نے کوئی نشان نہیں بھیجا یعنے نبوت پر تو نشان ہوتے ہی ہیں۔ مگر وہ خدائی کے کام میں نہیں آسکتے اور پھر فرماتا ہے کہ اس عقیدہ کیلئے انکے پاس کوئی علم بھی نہیں یعنے کوئی ایسی معقولی دلائل بھی نہیں ہے جن سے کوئی عقیدہ پختہ ہو سکے اور پھر فرماتا ہے وقالوا اتخذ الرحمٰن ولداً لقد جئتم شیئاً اداً تکاد السمٰوات یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھداً ان دعوا للرحمٰن ولداً سیپارہ ۱۶ رکوع ۹) اور کہتے ہیں کہ رحمٰن نے حضرت مسیح ؑ کو بیٹا بنا لیا ہے یہ تم نے اے عیسائیو ایک چیز بھاری کا دعویٰ کیا۔ نزدیک ہے۔ جو اس سے آسمان و زمین پھٹ جاویں اور پہاڑ کانپنے لگیں کہ تم انسان کو خدا بناتے ہو۔ پھر بعد اسکے جب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا اس خدا بنانے میں یہودی لوگ جو اول وارث توریت کے تھے جن کے عہد عتیق کی پیشگویاں سراسر غلط فہمی کیوجہ سے پیش کی جاتی ہیں۔ کیا کبھی اُنہوں نے جو اپنی کتابوں کو روز تلاوت کرنے والے تھے اور اُن پر غور کرنیوالے تھے اور حضرت مسیح ؑ بھی اُن کی تصدیق کرتے تھے کہ یہ کتابوں کا مطلب خوب سمجھتے ہیں انکی باتوں کو مانو کیا کبھی اُنہوں نے ان بہت سی پیشگوئیوں میں سے ایک کے ساتھ اتفاق کر کے اقرار کیا کہ ہاں یہ پیشگوئی حضرت مسیح موعود کو خدا بتاتی ہے۔ اور آنے والا مسیح انسان نہیں بلکہ خدا ہوگا۔ تو اسبات کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔ ہر ایک دانا سوچ سکتا ہے کہ اگر حضرت

قرآن کریم استقرا اور عقل سلیم انسان کو خدا نہیں مان سکتا۔

یہود بھی جو توریت کے ماننے والے بڑے تھے مسیح کی خدائی کی پیشگوئی سے انکار کرتے ہیں

مسیح سے اُن کو کچھ بخل اور بغض پیدا ہوتا تو اس وقت پیدا ہوتا جب حضرت مسیح تشریف لا
پہلے تو وہ لوگ بڑی محبت سے اور بڑی غور سے انصاف و آزادگی سے اُن پیشگوئیوں کو
دیکھا کرتے تھے اور ہر روز ان کتابوں کی تلاوت کرتے تھے اور تفسیریں لکھتے تھے۔
پھر کیا غضب کی بات ہے کہ یہ مطلب ان سے بالکل پوشیدہ رہا۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ
کھلی کھلی پیشگوئیاں حضرت مسیح کی خدائی کے لئے عہد عتیق میں موجود تھیں۔ اب ہمیں تحیر
پر تحیر ہوتا ہے اگر ایک پیشگوئی ہوتی اور یہودیوں کو سمجھ نہ آتی تو وہ معذور بھی ٹھیر سکتے
تھے۔ لیکن یہ کیا بات ہے کہ باوجود صدہا پیشگوئیوں کے پائے جانے کے پھر بھی ایک بھی
پیشگوئی اُن کو سمجھ نہ آئی۔ اور کبھی کسی اور زمانہ میں ان کا یہ عقیدہ نہ ہوا کہ حضرت
مسیح بحیثیت خدائی دنیا میں آئیں گے ان میں نبی بھی تھے۔ اُن میں راہب بھی تھے اہیں
عابد بھی تھے۔ مگر کسی نے اُن میں سے بطور شرح یہ نہ لکھا کہ ہاں ایک خدا بھی انسانی جامہ
میں آنے والا ہے۔

اگر عہد عتیق میں مسیح کی خدائی کی صدہا پیشگوئیاں ہیں تو تعجب ہے کہ یہودیوں کو ایک بھی سمجھ نہ آئی۔

آپ تو جانتے ہیں کہ یہ تو ایک امر غیر ممکن ہے کہ ایسی قوم کا غلط فہمی پر اتفاق ہو
جائے۔ جس نے نقطہ نقطہ اور شوشہ شوشہ توریت کا اپنے ضبط میں کیا ہوا تھا کیا وہ
سارے ہی ناسمجھ تھے۔ کیا وہ سارے ہی بیوقوف تھے کیا سب کے سب متعصب تھے
اور پھر اگر وہ متعصب تھے تو اس تعصب کی محرک حضرت مسیح کے ظہور سے پہلے کونسی چیز
تھی یہ تو ظاہر ہے کہ تعصبات بالمقابل ہوا کرتے ہیں۔ جب کہ ابھی تک کسی نے خدائی
کا دعوے نہیں کیا تھا۔ پھر تعصب کس کے ساتھ کیا جائے۔ پس یہ اتفاق یہودیوں کا
قبل از زمانہ مسیح کے کہ آنے والا ایک انسان ہے خدا نہیں ہے۔ ایک طالب حق کے لئے
کافی دلیل ہے۔ اگر وہ اسی بات کے شایق ہوتے کہ حق کو خواہ نخواہ چھپایا جاوے تو پھر
نبی کے آنے کا کیوں اقرار کرتے۔ ماسوا اسکے توریت کے دوسرے مقامات اور بھی
اس امر کے مؤید اور مصدق ہیں۔ چنانچہ توریت میں صاف لکھا ہے کہ تم زمین کی کسی
چیز کو اور یا آسمان کی کسی چیز کو جو دیکھو تو اسکو خدا مت بناؤ۔ جیسا کہ خروج ۲۰ باب
۳ میں یہ الفاظ ہیں کہ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو آسمان پر یا نیچے
زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا اور پھر لکھا ہے۔ اگر تمہارے درمیان
کوئی نبی یا خواب دیکھنے والا ظاہر ہو۔ اور تمہیں نشان یا کوئی معجزہ دکھلادے اور

توریت کی گواہی کہ زمین یا آسمان کی کا چیز کو خدا مت بناؤ۔

اس نشان یا معجزہ کے مطابق جو اس نے تمہیں دکھایا ہے بات واقعہ ہو اور وہ تمہیں کہے کہ آؤ ہم غیر معبودوں کی جنہیں تم نے نہیں جانا پیروی کریں تو ہرگز اس نبی یا خواب دیکھنے والے کی بات پر کان مت دھریو اسیطرح اور بھی توریت میں بہت سے مقامات ہیں جن کے لکھنے کی حاجت نہیں۔ مگر سب سے بڑھ کر حضرت مسیح کا اپنا اقرار ملاحظہ کے لائق ہے۔ وہ فرماتے ہیں سب حکموں میں اول یہ ہے کہ اے اسرائیل سن وہ خداوند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خدا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ حیات ابدی یہ ہے کہ وے تجھ کو اکیلا سچا خدا اور یسوع مسیح کو جسے تم نے بھیجا ہے جانیں یوحنا ۱۷/۳

مسیح کی اپنی شہادت کہ خدا ایک ہے

اور بھیجا کا لفظ توریت کے کئی مقام میں انہی معنوں پر بولا گیا ہے۔ کہ جب خدا تعالےٰ کسی اپنے بندہ کو مامور کر کے اور اپنا نبی ٹھہرا کر بھیجتا ہے تو اسوقت کہا جاتا ہے کہ یہ وہ بندہ بھیجا گیا ہے اگر ڈاکٹر صاحب یہہ بھیجا گیا کا لفظ بجز اس معنے کے جہاں نبی کی نسبت بولا جاتا ہے۔ مقام متنازعہ فیہ کے ماسوا کسی اور جگہ دوسرے معنوں پر ثابت کر دیں تو شرط کے طور پر جو چاہیں ہم سے وصول کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب پر واضح رہے کہ بھیجا گیا کا لفظ اور ایسا ہی مخصوص کا لفظ انسان کے بارہ میں آیا ہے یہ سراسر تحکم ہے کہ اب اس کے اور معنے کئے جاویں۔ ماسوا اس کے حضرت مسیح کی الوہیت کے بارہ میں اگر حضرات عیسائی صاحبوں کا اصول ایمانیہ میں اتفاق ہوتا اور کوئی قوم اور فرقہ اس اتفاق سے باہر نہ ہوتا تو تب بھی کسیقدر ناز کرنے کی جگہ تھی۔ مگر اب تو اتنی بات بھی ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں نہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرماویں کہ کیا آپ کے مختلف فرقوں میں سے یونی ٹیرین کا فرقہ حضرت مسیحؑ کو خدا جانتا ہے۔ کیا وہ فرقہ اسی انجیل سے تمسک نہیں کرتا۔ جس سے آپ کر رہے ہیں۔ کیا وہ فرقہ ان پیشگوئیوں سے بے خبر ہے۔ جن کی آپ کو خبر ہے۔ پھر جس حالت میں ایک طرف تو حضرت مسیحؑ اپنے کفر کی بریت ثابت کرنے کے لئے۔ یوحنا باب ۱۰ میں اپنے تئیں خدا کا اطلاق پانے میں دوسروں کا ہمرنگ قرار دیں اور اپنے تئیں لاعلم بھی قرار دیں کہ مجھے قیامت کی کچھ خبر نہیں۔ کہ کب آئے گی۔ اور یہ بھی روا نہ رکھیں کہ ان کو کوئی نیک کہے اور جا بجا یہ فرماویں کہ میں خدا تعالےٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اور حواریوں کو یہ نصیحت دیں کہ پیشگوئیاں وغیرہ امور کے وہی معنے کرو۔ جو یہودی کیا کرتے ہیں۔ اور

بھیجا گیا کا لفظ انسان کیلئے ہی استعمال ہوتا ہے

مسیح کی خدائی میں خود عیسائیوں کا اختلاف

ان کی باتوں کو سنو اور مانو اور پھر ایک طرف مسیح ؑ کے معجزات بھی دوسرے نبیوں کے معجزات سے مشابہ ہوں۔ بلکہ ان سے کسی قدر کم ہوں بوجہ اس تالاب کے قصّہ کے جو ڈاکٹر صاحب کو خوب معلوم ہوگا جس میں غسل کرنے والے اسی طرح طرح طرح کی بیماریوں سے اچھے ہو جایا کرتے تھے۔ جیسا حضرت مسیح کی نسبت بیان کیا جاتا ہے اور پھر ایک طرف گھر میں ہی پھوٹ پڑی ہوئی ہو ایک صاحب حضرت عیسائیوں میں سے حضرت مسیح کو خدا ٹھہراتے ہیں۔ اور دوسرا فرقہ ان کی تکذیب کر رہا ہے۔ ادھر یہودی بھی سخت مکذب ہوں اور عقل بھی ان نامعقول خیالات کے مخالف ہو۔ اور پھر وہ آخری نبی جسنے صدہا دلایل اور نشانوں سے ثابت کر دیا ہو کہ میں سچا نبی ہوں تو پھر باوجود اسقدر مخالفانہ ثبوتوں کے ایک خاص فرقہ کا خیال اور وہ بھی بے ثبوت کہ ضرور حضرت مسیح خدا ہی تھے کس کام آسکتا ہے۔ اور کس عزت دینے کے لایق ہے۔ اسی بنا پر میں نے کہا تھا کہ جس حالت میں اسقدر حملے بالاتفاق آپکے اس عقیدہ پر ہو رہے ہیں۔ تو اب حضرت مسیح ؑ کی خدائی ثابت کرنے کے لئے آپکو کوئی ایسا ثبوت دینا چاہئیے جس کے اندر کوئی ظلمت اور تاریکی نہ ہو اور جس میں کوئی اختلاف نہ کر سکتا ہو۔ مگر آپنے اسطرف توجہ نہ کی۔ اور آپ فرماتے ہیں جو پیشگوئیاں ہم پیش کرتے ہیں وہ دلایل ہیں دعاوی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب آپ انصافاً سوچیں کہ جس حالت میں ان پیشگویوں کے سر پر اسقدر مکذب اور مخالف کھڑے ہیں اور خود وہی لوگ ان کے معنے وہ نہیں مانتے جو آپ کرتے ہیں جو وارث عہد عتیق کے تھے۔ اور آپکا خانگی اتفاق بھی نہیں پایا جاتا تو پھر وہ دعاوی ہوئے یا کچھ اور ہوئے۔ یعنے جب کہ وہ آپ کے فرقوں میں خود متنازعہ فیہ امر ٹھیر گیا تو اوّل یہودیوں سے فیصلہ کیجئے پھر یونی ٹیریوں سے فیصلہ کیجئے اور پھر جب سب اتفاق کر لیں کہ آنے والا مسیح موعود خدا ہی ہے تو پھر مسلمانوں پر حجت کے طور پر پیش کیجئے۔ اور پھر آپ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ہمارے لئے نشانوں کی ضرورت نہیں۔ نشان پہلے زمانوں سے خاص ہوتے ہیں۔ جب ایک مدعا ثابت ہو گیا تو پھر نشانوں کی کیا حاجت۔

مسیح کے متعلق بائبل کی پیشگوئیاں دعاوی ہیں۔ دلائل نہیں

میں کہتا ہوں اگر یہ ثابت شدہ امر ہوتا تو اتنے جھگڑے ہی کیوں پڑتے کیوں آپ کے فرقہ میں سے ان پیشگویوں کے ان معنوں کی تکذیب کرنے کے لئے موجود ہوتے

پھر جب کہ ان پیشگوئیوں کی نہ صحت ثابت نہ ادعا حضرت مسیحؑ ثابت اور اُن کے خاص معنوں پر اتفاق ثابت تو پھر کیوں کر آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ دلایل ہیں۔ اور یہ بھی آپ کو یاد رہے کہ آپ کا یہ فرمانا نشان اسیوقت تک ضروری تھے جو حواریوں کا زمانہ تھا اور حواری اِس کے مخاطب تھے یہ اِس دوسری دلیل سے بھی خلاف واقعہ ٹھہرتا ہے کہ اگر کسی اَمر میں حواریوں کو مخاطب کرنا اس اَمر کو انہیں تک محدود کر دیتا ہے۔ تو پھر تو اس صورت میں ساری انجیل ہاتھ سے جاتی ہے۔ کیونکہ تمام اخلاقی تعلیم جو حضرت مسیح نے کی اس کے مخاطب حواری تھے۔ اب آپ کو خوب موقعہ ملسکتا ہے کہ ہمیں کچھ ضرورت نہیں کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا بھی پھیر دیں کیوں کہ یہ تو حواریوں کے حق میں کہا گیا تھا۔ اور آپکا یہ فرمانا کہ رامچندر اور کرشن سے حضرت مسیح کو کیا نسبت ہے اور کیا اگر دس آدمی ایک دعوے کریں تو ان میں سے ایک سچا نہیں ہو سکتا مجھے افسوس ہے کہ آپ نے یہ کیا لکھا یا میرا تو مطلب صرف اتنا تھا کہ اگر صرف دعوے سے انسان سچا ہو سکتا ہے تو دعوے کرنے والے تو دنیا میں اور بھی ہیں۔ پس اگر اُن میں سے کوئی سچا ہے تو چاہیئے کہ اپنی سچائی کے دلایل پیش کرے ورنہ ہمیں یا آپ کو دس دعوے کرنے والوں میں سے ایک کو بغیر دلیل کے خاص کر لینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا یہی تو میں بار بار کہتا ہوں اور لکھتا ہوں کہ حضرت مسیحؑ کی الوہیت پر ابھی تک آپ نے کوئی معقولی دلایل پیش نہیں کئے۔ اور منقولی پیشگوئیاں جو آپ بار بار پیش کر رہے ہیں وہ تو کچھ بھی چیز نہیں ہیں۔ خود امور متنازعہ فیہا ہیں جن کے آپ کچھ معنے کرتے ہیں۔ یونی ٹیرین کچھ کرتے ہیں۔ یہودی کچھ کرتے ہیں اہل اسلام کچھ کرتے ہیں۔ پھر قطعیۃ الدلالت کیونکر ٹھیر جاویں اور آپ جانتے ہیں۔ دلیل اسکو کہتے ہیں جو قطعیۃ الدلالت اور فی نفسہٖ روشن اور بدیہی ہو اور کسی اَمر کی مثبت ہو نہ کہ خود محتاج ثبوت ہو۔ کیونکہ اندھا اندھے کو راہ نہیں دکھا سکتا اور پھر میں اپنی اصلی بات کا اعادہ کر کے لکھتا ہوں کہ آپ جانتے ہیں کہ اس پر آشوب دنیا میں انسان ہمیشہ تسلی اور معرفت تام کا محتاج ہے اور ہر ایک شخص یہی چاہتا ہے کہ جن دلایل کو تسلیم کرانا چاہتا ہے وہ ایسی شافیہ اور کافیہ دلایل ہوں۔ کہ کوئی جرح اُنپر وارد نہ ہو سکے۔ اور خود ایک طالب حق جب اپنی موت کو یاد کرتا ہے اور درحالت بیدین و گمراہ ہونے کے اُن سزاؤں کو تصور میں لاتا

یہ کہنا کہ نشانوں کی ضرورت حواریوں تک محدود تھی خلاف واقعہ ہے

منقولی پیشگوئیاں بلا دلیل ہیچ ہیں

ہے جو بیدینوں کو ملیں گی تو خود اس کا بدن کانپ اُٹھتا ہے اور اپنے تئیں اس بات کا بھوکھا اور پیاسا پاتا ہے کہ اگر کوئی نشان ہو تو اس سے تسلی پاوے اور اسکے سہارے کے لیئے وہ اسکی دلیل ٹھہر جاوے تو پھر میں تعجب کرتا ہوں کہ یہ درخت عیسائی مذہب کا کیوں بغیر پھلوں کے قرار دیا جاتا ہے۔ اور کیوں تسلی کی راہ اس شخص کے مقابل پر پیش نہیں کی جاتی جو پیش کر رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عادت نشان دکھلانا نہیں ہے تو اس دین اسلام کی تائید کے لئے کیوں نشان دکھلاتا ہے۔ اسلئے کیا کبھی ممکن ہے کہ ظلمت نور پر غالب آجاوے آپ یہ سب باتیں جانے دیں۔ میں خوب سمجھتا ہوں کہ آپ کا دل ہرگز ہرگز آپ کے ان بیانات کے موافق نہ ہوگا بہتر تو یہ ہے کہ اس قصہ کے پاک کرنے کے لئے میرے ساتھ آپ کا ایک معاہدہ تحریری ہو جائے۔ اگر میں اُن شرائط کے مطابق جو اس معاہدہ میں کہوں گا۔ کوئی نشان اللہ جلشانہ کی مرضی کے موافق پیش نہ کرسکوں تو جس قسم کی سزا آپ چاہیں اسکے بھگتنے کے لئے تیار ہوں بلکہ سزائے موت کے لئے بھی تیار ہوں۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جاوے تو آپ کا فرض ہوگا کہ اللہ جلشانہ سے ڈر کر دین اسلام کو اختیار کریں۔ ڈاکٹر صاحب یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ عیسائی مذہب تو سچا ہو اور تائید دین اسلام کی ہو۔ آپ بجائے خود حضرت مسیحؑ سے دعائیں کرتے رہیں کہ وہ اس شخص کو ذلیل اور لاجواب کرے اور اور میں اپنے خدا سے دعا کرونگا۔ پھر وہ جو سچا خدا ہے غالب آجائے گا۔

ظلمت نور پر غالب نہیں آسکتا۔

نشان دکھلانے میں میرے ساتھ مقابلہ کریں۔

اِس سے بہتر اور کونسی تصفیہ کی صورت ہوگی۔ آپ کے دعاوی بلا دلیل کو کون تسلیم کرسکتا ہے۔ کیوں آپ ان کو بار بار پیش کرتے ہیں۔

کیا آپ کی قوم نے بالاتفاق اس کو قبول کرلیا ہے۔ آپ براہ مہربانی سیدھے راہ پر آکر وہ طریق اختیار کریں جس سے حق اور باطل میں فیصلہ ہو جاوے۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریذیڈنٹ)	احسان اللہ قائمقام ہنری مارٹن کلارک
از جانب اہل اسلام	(پریزیڈنٹ) از جانب عیسائی صاحبان

بیان ڈاکٹر ہنری مارٹین کلارک

بیان ڈاکٹر ہنری مارٹین کلارک

جناب میرزا صاحب نے اپنے جواب میں زیادہ طول اہل یہود پر دی ہے۔ اور
ان کو ہم نہیں جانتے کہ کس وجہ سے ہمارے اور اپنے درمیان منصف ٹھیرایا ہے۔
جناب من آپ کونسی تاریکی کے فرزندوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ اگر اُن کے نہ ماننے پر بات
موقوف ہے تو آپکے حضرت صاحب کی شان میں بھی بڑا فرق آتا ہے۔ کیونکہ انکی مخالفت
پر بھی ہمیشہ کمر باندھ کے مُنکر ہی رہے۔ جناب من دار مدار کسی انسانی فیصلہ پر نہیں ہے۔
کتابیں موجود ہیں زبان کوئی سمجھ سے باہر نہیں ہے۔ عقل فقط خدا تعالےٰ نے اہل یہو
کو عنایت نہیں کی تھی عبارت میں غلطی ہے بتا دیجئے گا۔ معنوں میں ہی تو معنے
صیحح ہمیں عنایت کیجیے۔ اور یہودیوں کی کم بختی ہمارے سر پر کیوں تھوپتے ہیں۔
آپ تو فرماتے ہیں کہ یہ قوم پارسا اور خدا پرست تھی۔ توریت شریف اور انبیاء کے
صیحفوں کو ملاحظہ کیجیے تو اُن کا صیحح حال آپ پر روشن ہوگا۔ دیکھئے یسعیا نبی کی
کتاب کے $\frac{65}{3}$ میں خدا تعالےٰ کیا فرماتا ہے ایسے گروہ کی طرف جو سدا میرے مُنھ کیجا کر
مجھے غصہ دلاتی تھی اور نبیوں کو دیکھیے کہتے ہیں گردنکش سنگدل حد سے زیادہ نبیوں
کے قاتل اپنے خدا سے مُنھ پھیرنے والے۔ یہ انکی صفات ہیں کلام اللہ میں جسے
آپ پاک قوم سمجھ رہے ہیں۔ بلکہ یہاں تک اللہ تعالےٰ کہتا ہے کہ گدہا اپنے مالک اور
بیل اپنے چرنے کو جانتا ہے پر میری قوم مجھے نہیں جانتی۔ جن کو اللہ تعالےٰ گدھے
اور بیل سے بڑھکر حماقت میں بتاتا ہے آپ ان سے عدالت چاہتے ہیں۔ میرزا صاحب
یہہ آپ سے ہرگز نہ ہوگا۔ جناب من ان ہی کی سنگدلی کی سزا میں خدا تعالےٰ نے
ان کے دلوں کو تاریک کردیا کہ وہ نہ سمجھیں۔ یسعیا $\frac{6}{10}$ اور یہہ لعنت خداوند یسوع
مسیح کے وقت ان کے سر پہ تھی اور تا حال ہے متی $\frac{13}{15}$ و اعمال $\frac{28}{27}$ دوسرے
قرنطیوں کا $\frac{3}{5 \text{ و } 16}$ ان آیات کے ملاحظہ سے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ آپ نے منصفی
کن پر ڈالی ہاں ان کی بے ایمانی نے شہر انکا برباد اپنے ملک سے جلا وطن سارے جہان
میں پراگندہ ضرب المثل اور انگشت نما ہوکے یہ آجتک پھرتے ہیں موجب پیشگوئی المسیح کے۔
دوئیم۔ پھر آپ نے یونی ٹیرین کی بابت پیش کیا۔ جناب من یہ علیسائیوں

کے کسی فرقہ میں سے کوئی فرقہ نہیں سارے جہاں کی حماقت اور کفر کا جواب آپ مجھ سے کیوں مانگتے ہیں۔ اور رومن کیتھلک لوگ اپنے دل کے کفر سے مریم کو خدا کی ماں قرار دیتے ہیں اور ادھر یونی ٹیرین حماقت سے اور طرح پر پورا کرتے ہیں میرا ان میں کیا واسطہ ہے۔ کلام میرے ہاتھ میں ہے عبارت اسکی موجود ہے۔ غلطی پر ہوں تو مجھے قایل کیجیئے۔ ورنہ ان تاریک فہموں کی آپ کیا نظیر دیتے ہیں۔ ہمارا ایمان مسیح پر ہے فرقوں پر نہیں۔ اسطرح کے اگر میں الزامی جواب دینے چاہوں تو اسلام پر کتنے فتور اسوقت پیش کر سکتا ہوں۔ جناب من اپنے گھر کی حالت دیکھ کر تکلیف فرمائیے اور نہ کسی انسان کے ماننے اور نہ ماننے پر مدار رکھے لیکن کتاب اللہ پر

جناب نے ایسی دلیل طلب کی ہے جس میں کسی کا شک نہ ہو۔ صاف اقرار کرتا ہوں کہ میں کہ میں عاجز ہوں میں کیا بلکہ خدا بھی عاجز ہے۔ اسکے وجود پاک سے بڑھکر کوئی بات دنیا میں روشن ہے۔ تو بھی آپ کو ہزار احمق نہ ملیں گے جو کہیں گے کہ خدا کوئی چیز نہیں۔ جب جناب باری کی ذات پاک میں آپ حرف لاتے ہیں اور اس معبود حق کی نسبت شک کرتے ہیں۔ جس کے جلال سے سارا جہاں معمور ہے تو کونسی دلیل پیش کریں۔ جس میں اگلا حرف نہ لاوے آگے جناب کا یہ فرمانا تھا کہ مسیحی دین اگر بے پھل ہے تو پھر یہ کیوں حق ہے۔ صاحب من یہ بے پھل نہیں اپنے موقعہ پر یعنے اسی ہفتہ میں آپ کی خدمت میں پھل پیش کئے جاویں گے۔ لیکن یہاں آپ کے ساتھ میرا سخت تنازعہ ہے آپ نے مجھے کیوں منافق بنایا ریاکار ٹھیرایا کہ جو میں زبان سے کہتا ہوں وہ دل سے نہیں کہ آپ نے ایسا الزام مجھے لگا دیا پیغمبری کے دعوے تو میں آپکے سنتا رہا۔ لیکن یہ تو دعوے الٰہی ہے کہ آپ دلوں کو جانچنے والے ہیں۔ آخری عرض یہ ہے کہ مناسب ہے کہ خالق کی ذات شریف مخلوق کی سمجھ میں نہ آوے۔ خدا تعالے جو ہے ذات ہی ذات ہے اور اگر اسکی ذات پاک کو ہم سمجھ لیں تو پھر کیا رہا۔ ہم اسکے مساوی نہ ہو گئے۔ بیشک ہو گئے۔ اسی لئے میں محمدی وحدانیت کا قایل نہیں ہو سکتا تو بچہ بھی سمجھ سکتا ہے اور میری عقل تو گواہی دیتی ہے کہ ذات پاک کو اس سے بڑھکر ہونا چاہئے آپ کی وحدانیت میں کونسا مسئلہ سمجھ سے باہر ہے۔ گویا محدود نے غیر محدود کو گھیر لیا ہے لیکن کثرت فی الوحدت ایک ایسا مسئلہ ہے۔ کہ نہ اسکے سمجھنے والا پیدا ہوا نہ ہوگا۔ کیا صاحب

جانا جاسکتا ہے کہ انسانی عقل اللہ تعالےٰ کو سمجھے - توبہ توبہ ذات الٰہی ایک ایسی شے ہے
کہ نہ عقل سے ثابت کی جاسکتی ہے اور نہ عقل سے اسکی تردید کی جاسکتی ہے یہ معاملہ انسان کی عقل
سے لاکھوں درجہ بڑھکر ہے اور اسکا فیصلہ صاف اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا ہے - خدا کی بات خدا
ہی جانے اور میرا اور آپکا حق میرزا صاحب نہ دلائل عقلی کے دوڑ لینے پر ہے لیکن تسلیم کرلینے
اور صحیح تعلیم اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی یہی ہے - تین اقنوم اور ایک خدا واحد تا ابد مبارک ہے -
مسیح خداوند کے حق میں ہی گواہی دیتے رہے - نمونوں سے اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا رہا - قربانیوں
میں حلال وحرام میں ختنہ میں ہیکل میں اور پھر ظاہر کرتا رہا کہ میں حقتعالیٰ خود تمہارا نجات دہندہ
ہوں - اور وقت پر کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور نام اس کا تم نے رکھنا عمانوئیل
یعنے خدا ہمارے ساتھ وقت پر آپ آئے پیدا ہوئے -

آگے سلسلہ چلتا ہے فرشتوں کی گواہی کا - حواریوں کی گواہی کا اپنے دعوؤں کا اپنی
کرامت ومعجزوں کا ہاں خدا تعالےٰ کا خود یحییٰ بپتسمہ دینے والے کے ہاتھ سے بپتسمہ
پاکر آپ پانی سے نکلتے ہیں - اور روح القدس کبوتر کیطرح اُنپر آتی ہے اور خدا تعالیٰ آسمان
بلند آواز سے فرماتا ہے - یہ میرا بیٹا ہے - جس سے میں خوش ہوں دیکھیے باپ بیٹا روح القدس
موجود کیونکہ یہ تینوں ایک ہیں -

خیر میں زیادہ طول دینا نہیں چاہتا دشمنوں کی گواہی بھی موجود ہے - شیطانوں کی
گواہی موجود ہے جو چلا چلا کر کہہ رہے تھے کہ تو خدا کا قدوس ہے - رومیوں کی گواہی موجود ہے
پلاطوس کی گواہی موجود ہے جناب انجیل شریف میں آپکے لئے سب گواہیاں موجود ہیں - یہودی بھی سارے بے ایمان
نہ تھے آپکے فرمانے کے مطابق حواری بھی یہودی تھے ایک ہی وعظ سے تین ہزار عیسائی ہوئے یک لخت -

اگرچہ قوم مردود ہے قوم کا ہر ایک فرد مردود نہیں اور اب بھی ہزارہا لاکھ یہودی مسیح
خداوند کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں - اور جب آپ نے مسئلہ پیش کیا کہ جب مسیح نے
پوچھا کہ مسیح کس کا بیٹا ہے اور داؤد کیوں اسکو خداوند کہتا ہے تو چپ اور لاجواب ہوگئے
کوئی جواب نہ دے سکا - صاحب من عقل کو قایل کرنا تو کچھ مشکل نہیں لیکن دل کی ضد کو دفع کرنا
اللہ کا کام ہے - پھر جناب کی تقریر تھی کہ کرامات اسلام کے ساتھ ہیں - ہمیں دیکھنے سے کوئی
گریز نہیں - ساتھ یہ بھی بتائیے - بالفرض اگر کوئی یا کئی کرامت وارد بھی ہوں تو ہم کس طرح
جانیں کہ یہ منجانب اللہ ہیں استثنا کے ۱۳ اور ۲۱ جناب نے ہی سُنائے کہ بیشک تمہارے بیچ میں

کیلئے جھوٹے نبی بھی آجائیں گے - اور کرامت پوری کریں گے - نیز مرقس کا ۱۳/۲۲ سُنئے گا -
گلیتیوں ۱/۸ سو جناب من نہ فقط کرامت کی ضرورت ہے بلکہ اسبات کی کہ ان نشانوں کو کیونکر
منجانب اللہ جانیں اور نہایت ادب سے عرض ہے کہ آپ کی کرامت سے میں دل شکستہ ہوا
آپ فرما چکے ہیں کہ کرامت اور معجزہ میں فرق ہے نہیں جانتا - کہ کیا - پھر آپ نے یہ فرمایا
کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ کس قسم کا نشان دکھلائیگا - اور پھر معلوم نہیں کہ خدا تعالے کس طور
کا نشان دکھلائے گا - جناب صاحب اس میں تحدی ماقبل معجزہ اور کرامات سے صاف گریز
ہے - حالانکہ آپ اپنے رسالہ حجتہ الاسلام کے ۱۴-۱۵-۱۶-۱۷ صفحہ میں اسبات کو تسلیم کر چکے تھے
قصہ کوتاہ میرزا صاحب کیا ہی مبارک موقعہ پیش آیا تھا - کہ آپ اپنے اس دعویٰ کو جس کی نسبت
خم ٹھوک کر کئی روز سے دعویٰ کرتے ہیں - پایۂ ثبوت تک پہنچاتے - ہزار افسوس کہ آپنے ایسے
موقعہ کو ہاتھ سے جانے دیا - اور اپنی لغو تاویلات کو لا معنی اور بات الزامی سے اس موقعہ کو
ٹال دیا - آپ کی اس پہلو تہی سے اس عاجز کی عقل ناقص میں یہ آتا ہے کہ آپ کا یہ دعوےٰ
سامان ہیں جن سے آپ اپنے مقلدوں کو خوش کرتے ہوتے ہیں - ازراہ خاوندی کے
عیسائیوں کے روبرو ان کا ذکر بھی نہ کرنا - اور ناحق زک اٹھانی پڑتی ہے - جناب من ہم
تو آپ کے علم اور روشن ضمیری کا بہت ہی سُنتے رہے ہیں - اور ہم کو آپ سے بہت امید
تھی - لیکن افسوس آپ نے وہی حجتیں اور وہی دلایل اور وہی باتیں پیش کیں
جو کہ قریب چالیس سال سے اس ملک کے بازاروں میں چکر کہا رہی ہیں -
میرزا صاحب افسوس ہے کہ ہم آپ پر کسیطرح خوش نہ ہوئے - عقلی دلیل آپنے
مانگی بندہ نے پیش کردی - نقلی جناب نے فرمائی حاضر کیگئی الہام پر آمادہ ہوئے سو
بھی منظور اس موقعہ پر مجھ کو انجیل شریف کی ایک بات یاد آتی ہے - متی کے
۱۱/ ۱۶-۱۷-۱۹ میں ہے آخر الامر آپ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اول خدا کے ابن
وحید کا رسالت لیکر دنیا میں آنا دلیل استقرائی سے مستثنٰے ہے - جیسے کہ آدم وحوا
کی پیدائش - جناب نے اسکا کیا جواب فرمایا ہیچ دوم الوہیت کے دعوے اور اثبات
بائیبل شریف سے مع مفصل آیات کے پیش کئے گئے - عقل سے امکان اور کلام الٰہی
سے وقوع ثابت کیا گیا - جناب نے کیا جواب دیا ہیچ - یوحنا کے دسویں باب پر آپ نے بارہا زور
بیجا لگایا - معقول دلیل دیکھیں تو پتہ ندارد - پرانے عہدنامہ میں سے مسیح کے

حق میں پیشگوئیاں اور نئے عہدنامہ میں ان کی تکمیل جناب کی خدمت میں پیش کیگئی جواب ہیچ - پانچ پرانے عہدنامہ کے ایسے فقروں سے جیساکہ ہم میں سے ایک کی مانند ہمتا - یہوا صدقنو وغیرہ وغیرہ الوہیت کا استدلال کیا گیا - جناب کا جواب ہیچ - بڑی پختہ دلایل سے مسیح کا کامل انسان و کامل خدا ہونا و مظہر اللہ ہونا پیش کیا گیا - جواب ہاہیچ - ساتواں وہ جو آیات جناب نے پیش کی تھیں قیامت کے روز وغیرہ کے بارے میں ان کے حق میں خوب گوش گذاری ہوئی جناب نے کوئی جواب نہ فرمایا -

آٹھواں - جناب قرآن سے کئی حوالجات دیتے ہیں - اور ان عاجزوں کیلئے وہ فضول ہیں - کیونکہ ہم اس کتاب کو مستند نہیں سمجھتے -

نہم - مرقس کی ۱۶ پر جناب نے بہت کچھ تقریر فرمائی - اور معجزوں کے حق میں ہمیں قایل کرنا چاہا -

لہذا اسکا بھی جواب ہوا - اور خوب ہی ہوا جناب نے کیا جواب دیا ہیچ -

دسواں نجات اور ذاتی الہام بے محل اور خلاف شرطوں کے تھا - اسلیئے ہم نے اسکا بہت غور نہیں کیا -

گیارہواں جناب کا صاحب کرامات ہونے کا دعویٰ نہایت ہی واضح طور پر غلط ثابت کیا گیا - جناب الزامی جواب دے کر پہلو تہی کر گئے - یہ ہفتہ گذشتہ کی کارروایاں ہیں فرمایئے ہماری کونسی دلیل توڑی گئی - ہاں یک شوشہ یک نقطہ بھر اسمیں فرق آیا - ہم جناب تو اپنی تاویلوں میں لگے رہے - اور ہماری باتوں پر آپنے توجہ نہ فرمائی - اب پھر اس مباحثہ کے پہلے حصہ کا آخری وقت ہے میں خدا کا واسطہ دیکے عرض کرتا ہوں - بروئے کلام الٰہی خدا جو اگلے زمانوں میں نبیوں کے وسیلہ بولا بالآخر اپنے بیٹے کے وسیلہ سے دین آسمانی اور راہ نجات اور گناہوں کی بخشش ہمیں عنایت کر چکا ہے - اور ہر ایک کو چاہیئے کہ تعصب کو دور کر کے خدا کی رضامندی کو اپنا شامل کرے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ بیشک المسیح ابن وحید اللہ تعالیٰ کا ہے اور کلمہ مجسم اللہ کا ہے اور آخری دن کل آدمیوں کا انصاف کرنے والا بھی ہوگا -

مباہلہ کے حق میں مختصر عرض ہے کہ لعنت دینا یا چاہنا ہمارے خدا کی تعلیم نہیں وہ اپنی کسی مخلوق سے عداوت نہیں رکھتا اور مینہہ اور روشنی اپنے رستوں اور ناراستوں

کو برا بخشتا ہے - جس مذہب میں لعنتیں جائز ہوں - ان کے پیروؤں کو اختیار ہے۔
مانیں اور مانگیں - لیکن ہم شاہ سلامتی کے فرزند ہیں - اور جیسا ہم اپنے لئے دعائے
خیر اور رحمت اور بخشش کے طالب ہیں - ویسا ہی بعوض لعنت کے ہم آپ صاحبوں کے
لئے بھی خواہاں برکت کے ہیں - کہ اللہ تعالےٰ اپنی بیحد رحمت سے صراط مستقیم
آپکو عطا کرے اپنے امن اور ایمان میں لاوے - تاکہ جب اس جہان فانی سے ملک جاودانی
کو آپ گزر کریں تو عاقبت بخیر ہووے - ایک آخری عرض ہے - جناب میرزا صاحب آپ حد سے
قدم بڑھا کر چڑھ آئے ہیں - گستاخی معاف میں دل کی صفائی سے کہتا ہوں اور بروئے
الہام نہ معلوم از کجا یافت - آپ فرماتے تھے کہ اس جنگ میں مجھے فتح ہے - عزدی فتح ہے
جناب امتیاز کر سکتے ہیں کہ صورت مذکور بالا فتح کامل کی ہے یا معاملہ دیگر گوں اور یہ جناب کی
غلطی ہے فتح اور شکست کا لحاظ ہرگز نہیں چاہیئے - برعکس اسکے یہ کہ ہاں شکست ہو
تو ہو - لیکن یا اللہ تیری راستی ظاہر کی جاوے افسوس جناب میں وہ مزاج دیکھی نہ گئی -
صاحب من علیسوی دین اُنیس سو برس سے جہان میں ہے اور ایک ایسا سندان ہے کہ اسپر
بہت ہی مار تول گھس چکے ہیں اور اخیر تک گھستے رہیں گے - کیا انیس سو برس کی بات
یہاں اور انہی دنوں میں پلٹنے والی تھی - جو لوگ دین مسیح کے مخالف ہیں ان کو دیکھ کر
مجھے ایک قصہ یونانی یاد آتا ہے کہ ایک سانپ کسی لوہار کے گھر میں جا گھسا زمین پر
ریتی پڑی تھی زہر بھرا ہوا سانپ اسکے کاٹنے لگا - ریتی نے کہا کاٹ لے جہاں تک
تیری مرضی ہے - تیرے ہی دانت گھستے ہیں - صاحب من کوششیں تو آپ نے سب
کیں پر دلیل عقلی کا مقابلہ نہ نقلی کا جواب بن پڑا - اور جس الہام و کرامت پر آپ کو ناز تھا
وہ بھی خام اور لاحاصل ٹھیرایا گیا - کوششیں بہت لیکن مباحثہ کے اس حصہ کا نتیجہ معلوم
اور ہر ایک منصف مزاج پر ظاہر - میرزائے من آپ تو بلند آواز سے فتح پکارتے رہے
لیکن یہ فتح کسی اور وہ پر شگفتہ نہ ہوئی - جناب من اس جنگ میں اور ہر جنگ میں امروز تا ابد
شان و شوکت حشمت و جلال قدرت اختیار اور فتح المسیح تا ابد خدائے مبارک کی ہے آمین

دستخط (بحروف انگریزی)
احسان اللہ قائمقام ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
ازجانب عیسائی صاحبان

دستخط (بحروف انگریزی)
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
ازجانب اہل اسلام

دوسرا حصّہ

روئیداد جلسہ

۳۰ - مئی سنہ ۱۸۹۳ء

آج پھر جلسہ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر ہنری مارٹین کلارک صاحب آج اپنے اصلی عہدہ میر مجلسی پر واپس آ گئے۔ اور مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے مباحثہ شروع کیا۔ ۶ بجے ۹ منٹ پر مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے سوال لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۴۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ میرزا صاحب نے ۶ بجے ۴۲ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۴۲ منٹ پر تمام کیا۔ میرزا صاحب کے جواب لکھانے کے عرصہ میں میر مجلس عیسائی صاحبان نے بدون میر مجلس اہل اسلام کیساتھ اتفاق کرنے کے انہیں روکنے کی کوشش کی اور اپنے کاتبوں کو حکم دیا کہ وہ مضمون لکھنا بند کر دیں مگر میر مجلس اہل اسلام کی اجازت سے میرزا صاحب برابر مضمون لکھاتے رہے اور ان کے کاتب لکھتے رہے۔ میر مجلس عیسائی صاحبان کی یہ غرض تھی کہ میرزا صاحب مضمون کو بند کر دیں اور میر مجلس عیسائی صاحبان ایک تحریک پیش کریں کیونکہ ان کی رائے میں میرزا صاحب خلاف شرط مضمون لکھاتے رہے تھے لیکن جب ان کی رائے میں میرزا صاحب شرط کے موافق مضمون لکھانے لگے تو انہوں نے اپنے کاتبوں کو مضمون لکھنے کا حکم دیدیا۔ میر مجلس صاحب اہل اسلام کی یہ رائے تھی کہ جب تک میرزا صاحب مضمون ختم نہ کرلیں کوئی امر انہیں روکنے کی غرض سے پیش نہ کیا جائے۔ کیونکہ ان کی رائے میں کوئی امر میرزا صاحب سے خلاف شرائط ظہور میں نہیں آ رہا تھا۔ چنانچہ میرزا صاحب برابر مضمون لکھاتے رہے اور اپنے وقت کے پورے ہونے پر ختم کیا۔ اور مقابلہ کیوقت عیسائی کاتبوں نے اس حصّہ مضمون کو جو وہ اپنے میر مجلس کے حکم کے بموجب چھوڑ گئے تھے۔ بموجب ارشاد اپنے میر مجلس کے پھر لکھ لیا۔ اب یہ امر پیش ہوا کہ میرزا صاحب نے جو جواب لکھایا ہے اسکے متعلق میر مجلس عیسائی صاحبان اور عیسائی جماعت کی یہ رائے ہے کہ وہ خلاف شرائط ہے۔ کیونکہ اولاً اس ہفتہ میں وقت ہے کہ

مسیحی اہل اسلام سے دین محمدی کے حق میں سوال کریں اور نہ یہ کہ محمدی صاحب مسیحیوں سے دین عیسوی کے حق میں جواب طلب کریں۔ ثانیاً فی الحال عبداللہ آتھم صاحب کی طرف سے سوال مسئلہ رحم بلا مبادلہ درپیش ہے اور میرزا صاحب جواب طلب کرتے ہیں دربارہ الوہیت مسیح کے۔ میر مجلس صاحب اسلام کی یہ رائے تھی کہ خلاف شرائط ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ عین مطابق شرائط ہے۔ اور ساتھ ہی میرزا صاحب نے بیان فرمایا کہ جواب ہرگز خلاف شرائط نہیں۔ کیونکہ سوال رحم بلا مبادلہ کی بنا الوہیت مسیح ہے اور ہم مسئلہ رحم بلا مبادلہ کا پورا رد اس حالت میں کر سکتے ہیں کہ جب پہلی اس بنا کا استیصال کیا جاوے۔ بنا کو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ بے تعلق ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ رحم بلا مبادلہ بنائے فاسد بر فاسد ہے۔ عیسائی جماعت تو میرزا صاحب کے مضمون کو خلاف شرائط قرار دینے پر زور دیتی رہی اور اسلامیہ جماعت اس مضمون کو مطابق شرائط قرار دیتی رہی۔ پادری عمادالدین صاحب کی یہ رائے تھی اور انہوں نے کھڑے ہو کر صاف لفظوں میں یہ کہدیا کہ میر مجلسوں کا منصب نہیں کہ مباحثین کو جواب دینے روکیں۔ مگر میر مجلس عیسائی صاحبان کے سوال کرنے پر انہوں نے بھی یہی کہا کہ مضمون میرزا صاحب کا خلاف شرط ہے اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے بھی کہا کہ کسیقدر خلاف شرط تو ہے تاہم درگذر کرنا چاہیئے۔ میر مجلس اہل اسلام نے کہا یہ مضمون ہرگز خلاف شرط نہیں اس لئے ہم آپکا درگذر نہیں چاہتے۔ ایک عرصہ تک اس امر پر تنازعہ ہوتا رہا۔ اسی عرصہ میں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے کہا کہ اگر میرے چیرمین صاحب مجھے میرزا صاحب کے لفظ لفظ کا جواب دینے دیں گے تو میں دوں گا ورنہ میں نہیں دیتا۔ مگر میر مجلس صاحب اہل اسلام نے ڈپٹی صاحب کو کہا کہ آپ کو جواب لکھنے کیلئے میر مجلسوں سے ہدایت لینے کی کچھ ضرورت نہیں۔ آپ کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہیں۔ جواب دیں۔ لیکن میر مجلس عیسائی صاحبان نے ڈپٹی صاحب کو روکا اور کہا میں اجازت نہیں دیتا۔ اگر آپ ایسا کریں گے۔ تو میں میر مجلسی سے استعفاء دیدونگا۔ کیونکہ یہ خلاف شرط ہے۔ پھر تھوڑی دیر کیلئے تنازعہ ہوتا رہا اور آخر کار یہ قرار پایا کہ آئندہ کیلئے مباحثین میں سے کسیکو جواب دینے سے روکا نہ جاوے انہیں اختیار ہے کہ جیسا چاہیں جواب دیں۔ بعد ازاں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۸ بجے ۵۳ منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا اور ۹ بجے ۵۰ منٹ پر ختم کیا۔ اور مقابلہ کر کے بلند آواز سے سُنایا گیا۔ بعد ازاں تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط کیئے گئے۔ اور چونکہ میرزا صاحب کے جواب

کے لئے پُورا وقت باقی نہ تھا - اس لئے جلسہ برخاست ہوا - فقط -

دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان + دستخط بحروف انگریزی غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

۳۰ مئی ۱۸۹۳ء

سوال ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

سوال ڈپٹی عبداللہ صاحب آتھم - رحم بلا مبادلہ کے متعلق

میرا پہلا سوال رحم بلا مبادلہ پر ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ رحم ہو اور تقاضا عدل کا لحاظ نہ ہو سکے لئے پہلا سوال یہ ہے کہ کیا صفات عدل و صداقت کی غیر مقید الظہور بھی ہو سکتی ہیں یعنے ان پر یہ قید نہ رہے کہ وہ ظہور نہ کریں جیسا کہ عدل ہوا یا نہ ہوا - صداقت ہوئی یا نہ ہوئی - اعتراض اسمیں یہ ہے کہ اگر ایسا ہووے تو محافظ قدوسی آلہی کا کون ہو سکتا ہے اور رحم اور خوبی مقید الظہور بھی کیا ہو سکتے ہیں اور اسمیں اعتراض یہ ہے کہ اگر ہو سکتے ہیں تو کیا وہ قرضہ دادنی کی صورت نہ پکڑیں گے -

دوسرا سوال یہ ہے کہ ہر چہ گناہ جب تک باقی رہے تو صورت رہائی گناہگار کی کونسی ہے - اب جبکہ قرآن میں تین راہ نجات رکھے ہیں - یعنی ایک یہ کہ گناہ کبائرسے اگر بچوگے تو صغائر رحم سے معاف ہو جاویں گے - دوسرے یہ کہ اگر وزن افعال شنیعہ کا اعمال حسنہ پر نہ بڑھے گا تو رحم کے مستحق ہو جاؤگے - تیسرے یہ کہ رحم کے مقابلہ میں عدل اپنے تقاضا سے دست بردار ہو جاتا ہے - یعنے رحم غالب آتا ہے - عدل کے اوپر - دو صورتیں اولین میں یہ اصول ڈالا گیا ہے کہ ادائے جز کا واسطے کل کے حاوی ہے - تیسرے اصول میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ عدل مقید الظہور نہیں بلکہ رحم مقید الظہور ہے ان دونوں اصولوں میں جو اوپر بیان ہوئے بداہت کے برخلاف کچھ اسمیں بیان ہے یا نہیں کیونکہ مبادلہ اصل کا کچھ نہ ہوا اور یہ رحم بلا مبادلہ ہے جس نے دو صفات الٰہی کو ناقص کر دیا - یعنے عدالت اور صداقت کو - اسکے جواب کا انتظار ہم جناب کی طرف سے کرتے ہیں اور یہ جواب اسکا ہونا چاہئے کہ یہ دونوں اصول صداقتیں بالبداہت ہیں یا نہیں سوائے کہ صداقتیں ہیں یا نہیں لیکن ہر صدا ادا ہو جاتا ہے اور صفات وہ قائم رہتی ہیں اور میرا اعتراض کرنا اسبارہ میں اور کچھ ضرور نہیں -

میں امید کرتا ہوں کہ جیسے میرے یہ مختصر سوال ہیں ویسا ہی مختصر جواب ہونا چاہئے -

دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان } { دستخط بحروف انگریزی - غلام قادر فصیح - پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام -

۳۰۔ مئی

بیان حضرت میرزا صاحب

۱۸۹۳ء

بیان حضرت میرزا صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈپٹی صاحب نے زحم طلبا مباحلہ کا جو سوال کیا ہے حقیقت میں اسکی بنیاد حضرت مسیح کی الوہیت ماننے پر رکھی گئی ہے اسلئے صفائی بیان کیلئے بہت ضروری ہے کہ پہلے برعایت اختصار اسکے کچھ ذکر کیا جائے۔ کیونکہ اگر حضرت مسیحؑ کی الوہیت ثابت ہو جائے تو پھر اس لمبے جھگڑے کی کچھ ضرورت نہیں اور اگر دلایل قطعیہ سے صرف انسان ہونا انکا ثابت ہو اور الوہیت کا بطلان ہو تو پھر جب تک ڈپٹی صاحب موصوف الوہیت کو ثابت نہ کریں تب تک داب مناظرہ سے بعید ہوگا کہ اور طرف رُخ کرسکیں۔ ڈپٹی صاحب موصوف اپنے بیانات سابقہ میں حضرت مسیحؑ کی الوہیت ثابت کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ اور انسانوں کی تو ایک روح ہوتی ہے۔ مگر حضرت مسیحؑ کی دو روحین ہیں۔ ایک انسان کی اور ایک خدا تعالیٰ کی اور گویا حضرت مسیح کے جسم کی دو روحیں مدبر تھیں۔ مگر یہ امر سمجھ میں نہیں آسکتا کہ ایک جسم کے متعلق دو روحیں کیونکر ہو سکتی ہیں اور اگر صرف خدا تعالیٰ کی روح تھی تو پھر حضرت مسیحؑ انسان بلکہ انسان کامل کن معنوں سے کہلاسکتے ہیں کیا صرف جسم کے لحاظ سے انسان کہلاتے ہیں۔ اور میں بیان کرچکا ہوں کہ جسم تو معرض تحلل میں ہے چند سال میں اور ہی جسم ہو جاتا ہے۔ اور کوئی دانشمند جسم کے لحاظ سے کسی کو انسان نہیں کہہ سکتا۔ جب تک روح انسانی اسمیں داخل نہ ہو۔ پھر اگر حضرت مسیح درحقیقت روح انسانی رکھتے تھے اور وہی روح مدبر جسم تھی اور وہی رُوح مصلوب ہونیکے وقت بھی مصلوبی کے وقت ایلی ایلی لما سبقتنی کہکر حضرت مسیح نے جان دی تو پھر روح خدائی کس حساب و شمار میں آئی یہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتا۔ اور نہ کوئی عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ اگر درحقیقت روح کے لحاظ سے بھی حضرت مسیح انسان تھے تو پھر خدا نہ ہوتے اور اگر روح کے لحاظ سے خدا تھے تو پھر انسان نہ ہوئے۔ ماسوا اس کے حضرات عیسائی صاحبان کا یہ عقیدہ ہے کہ باپ بھی کامل اور بیٹا بھی کامل روح القدس بھی کامل۔ اب جب تینوں کامل ہوئے تو ان تینوں کے ملنے سے اکمل ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مثلاً جب تین چیزیں تین تین سیر فرض کی جائیں تو وہ سب ملکر ۹ سیر ہونگی یہ اعتراض کا جواب ڈپٹی صاحب سے پہلے بھی مانگا گیا تھا مگر افسوس کہ اب تک نہیں دیا اور ظاہر ہے کہ یہ ایک سخت اعتراض ہے جس سے قطعی طور پر حضرت مسیحؑ کی الوہیت کا بطلان ہوتا ہے۔ انہی اعتراضات کو قرآن شریف نے پیش

ڈپٹی صاحب کا بیان کہ مسیح کے جسم کیساتھ دو روحوں کا تعلق تھا سمجھ سے بعید ہے۔

کیا ہے اور اسی بنا پر مینے یہ شرط کی تھی کہ حضرت مسیحؑ کی الوہیت پر کوئی عقلی دلیل پیش ہونی چاہیئے۔ مگر افسوس کہ اس شرط کا کچھ بھی لحاظ نہ ہؤا اور یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ آپنے جسقدر پیشگوئیاں حضرت مسیحؑ کی الوہیت ثابت کرنے کے لئے پیش کی ہیں وہ دعاوی ہیں دلائل نہیں ہیں اول تو ایک نامعقول امر جب تک معقول کر کے نہ دکھلایا جاوے منقولی حوالجات سے کچھ بھی فایدہ نہیں اٹھا سکتا۔ مثلاً ایک گدہا جو ہماری نظر کے سامنے کھڑا ہے اگر ہزار کتاب پیش کی جائے کہ انہوں نے اس کو انسان لکھدیا ہے تو وہ کیونکر انسان بنجائے گا۔ ماسوا اس کے وہ منقولی حوالجات بھی نرے نکمے ہیں جن کی کتابوں سے لئے جاتے ہیں وہ انکو مانتے نہیں اور گھر میں خود پھوٹ پڑی ہوئی ہے اور حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ یہودی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں ان کی باتوں کو مانو۔

ایک نامعقول امر کو جب تک معقول کر کے نہ دکھلایا جائے محض نقلی پیشگوئی سے کام نہیں چلتا

افسوس ہے کہ ان کے معنے قبول نہیں کئے جاتے اور عذر کیا جاتا ہے کہ یہودی فاسق بدکار ہیں حالانکہ انجیل حکم دیتی ہے کہ ان کی باتوں کو اور اُن کے معنوں کو اول درجہ پر رکھو۔ اور ہمیں تحکم کے طور پر کہا جاتا ہے کہ کتابیں موجود ہیں۔ کتابوں کو پڑھو لیکن انصاف کرنے کا محل ہے کہ ہر ایک صداقت کو ہر ایک پہلو سے دیکھا جاتا ہے۔ ہم یہودیوں کے اقوال کو بھی دیکھیں گے آپ کے اندرونی اختلافات پر بھی نظر ڈالیں گے۔ اور اگر آپ کا یہ شوق ہے کہ کتابیں دیکھی جاویں وہ بھی دیکھی جاویں گی۔ مگر اس صورت میں کہ یہودیوں کے معنے بھی جو وہ کرتے ہیں سُنے جائیں اور آپ کے معنے بھی سُنیں جائیں اور ان کے لغات بھی دیکھے جائیں اور آپ کی لغات بھی دیکھی جائیں۔ پھر جو اولے وانسب ہے اُسکو اختیار کیا جائے۔ اور یہودیوں سے مُراد وہی یہودی ہیں جو حضرت مسیح سے پہلے صدہا برس گذرچکے ہیں۔ غرض ہر ایک پہلو کو دیکھنا طالب حق کا منصب ہوتا ہے۔ نہ کہ ایک پہلو کو۔ اور ماسوا اسکے رحم بلا مبادلہ کا جو سوال کیا جاتا ہے اسکا ایک پہلو تو ابھی میں بیان کرچکا ہوں۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے قانون قدرت کو دیکھا جائیگا۔ کہ آیا رحم اور قہر کے نفاذ میں اسکی عادت کیوں کر ظاہر ہے کہ رحم کے مقابل پر قہر ہے۔ اگر رحم بلا مبادلہ جائز نہیں تو پھر قہر بلا مبادلہ بھی جائز نہ ہوگا۔ اب ایک نہایت مشکل اعتراض پیش آتا ہے اگر ڈپٹی صاحب اسکو حل کردیں گے تو ڈپٹی صاحب کی اس فلاسفی سے حاضرین کو بہت فایدہ ہوگا۔ اور قہر بلا مبادلہ کی صورت یہ ہے کہ ہم اُسے دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہزارہا کیڑے

بائبل کی صداقتوں کو پرکھنے کے لئے یہودیوں کے معنوں پر بھی غور کرنی ضروری ہے۔

مکوڑے اور ہزارہا حیوانات بغیر کسی جرم اور بغیر ثبوت کسی خطا کے قتل کیئے جاتے ہیں ہلاک کیئے جاتے ہیں ذبح کیئے جاتے ہیں یہان تک کہ ایک قطرہ پانی میں صدہا کیڑے ہم پی جاتے ہیں۔ اگر غور کرکے دیکھا جائے تو ہمارے تمام امُور معاشرت خدا تعالےٰ کے قہر بلا مبادلہ پر چل رہے ہیں یہاں تک کہ جو ریشم کے کیڑے بھی اِنسان استعمال کرتا ہے۔ اسمیں اندازہ کرلینا چاہیئے۔ کہ کس قدر جانیں تلف ہوتی ہیں۔ اور حضرات عیسائی صاحبان جو ہر روز اچھے اچھے جانورں کا عمدہ گوشت تناول فرماتے ہیں۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں لگتا کہ یہ کس گناہ کے عوض میں ہو رہا ہے۔ اَب جبکہ یہ ثابت شدہ صداقت ہے کہ اللہ جل شانہٗ بلا مبادلہ قہر کرتا ہے اور اسکا کچھ عوض ملتا ہمیں معلوم نہیں ہوتا تو پھر اس صوُرت میں بلا مبادلہ رحم کرنا اخلاقی حالت سے انسب اور اولےٰ ہے۔ حضرت مسیح ؑ بھی گناہ بخشنے کے لیئے وصیت فرماتے ہیں۔ کہ تم اپنے گناہگار کی خطا بخشو۔ ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ جل شانہٗ کی صفات کے برخلاف ہے کہ کسی کا گناہ بخش جائے تو انسان کو ایسی تعلیم کیوں ملتی ہے۔ بلکہ حضرت مسیح ؑ تو فرماتے ہیں کہ میں تجھے سات مرتبہ تک نہیں کہتا بلکہ ستر کے سات مرتبہ تک یعنی اس اندازہ تک کے گناہوں کو بخشتا چلا جا۔

رحم بلا بدل اگر جایز نہیں تو قہر بلا بدل کیوں ہوتاہے جو ہم ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں۔

اَب دیکھیئے کہ جب اِنسان کو یہ تعلیم دیجاتی ہے کہ گویا تو بے انتہا مراتب تک اپنے گناہگاروں کو بلا عوض بخشتا چلا جا۔ اور خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ بلا عوض ہرگز نہ بخشونگا تو پھر یہ تعلیم کیسی ہوئی۔ حضرت مسیح نے تو ایک جگہ فرمادیا ہے کہ تم خدا تعالےٰ کے اخلاق کے موافق اپنے اخلاق کرو۔ کیوں کہ وہ بدوں اوُر نیکوں پر اپنا سوُرج چاند چڑھاتا ہے اور ہر ایک خطاکار اور بے خطا کو اپنی رحمتوں کی بارشوں سے متمتع کرتا ہے۔ پھر جب کہ یہ حال ہے تو کیوں کر ممکن تہا کہ حضرت مسیح ؑ ایسی تعلیم فرماتے۔ جو اخلاق الٰہی کے مخالف ٹھہرتی ہے۔ یعنے اگر خدا تعالےٰ کا یہی خلق ہے کہ جب تک سزا نہ دی جائے۔ کوئی صورت رہائی کی نہیں۔ تو پھر معافی کے لیئے دوسروں کو کیوں نصیحت کرتا ہے۔ ماسوا اسکے جب ہم نظرِ غور سے دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ نیکوں کی شفاعت سے بدوں کے گناہ بخشے گئے ہیں۔ دیکھو گنتی باب $\frac{14}{19}$ ایسا ہی گنتی $\frac{12}{13}$ استثنا $\frac{9}{19}$ خروج باب $\frac{32}{14}$ پھر ماسوا اسکے

اِنسان کو یہ تعلیم کہ ہزارہا گناہ بلا عوض تو بخش اور خود بلا عوض بخشش نہ کرنا تعجب کی بات ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ آپ نے جو گناہ کی تقسیم کی ہے وہ تین قسم معلوم ہوتی ہے۔ فطرتی۔ حق اللہ حق العباد تو پھر آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ حق العباد کے تلف ہونے کا کیا سبب ہوسکتا ہے اور

عیسائیوں کے نزدیک گناہ کی تقسیم اور اُسپر اعتراض

نیز یہ بھی آپ کو دیکھنا چاہیئے کہ فطرتی گناہ آپ کے اس قاعدہ کو توڑ رہا ہے آپ کی توریت کے رو سے بہت سے مقامات ایسے ثابت ہوتے ہیں جس سے آپ کا مسئلہ رحم بلا مبادلہ باطل ٹھہرتا ہے۔ پھر اگر آپ توریت کو حق اور منجانب اللہ مانتے ہیں تو حضرت موسےٰ کی وہ شفاعتیں جن کے ذریعہ سے بہت مرتبہ بڑے بڑے گناہگاروں کے گناہ بخشے گئے نکمی اور بیکار ٹھہرتی ہیں۔ اور آپ کو معلوم رہے کہ قرآن شریف نے اس مسئلہ میں وہ انسب طریق اختیار کیا ہے۔ جو کسی کا اسپر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ یعنے حقوق دو قسم کے ٹھہرائے ہیں ایک حق اللہ اور ایک حق العباد۔ حق العباد میں یہ شرائط لازمی ٹھہرائی گئی ہے۔ کہ جب تک مظلوم اپنے حق کو نہیں پا یا حق کو نہیں چھوڑتا اسوقت تک وہ حق قایم رہتا ہے اور حق اللہ میں یہ بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ جس طرح پر کسی نے شوخی اور بیباکی کر کے معصیت کا طریق اختیار کیا ہے اسیطرح جب وہ پھر توبہ و استغفار کرتا ہے اور اپنے سچے خلوص کے ساتھ فرمانبرداروں کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور ہر ایک طور کا درد اور دکھ اٹھانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ تو خدا تعالےٰ اسکے گناہ کو اس کے اس اخلاص کی وجہ سے بخشدیتا ہے کہ جیسا کہ اس نے نفسانی لذات کے حاصل کرنے کے لئے گناہ کیطرف قدم اٹھایا تھا۔ اب ایسا ہی اس نے گناہ کے ترک کرنے میں طرح طرح کے دکھوں کو اپنے سر پر لے لیا ہے۔ پس یہ صورت معاوضہ ہے جو اس نے اپنے پر اطاعت الٰہی میں دکھوں کو قبول کر لیا ہے اور اسکو ہم رحم بلا مبادلہ ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ کیا انسان نے کچھ بھی کام نہیں کیا یونہی رحم ہو گیا۔ اس نے تو سچی توبہ سے ایک کامل قربانی کو ادا کر دیا ہے اور ہر طرح کے دکھوں کو یہاں تک کہ مرنے کو بھی اپنے نفس پر گوارا کر لیا ہے اور جو سزا دوسرے طور پر اسکو ملنی تھی وہ سزا اس نے آپ ہی اپنے نفس پر وارد کر لی ہے تو پھر اسکو رحم بلا مبادلہ کہنا اگر سخت غلطی نہیں تو اور کیا ہے۔ مگر وہ رحم بلا مبادلہ جس کو ڈپٹی صاحب پیش کرتے ہیں کہ گناہ کوئی کرے اور سزا کوئی پاوے۔ حزقیل باب ۱۸ آیت ۱۔ پھر حزقیل ۱۰/۲۰ ۔ پھر سموئیل ۲/۳ مکاشفات ۲۰/۱۲ ۔ حزقیل ۱۹-۲۷/۳۰ یہ تو ایک نہایت مکروہ ظلم کی قسم ہے اس سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی ظلم نہیں ہو گا۔ سوائے اس کے کیا خدا تعالےٰ نے تو طریق معافی گناہوں کا صدہا برس سوچ سوچ کر پیچھے سے یاد آیا۔ ظاہر ہے کہ انتظام الٰہی جو انسان کی فطرت سے متعلق ہے وہ پہلے ہی ہونا چاہیئے۔ جب سے انسان

قرآن کریم نے جو طریقہ تقسیم گناہ میں اختیار کیا ہے اسپر کوئی اعتراض نہیں۔

رحم بلا بدل کا طریق جس کو عیسائی پیش کرتے ہیں ظلم ہے۔

دنیا میں آیا گناہ کی بنیاد اُسی وقت سے پڑی - پھر یہ کیا ہو گیا - کہ گناہ تو اسی وقت زہر پھیلانے لگا - مگر خدا تعالےٰ کو چار ہزار برس گذرنے کے بعد گناہ کا علاج یاد آیا - نہیں صاحب یہ سراسر بناوٹ ہے - اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے جیسے ابتدا سے انسان کی فطرت میں ایک ملکہ گناہ کرنے کا رکھا - ایسا ہی گناہ کا علاج بھی اسی طرز سے اسکی فطرت میں رکھا گیا ہے - جیسے کہ وہ خود فرماتا ہے بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون پ (۱) - ر (۱۲)

گناہ دنیا کی بنیاد کے وقت سے اور علاج چار ہزار برس کے بعد خدا کو سوجھا -

یعنے جو شخص اپنے تمام وجود کو خدا تعالےٰ کی راہ میں سونپ دیوے اور پھر اپنے تئیں نیک کاموں میں لگا دیوے تو اُسکو ان کا اجر اللہ تعالےٰ سے ملیگا - اور ایسے لوگ بیخوف اور بےغم ہیں - اب دیکھئے کہ یہ قاعدہ کہ توبہ کرکے خدا تعالےٰ کیطرف رجوع کرنا اور اپنی زندگی کو اس کی راہ میں وقف کر دینا یہ گناہ کے بخشے جانے کے لئے ایک ایسا صراط مستقیم ہے کہ کسی خاص زمانہ تک محدود نہیں - جب سے انسان اس مسافر خانہ میں آیا - تب سے اس قانون کو اپنے ساتھ لایا - جیسے اسکی فطرت میں ایک شق یہ موجود ہے کہ گناہ کی طرف رغبت کرتا ہے - ایسا ہی یہ دوسرا شق بھی موجود ہے کہ گناہ سے نادم ہو کر اپنے اللہ کی راہ میں مرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے - زہر بھی اسی میں ہے - اور تریاق بھی اسی میں ہے - یہ نہیں کہ زہر اندر سے نکلے اور تریاق جنگلوں سے تلاش کرتے پھریں - ماسوا اسکے میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ سچ ہے کہ حضرت مسیح ؑ کے کفارہ پر ایمان لاکر کوئی شخص خاص طور کی تبدیلی پا لیتا ہے - تو اُسکا کوئی ثبوت نہیں دیا گیا - میں نے بارہا اس بات کو پیش کیا - اور اب بھی کرتا ہوں کہ وہ خاص تبدیلی اور وہ خاص پاکیزگی اور وہ خاص نجات اور وہ خاص ایمان اور وہ خاص لقا الٰہی صرف اسلام ہی کے ذریعہ سے ملتا ہے اور ایمانداری کی علامات اسلام لانے کے بعد ظاہر ہوتی ہیں - اگر یہ کفارہ صحیح ہے اور کفارہ کے ذریعہ سے آپ صاحبان کو نجات مل گئی ہے اور حقیقی ایمان حاصل ہو گیا ہے - تو پھر اس حقیقی ایمان کی علامات جو حضرت مسیح آپ لکھ گئے ہیں - کیوں آپ لوگوں میں پائی نہیں جاتیں اور یہ کہنا کہ وہ آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہیں ایک فضول بات ہے - اگر آپ ایماندار کہلاتے ہیں - تو ایمانداروں کی علامات جو آپ کے لئے مقرر کیگئی ہیں - آپ لوگوں میں ضرور پائی جانی چاہئیں - کیونکہ حضرت مسیح ؑ کا فرمودہ باطل نہیں ہو سکتا - مگر آپ

گناہ کے بخشے جانے کا طریق جو اسلام پیش کرتا ہے ایک صراط مستقیم فطرت کے موافق ہے

اگر کفارہ سے نجات ملتی ہے تو اسکی علامات پیش کرو -

غور سے دیکھیں کہ وہ علامات دین اسلام میں ایسے نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں کہ آپ اُنکے مقابلہ پر دم بھی تو نہیں مار سکتے میں نے انہیں کے لئے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ کہ آپ اگر بالمقابل کھڑے نہیں ہو سکتے تو ان علامتوں کو قرآن شریف کی تعلیم کے لحاظ پر کھو اور آزماؤ پھر اگر وہ واقعی سچی نکلیں تو راستبازوں کیطرح ان کو قبول کرو۔ مگر آپ نے بجز ہنسی اور ٹھٹھہ کے اور کیا جواب دیا۔ نبین لولے۔ لنگڑے وغیرہ میرے سامنے کھڑے کر دیئے کہ ان کو چنگے کرو۔ حالانکہ اُنکا چنگا کرنا عیسائی ایمان کی علامتوں میں سے ہے۔ ہمارے لئے تو وہ علامتیں ہیں جو قرآن شریف میں آچکی ہیں۔ اور ہمیں کہیں نہیں کہا گیا کہ تم اپنے اقتدار سے علامتیں دکھا سکتے ہو۔ بلکہ یہی کہا گیا۔ کہ خدا تعالےٰ سے درخواست کرو۔ پھر جس طرح کا نشان چاہے گا دکھلائے گا۔ تو کیا آپ کی یہ بے انصافی نہیں۔ کہ آپ نے مجھ سے وہ مطالبہ کیا جو آپ سے ہونا چاہیئے تھا۔ اور پھر اُسکا نام فتح رکھ لیا۔ میں تو اب بھی حاضر ہوں اُن شرائط کے مطابق جو ہماری کتاب ہم پر فرض کرتی ہے۔ اور نیز آپ ان شرائط کے مطابق جو آپ کی کتاب آپ پر فرض کرتی ہے۔ میرے نشانوں میں مقابلہ کیجئے پھر حق اور باطل خود بخود کھل جائے گا۔ پر ہنسی اور ٹھٹھا کرنا راستبازوں کا کام نہیں ہوتا ہے۔ میرے پر اسی قدر فرض ہے جو قرآن کریم میرے پر فرض کرتا ہے اور آپ پر وہ فرض ہے جو انجیل آپ پر فرض کرتی ہے۔ رائی کے دانہ کا مقولہ آپ بار بار پڑھیں اور پھر آپ ہی انصاف کریں۔ اور یہ رحم بلا مبادلہ کا سوال جو مجھ سے کیا گیا ہے اسکے جواب کا اور بھی حصہ باقی ہے جو پھر میں آپ کے جواب پانے کے بعد بیان کروں گا۔ مگر آپ پر لازم ہے کہ اول اس سوال کو انجیل سے بموجب شرط قرار یافتہ کے ثابت کر کے مدلل طور پر پیش کریں۔ کیونکہ جو بات انجیل میں نہیں وہ آپکی طرف سے پیش ہونیکے لایق نہیں۔ میرے خیال میں اس سوال کو رد کرنیکے لئے انجیل ہی کافی ہے اور حضرت مسیح کے اقوال اُسکے استیصال [illegible] کرتے ہیں۔ آپ براہ مہربانی اس التزام سے جواب الجواب دیں کہ لکھتے وقت انجیل کا حوالہ ساتھ ہو تاکہ ناظرین کو پتہ لگے کہ انجیل کیا کہتی ہے۔ اور اس سوال کا ذریعہ انجیل بنتی ہے یا دست بردار ہے۔

اسلام کی نشانیوں کے مقابلہ پر آپ دم ہی نہیں مار سکتے۔

رحم بلا مبادلہ کا سوال انجیل پیش کرتی ہے

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

جواب ڈپٹی عبداللہ صاحب آتھم

۳۰- مئی سنہ ۱۸۹۳ء

از طرف ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۳۰- مئی سنہ ۱۸۹۳ء

میں آپ کی طرز جواب پر کچھ اعتراض کرتا ہوں۔

یہ جواب فرماتے ہیں کہ رحم بلا مبادلہ کا مقدمہ سر بسر ثبوت الوہیت مسیح کے اوپر مدار رکھتا ہے جس کو تم نے ثابت نہیں کیا۔ میری طرف سے عرض ہے کیا ثبوت آپ مجھ سے طلب فرماتے ہیں۔ میں تو عرض کر چکا ہوں کہ ہم تو اس مسیح کو جو مخلوق اور مرئی ہے اللہ نہیں کہتے مگر مظہر اللہ کہتے ہیں اور اس بارہ میں دو امر کا ثبوت چاہیئے یعنے ایک امکان کو دوسرا وقوعہ کا اور کہ امکان ہم دلایل عقلی سے ہم ثابت کرتے ہیں اور وقوعہ اسکا کلام الٰہی سے۔ پھر اور کیا آپ چاہتے ہیں وہ ہم پر ظاہر ہونا چاہیئے امکان پر ہم نے یہ عرض کیا تھا کہ کیا خدا قادر نہیں کہ اس ستون میں سے جو مٹی و اینٹوں کا بنا ہے جواب دیوے۔ کیا چیز مانع اسکے ایسے کرنے کا اسمیں ہو سکتی ہے۔ یعنی کون صفت الٰہی اس میں کٹتی ہے۔ اسکا دکھلانا جناب کے ذمہ تھا۔ جواب تک ادا نہیں ہوا۔ جیسا مینے ستون کی مثال دی۔ ویسا ہی مخلوق میں سے بھی ظہور اُس کا ہونا ممکن ہے۔ اور وہ جو بابت وقوعہ کے ہے اُسکے واسطے ہم نے کلام کی آیات دی ہیں۔ اگر آپ کو اس کتاب سے انکار ہے کہ یہ الہامی نہیں تو یہ دیگر بات ہے اور اگر ہم نے صحیح حوالہ نہیں دیا تو اسکا مواخذہ ہم سے فرمائیے مگر کلام کو بھی تسلیم کرنا کہ یہ الہامی ہے اور حوالوں کو صرف اتنا ہی فرما کر گرا دینا کہ کچھ نہیں یہ درست نہیں۔

دوم- وہ جو جناب نے استفسار کیا ہے کہ وجود مسیح میں آیا دو روحین تھیں یا ایک اور ایک وجود میں دو روحیں کس طرح سے رہتی ہیں۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ مخلوق کامل مسیح میں ایک روح کامل تھی۔ لیکن خدا تعالیٰ اپنی ہستی سے بجہت اسکے بیحد ہے ہر جگہ اندر و باہر موجود ہے اور مظہر اللہ ہونیکے معنی یہ ہیں کہ اپنا ظہور خاص کسی جگہ سے کسیطرح سے کرے تو اسمیں دوسری روح کے مقید ہونے کی جسم مسیح میں کونسی ایما ہے اور خالی خدا ہونے پر کونسی ایما ہے۔ یہ تو معقولی مسئلہ ہے محتاج کتاب کا نہیں اسمیں آپ کس لئے اٹکتے ہیں۔

سوم - وہ جو جناب لطیف ضدی کے بارہ میں کشش وزن کی فرماتے ہیں
تو اس کشش سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسکو جناب کثیف ٹھہراتے ہیں اور ہم ہرگز نہیں مانتے
کہ خداتعالےٰ کی ذات کثیف ہے لہذا اسمیں وزن کیوں کر ہو - کیونکہ وزن نام کشش
کا ہے اور کشش متعلق کثافت کے ہے - آپ ہمارے مسئلہ کثرت فی الوحدت کو سمجھے
نہیں - کیونکہ ہم ماہیت کو تقسیم نہیں کرتے گو اقانیم کو مخلوط یکدیگر بھی نہیں کرتے مثال
ہماری کثرت فی الوحدت کی یہ ہے کہ جیسے صفت نظری کی بیجدی سے نکلتی ہے
اور نکلنا اسکا زمان و مکان کا کچھ فرق نہیں کرتا - بلکہ ایک صورت میں وہ ہردو ایک
ہی رہتے ہیں اور دوسری صورت میں بہت ہوتی ایسا ہی تین اقانیم میں اقنوم اولے
قایم فی نفسہ ہے اور دو اقانیم مابعد کے اُس ایک کے لازم و ملزم ہیں - آپ تین اقانیم
کا وزن تین جگہ کس طرح تقسیم فرماتے ہیں - لطیف ضدی کے ساتھ وزن کا علاقہ کیا ہے
لطیف ضدی ہم اسکو کہتے ہیں جو عین ضد کثافت پر ہو نہ اسکو جو نسبت ایک کی
دوسرا لطیف ہو - جیسے مٹی کی نسبت پانی اور پانی کی نسبت ہوا اور ہوا کی نسبت آگ
یہ ساری لطیف نسبتی ہیں اور فے الواقع کثیف ہی رہتے ہیں -

کلام الٰہی کے بیان کو آپ صرف دعویٰ فرماتے ہیں اور اسکے ثبوت کیواسطے
دلیل اور طلب کرتے ہیں - تو اس سے یہ مراد آپ کی معلوم ہوتی ہے کہ آپ بابت عقیدہ
کلام الٰہی کے یا تو متذبذب ہیں یا مطلقاً یقین نہیں رکھتے - یہ امر طے ہولے تو
ہم اسکا بھی جواب دیں گے -

چہارم - وہ رحم جو بلا مبادلہ کی دلیل پر جو جناب نے فرمایا ہے کہ عادت اللہ
یہی ہے کہ جیسا رحم بلا مبادلہ فرماتا ہے ویسا ہی قہر بھی بلا مبادلہ فرماتا ہے - چنانچہ وہ
جانور معصوم ہو کر مارے جاتے ہیں کوئی کسی کی معیشت کے واسطے اور کوئی اور طرح
پر - جواب ساری شکایت اس امر میں دُکھ کے اوپر ہے - اور دُکھ ہماری نظر میں تین قسم
کے ہیں - یعنے ایک وہ جو سزائیہ ہے دوسرا وہ جو مصقل سُکھ کا ہے - تیسرا وہ جو سامان
امتحان کا ہے تو جب آپ حیوانوں کے دُکھ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں - یہ قہر بلا مبادلہ
یا بلا وجہ ہے خیال فرمایئے کہ آپ کس قدر غلط ہیں - جو تین اقسام کو ایک ایک قسم
سزا میں ڈال دیتے ہیں اور ماسوا اس کے جو آپ فرماتے ہیں کہ قہر بھی بلا وجہ ہوسکتا ہے

اور رحم بھی بلاوجہ - تو خدائے مقدس کی خدائی یہ نہ ہوئی بلکہ دہریت کی اندھیر گردی ہوئی۔

پنجم - خداوند مسیح نے ضرور کہا ہے کہ تم گناہوں کو معاف ہی کرتے رہو جو تمہارے برخلاف کریں اور انتقام نہ لو۔ لیکن کلام انجیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ تم انتقام نہ لو کیوں کہ خداوند فرماتا ہے کہ انتقام لینا میرا کام ہے۔

اور چونکہ گناہوں کی اقسام گو کتنی ہی بیان ہوں - مگر در اصل گناہ صرف خدا کے برخلاف ہوتا ہے اور وہ فرماتا ہے کہ تم انتقام نہ لو اور ضرورت ہوگی تو میں انتقام لوں گا - تو بھی اسمیں تعلیم کفارہ کے برخلاف کیا ہوا جس کا گناہ کیا گیا۔ اسی نے ہر ایک کو منتقم اور جج اسکا نہیں بنایا۔

ششم - دنیاوی عدالت نہ حقیقی عدالت کا نام ہے بلکہ محض ظلمت کا نام - کیونکہ ہرجہ کو واپس نہیں لاتی - مگر جرائم کو روبہ تنزل کرتی ہے اور نہ دنیاوی شفاعت شفاعت کا نام ہے - بلکہ ایک مہلت طلبی کا نام ہے - کیونکہ خداوند کو اختیار ہے کہ گناہگار کو اسکے گناہوں میں یہاں ہی کاٹ ڈالے - لیکن اپنے محبوبوں کی درخواست پر وہ مہلت توبہ کی بخش سکتا ہے جو شفیع منصبی نہیں ہیں ان کا جواب ہم ادا کر چکے ہیں مگر بموجب اذن خدا کے مہلت بخشوانے کی شفاعت ہو سکتی ہے کہ مہلت بخشی جاوے کہ توبہ کرے۔ فالحض ہمارے نزدیک دو ہی قسم کے اقسام ماتحت میں ہیں لیکن اصل میں ایک ہی قسم ہے جیسا کہ داؤد نبی فرماتا ہے کہ میں نے تیرا ہی گناہ کیا - پس حق العباد کا گناہ تو اسمیں آگیا - لیکن فطرتی گناہ شاید آپ موروثی گناہ کو فرماتے ہیں - لیکن گناہ موروثی کے بارہ میں ہماری غرض یہ ہے کہ آدم کے گناہ میں گرنے کے باعث آدم زاد کا امتحان سخت تر ہوگیا کہ جس میں تکالیف پیدا ہوئیں اور موت ڈراونی ٹھہر گئی - ان معنوں کرکے اس کو آدم کا گناہ کہا جاتا ہے - ورنہ جیسا آپ نے حزقیل نبی کا حوالہ دیا وہی صحیح ہے کہ جو روح گناہ کرے گی وہی مرے گی - باپ دادوں کے انگور کھٹے کھاتے ہوئے اولاد کے دانت کھٹے نہیں کریں گے۔

ہفتم - جس منصوبہ کو جناب نے وہ فرماتے ہیں - کہ گناہ کوئی کرے اور سزا کوئی بھرے اسکا جواب یہ ہے کیا دنیا میں ایک شخص کا قرضہ دوسرا اپنی دولت سے ادا نہیں کرسکتا - ہاں ایک گناہگار دوسرے کے گناہ نہیں اٹھا سکتا - کیونکہ وہ اپنے ہی گناہوں

سے فارغ نہیں جیساکہ جو خود قرضدار ہے وہ دوسرے کے قرضہ کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ پس ہم کراہت مسیح کے کفارہ میں کہاں سے آئی جو گناہگار نہ تھا۔ اور ذخیرہ نجات میں غنی جس کو اس نے اپنے کفارہ سے پیدا کیا تھا۔

ہشتم۔ خداوند تعالیٰ نے اس نقشہ امتحان میں ہمکو یہ صورت دکھلائی ہے کہ امتحان اعمالی جو ایک ہی خطا پر ختم ہو جاتا تھا اور مہلت توبہ کی نہ دیتا تھا وہ موقوف کیا گیا۔ بوسیلہ کفارہ مسیح کے بجائے اسکے امتحان ایمانی قایم کیا گیا کہ جسمیں بہت سی فرصت توبہ کی ملسکتی ہے۔ پس جو خداوند میں مقبول ہیں۔ وہ بھی اس دنیا میں امتحان ایمانی سے بری نہیں ہوئے۔ لیکن اس کے خاتمہ کا دن نزدیک ہے اور جب وہ آئے گا تو اسوقت اِنسان کامل نجات کو دیکھے گا۔ فی الحال اس اطمینان ہی کو دیکھتا ہے جو صادق کے وعدہ پر کوئی منتظر تاج وتخت کا ہو۔ جناب جو فرماتے ہیں۔ ہمکو کوئی ایسا شخص دکھلاؤ جو نجات یافتہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات جناب کسی ایسی چیز کو کہتے ہیں جیسے بڑا ڈھیلا آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے۔ مگر اطمینان کی تو یہ شکل نہیں بلکہ وہ شکل ہے کہ جیسے ایک نوکدخدا لذت زفاف کو بیان نہیں کرسکتی۔ لیکن حقیقت میں اسکو عزیز سمجھتی ہے۔

نہم۔ جن امور کی یہ بار بار گذشتہ ہوتی ہے کہ آپ بموجب آیات انجیلی کے معجزہ دکھلاؤ۔ ہمارا جواب یہ ہے۔ کہ ہم بار بار ان مقامات کی شرح حقیقی دکھلا چکے۔ اگر جناب پھر اسی سوال کا تکرار کریں اور ہماری شرح کو ناقص نہ دکھلاسکیں تو انصاف کس کے گھر کے آگے ماتم کر رہا ہے۔ اسکو منصف طبع آپ پہچان لیں گے اب ہمارا سوال جہاں کا تہاں موجود ہے کہ رحم بلا مبادلہ ہرگز جایز نہیں۔

دستخط دستخط

(بحروف انگریزی)	(بحروف انگریزی)
ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر۔ فصیح
(پریزیڈنٹ)	(پریزیڈنٹ)
ازجانب عیسائی صاحبان	ازجانب اہل اسلام

نواں پرچہ

مباحثہ ۳۱ مئی ۱۸۹۳ء

روئداد

میرزا صاحب نے ۶ بجے ۶ منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا اور ۷ بجے ۶ منٹ پر ختم کیا۔ اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سُنایا گیا۔

مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے ۷ بجے ۵۲ منٹ پر شروع کیا۔ اور ۸ بجے ۵۲ منٹ پر ختم کیا اور سُنایا گیا۔ میرزا صاحب نے ۹ بجے ۲۶ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ۲۶ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ بعد ازاں مینیجر نیشنل پریس کی درخواست پیش ہوئی کہ اُسے مباحثہ چھاپنے کی اجازت دی جائے۔ قرار پایا کہ اُسے اجازت دی جائے اِس شرط پر کہ وہ اسیطرح مباحثہ چھاپے جس طرح کہ **مینیجر ریاض ہند پریس** چھاپ رہا ہے۔ یعنی بلا کمی و بیشی فریقین کی تحریریں باترتیب چھاپے۔ اِسکے بعد تحریروں پر میر مجلسوں کے دستخط ہوئے اور جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط	دستخط
(بحروف انگریزی)	(بحروف انگریزی)
غلام قادر فصیح	ھنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ ازجانب اہل اسلام	پریزیڈنٹ ازجانب عیسائی صاحبان

بیان حضرت میرزا صاحب

۳۱- مئی ۱۸۹۳ء

بیان حضرت میرزا صاحب

ڈپٹی صاحب کا کل کا سوال جو ہے کہ رحم بلا مبادلہ ہرگز جائز نہیں۔ آج کسی قدر اُسکا تفصیل سے جواب لکھا ہے۔ واضح ہو کہ رحم بلا مبادلہ میں عیسائی صاحبوں کا یہ اصول ہے کہ خدا تعالیٰ میں صفت عدل کی بھی ہے اور رحم کی بھی صفت عدل کی یہ چاہتی ہے کہ کسی گناہگار کو بغیر سزا کے نہ چھوڑا جائے اور صفت رحم کی یہ چاہتی ہے کہ سزا سے بچایا جائے۔ اور چونکہ عدل کی صفت رحم کرنے سے روکتی ہے۔ اسلئے رحم بلا مبادلہ جائز نہیں۔

اور مسلمانوں کا یہ اصول ہے کہ رحم کی صفت عام اور اول مرتبہ پر ہے۔ جو صفت عدل پر سبقت رکھتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قال عذابی اصیب بہ من اشاء ورحمتی وسعت کل شیٔ (سیپارہ ۹ - رکوع ۹) پس اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت عام اور وسیع ہے اور غضب یعنی عدل بعد کسی خصوصیت کے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی

ثبوت رحم بلا بدل

یہ صفت قانون الٰہی سے تجاوز کرنے کے بعد اپنا حق پیدا کرتی ہے۔ اور اسکے لئے ضرور ہے کہ اول قانون الٰہی ہو اور قانون الٰہی کی خلاف ورزی سے گناہ پیدا ہو اور پھر یہ صفت ظہور میں آتی ہے اور اپنا تقاضا پورا کرنا چاہتی ہے اور جب تک قانون نہ ہو اور قانون کی خلاف ورزی سے گناہ پیدا نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص قانون الٰہی کے سمجھنے کے قابل نہ ہو جیسے بچہ ہو یا دیوانہ ہو یا قسم حیوانات سے ہو۔ اسوقت تک یہ صفت ظہور میں نہیں آتی۔ ہاں خدا تعالیٰ اپنی مالکیت کی وجہ سے جو چاہے سو کرے کیونکہ اس کو اپنی ہر ایک مخلوق پر حق پہنچتا ہے۔ تو اب اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ عدل کو رحم کے ساتھ کچھ بھی علاقہ نہیں۔ رحم تو اللہ تعالیٰ کی ازلی اور اول مرتبہ کی صفت ہے جیسا کہ حضرات عیسائی صاحبان بھی اسبات کا اقرار رکھتے ہیں کہ خدا محبت ہے کہیں یہ نہیں لکھا کہ خدا غضب ہے یعنی عدل ہے اور غضب کا لفظ عدل کے لفظ سے اسلئے مترادف اور ہم معنے ہے کہ خدا تعالیٰ کا غضب انسانوں کے غضب کا سا نہیں کہ بلا وجہ اور بلا چڑنے کے طور پر ظہور میں آجائے بلکہ وہ ٹھیک ٹھیک عدل کے موقعہ پر ظہور میں آتا ہے۔ اب یہ دوسرا

سوال ہے کہ جو شخص قانون الٰہی کی خلاف ورزی کرے اسکی نسبت کیا حکم ہے تو اسکا یہی جواب ہوگا کہ اس قانون کی شرائط کے مطابق عمل کیا جاویگا رحم کو اس جگہ کچھ تعلق نہیں ہوگا۔ یعنے رحم بلا مبادلہ کے مسئلہ کو اسجگہ کچھ تعلق نہیں ہوگا۔ کیونکہ گناہ کی فلاسفی یہی ہے کہ وہ قانون الٰہی کے توڑنے سے پیدا ہوتا ہے۔ پس ضرور ہوا کہ پہلے قانون موجود ہو۔ مگر قانون تو کسی خاص زمانہ میں موجود ہوگا۔ اسلئے خدا تعالےٰ کا عدل اسکے رحم کے دوش بدوش نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اسوقت پیدا ہوتا ہے کہ جب قانون نفاذ پا کر اور پھر پہنچکر اس کی خلاف ورزی کی جائے۔ پس واضح قانون کو یہ عام اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنے قانون کی خلاف ورزی کی سزائیں مقرر کرے اور پھر ان سزاؤں کے معاف کرنے کے لئے اپنی مرضی کے مطابق شرائط اور حدود ٹھیرائے۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ اب یہ مسئلہ رحم بلا مبادلہ کی مزاحمت سے دور صورت میں ہو کر بالکل صاف ہے۔ ہاں یہ دیکھنا ابھی باقی ہے کہ جو سزائیں مقرر کیگئی ہیں۔ یا طریق معافی کے مقرر کئے گئے ہیں۔ یہ کس مذہب کی کتاب میں انسب واولےٰ اور قرین بانصاف ہیں۔ اور اس خوبی کو دیکھنے کے لئے رحم کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہوگا۔ کیونکہ ابھی ہم ثابت کر چکے ہیں کہ رحم اصلی اور عام اور مقدم صفت ہے۔ پس جسقدر کسی مذہب کا طریق سزا اور طریق معافی رحم کے قریب قریب واقع ہوگا وہ انسب اور اولےٰ مذہب سمجھا جائیگا کیونکہ سزا دہی کے اصول اور قوانین میں حد سے زیادہ تشدد کرنا اور ایسی ایسی پابندیاں لگا دینا جو خود رحم کے برخلاف ہیں۔ خدا تعالےٰ کی صفات مقدسہ سے بہت دور ہیں۔ سو اب منصف لوگ دیکھ لیں کہ قرآن کریم نے معافی کا کیا طریق ٹھیرایا۔ اور انجیل شریف کے رو سے معافی کا کیا طریق بیان کیا جاتا ہے۔ سو واضح ہو کہ قرآن کریم کی ہدایتیں کسی شخص کی معافی کے لئے کوئی بیجا تشدد اور کوئی اصول جو ظلم تک منجر ہوں بیان نہیں فرماتیں صرف اصلی اور طبعی طور پر یہ فرماتی ہیں کہ جو شخص قانون الٰہی کے توڑنے سے کسی جرم کا ارتکاب کرے تو اسکے لئے یہ راہ کھلی ہے کہ وہ سچی توبہ کر کے اور ان قوانین کی صحت اور حقانیت پر ایمان لاکر پھر سر نو جد و جہد سے ان قوانین کا پابند ہو جائے یہاں تک کہ ان کے راہ میں مرنے سے بھی دریغ نہ کرے۔ ہاں یہ بھی لکھا ہے کہ شفاعت بھی مجرموں کے لئے فائدہ بخش ہے مگر خدا تعالےٰ کے اذن سے اور اعمال حسنہ بھی گناہوں کا

گناہ قانون کے توڑنے سے پیدا ہوتا ہے

اصول اور قوانین میں حد سے زیادہ تشدد کرنا خدا کی صفات مقدسہ کے برخلاف ہے۔

مجرموں کی شفاعت بھی خدا کے حکم سے فائدہ بخش ہے

تدارک کرتے ہیں۔ اور ایمانی ترقی بھی اور نیز محبت اور عشق بھی گناہوں کے خس و خاشاک کو آگ کیطرح جلادیتی ہے۔ لیکن حضرات عیسائی صاحبوں کے اصول میں اول الدن درد ی یہ ہے کہ گناہوں کی معافی کے لئے ایک بے گناہ کا مصلوب ہونا لازمی اور ضروری سمجھا گیا ہے اب عقلمند منصف خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ہر ایک جھگڑے اور تنازعہ کے فیصلہ کے لئے خدا تعالےٰ کا قانون قدرت موجود ہے یہ قانون قدرت صاف شہادت دے رہا ہے کہ خدا تعالےٰ کا رحم بلا مبادلہ قدیم سے جاری ہے۔ جس قدر خدا تعالےٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کر کے اور طرح طرح کی نعمتیں انسانوں کو بخشکر اپنا رحم ظاہر کیا ہے کیا اس سے کوئی انکار کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے وان تعدّوا نعمت اللہ لا تحصوھا (سیپارہ ۱۳۔ رکوع ۱۷) یعنے اگر خدا تعالےٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز گن نہیں سکتے۔ ایسا ہی اسکی رحیمیت یعنی کسی نیکی کی پاداش میں جزا دینا قانون قدرت سے صاف ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ جو شخص نیک راہوں پر چلتا ہے وہ اُن کا نتیجہ بھگت لیتا ہے ایسا ہی اسکی مالکیت بھی قانون قدرت کے رو سے ثابت ہو رہی ہے۔ جیسا کہ میں نے کل بیان کیا تھا کہ کروڑہا جانور انسان کے فائدہ کے لئے ہلاک کئے جاتے ہیں۔ اور نیز توراۃ سے ثابت ہے کہ حضرت نوحؑ کے طوفان میں بجز چند جانوروں کے باقی تمام حیوانات طوفان سے ہلاک کئے گئے۔ کیا اُن کا کوئی گناہ تھا۔ کوئی نہ تھا۔ صرف مالکیت کا تقاضا تھا اور یہ بات کہ گناہ قانون سے پیدا ہوتا ہے یہ اس آیت سے صاف ثابت ہے والذین کفروا وکذّبوا بایاتنا اولئك اصحاب النار ھم فیھا خالدون (سیپارہ ۱ رکوع ۴) یعنے جو لوگ ہماری کتاب پہنچنے کے بعد کفر اختیار کریں اور تکذیب کریں وہ جہنم میں گرائے جائیں گے اور پھر خدا تعالےٰ کا توبہ سے گناہ بخشنا اس آیت سے ثابت ہے۔ غافر الذنب وقابل التوب (سیپارہ ۲۴۔ رکوع ۶) خدا تعالیٰ کی رحمانیت اور رحیمیت اور مالکیت ان آیات سے ثابت ہے الحمد للہ رب العلمین الرحمٰن الرحیم ملك یوم الدین اور بقیہ جوابات ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کے ذیل میں لکھتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح کی روح مخلوق تھی اور جسم بھی مخلوق تھا۔ اور خدا تعالےٰ اسطرح اُن سے تعلق رکھتا تھا۔ جیسا کہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ یہ فرمانا ڈپٹی صاحب کا مجھے سمجھ نہیں آتا جبکہ

مالکیت کے تقاضا سے بجز چند جانوروں کے سب ہلاک کئے گئے

حضرت مسیح نرے انسان ہی تھے اور اُن میں کچھ بھی نہیں تھا تو پھر خدا تعالیٰ کا تعلق اور خدا تعالیٰ کا موجود ہونا ہر ایک جگہ پایا جاتا ہے۔ پھر باوجود اسکے آپ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ حضرت مسیح مظہر اللہ ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ مظہر اللہ کیسے ہوئے اس سے تو لازم آیا کہ ہر ایک چیز مظہر اللہ ہے۔ پھر میرا یہ سوال ہے کہ کیا یہ مظہر اللہ ہونا روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے ہوا یا روح القدس کے پیچھے ہوا اگر پیچھے ہوا تو پھر آپ کی کیا خصوصیت رہی۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ لہذا اس میں وزن کیوں کر ہو۔ میرا جواب ہے کہ بیٹا یعنے حضرت عیسےٰ ؑ کا اقنوم مجسم ہونا ثابت ہے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ کلام مجسم ہوا۔ اور روح القدس بھی مجسم تھا۔ کیونکہ لکھا ہے کہ کبوتر کی شکل میں اُترا اور آپ کا خدا بھی مجسم ہے۔ کیونکہ یعقوب سے کشتی کری اور دیکھا بھی گیا اور بیٹا اُس کے داہنے ہاتھ جا بیٹھا۔

کثرت حقیقی اور وحدت حقیقی جمع نہیں ہو سکتے

پھر آپ اپنی کثرت فے الوحدت کا ذکر کرتے ہیں۔ مگر مجھے سمجھ نہیں آتا۔ کہ کثرت حقیقی اور وحدت حقیقی کیوں کر ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں اور ایک کو اعتباری ٹھہرانا آپ کا مذہب نہیں اسجگہ میں یہ بھی پوچھتا ہوں کہ حضرت مسیح جو مظہر اللہ ٹھہرائے گئے وہ ابتدا سے اخیر وقت تک مظہر اللہ تھے۔ اور دائمی طور پر اُنمیں مظہریت پائی جاتی تھی یا اتفاقی اور کبھی کبھی اگر دائمی تھی تو پھر آپ کو ثابت کرنا پڑے گا۔ کہ حضرت مسیح کا عالم الغیب ہونا اور قادر وغیرہ کی صفات ان میں پائے جانا بہ دائمی طور پر تھا۔ حالانکہ انجیل شریف اسکی مکذب ہے۔ مجھے بار بار بیان کرنے کی حاجت نہیں اس جگہ یہ بھی مجھے پوچھنا پڑا کہ جس حالت میں بقول آپکے حضرت مسیح میں دو روحیں نہیں۔ صرف ایک روح ہے جو انسان کی روح ہے۔ جس میں الوہیت کی ذرہ بھی آمیزش نہیں۔ ہاں جیسے خدا تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور جیسے کہ لکھا ہے کہ یوسف میں اسکی روح تھی حضرت مسیح کے ساتھ بھی موجود ہے۔ تو پھر حضرت مسیح اپنی ماہیت ذاتی کے لحاظ سے کیونکر دوسرے اقنوم ٹھہرے اور یہ بھی دریافت طلب ہے کہ حضرت مسیح ؑ کا آپ صاحبوں کی نظر میں دوسرا اقنوم ہونا بہ دوری ہے یا دائمی پھر آپ فرماتے ہیں کہ وہ یعنے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تم انتقام نہ لو۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ انتقامی شریعت یعنے توریت تو خود آپ کی مسلمات سے ہے تو پھر کیونکر آپ انتقام سے گریز کرتے

ہیں اور اس بات کا مجھے ابھی تک آپ کے مُنھ سے جواب نہیں ملا کہ جس حالت میں تین اقنوم صفات کاملہ میں برابر درجہ کے ہیں۔ تو ایک کامل اقنوم کے موجود ہونے کے ساتھ جو جمیع صفات کاملہ پر محیط ہے اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں کیوں دوسرے اقنوموں کی ضرورت ہے اور پھر ان کاملوں کے ملنے کے بعد یا ملنے کے لحاظ سے جو اجتماعی حالت کا ایک ضروری نتیجہ ہونا چاہیئے وہ کیوں اس جگہ پیدا نہیں ہوا یعنے یہ کیا سبب ہے کہ باوجودیکہ ہر ایک اقنوم تمام کمالات مطلوبہ الوہیت کا جامع تھا پھر ان تینوں جامعوں کے اِکٹھا ہونے سے الوہیت میں کوئی زیادہ قوت اور طاقت نہ بڑھی اگر کوئی بڑھی ہے اور مثلاً پہلے کامل تھی پھر ملنے سے یا ملنے کے لحاظ سے اکمل کہلائے یا مثلاً پہلے قادر تھی اور پھر ملنے کے لحاظ سے اقدر نام رکھا گیا۔ یا پہلے خالق تھی اور پھر ملنے کے لحاظ سے خلاق یا اخلق کہا گیا۔ تو براہ مہربانی اسکا کوئی ثبوت دینا چاہیئے۔ آپ کثیف جسموں کی طرف تو ناحق کھینچکر لے گئے۔

میں نے تو ایک مثال دی تھی اور پھر وہ مثال بھی بفضلہ تعالےٰ آپ ہی کی کتابوں سے ثابت کر دکھائی اور آپ کے یہ تمام بیانات بڑے افسوس کے لایق ہیں۔ کیوں کہ ہماری شرط کے مطابق نہ آپ دعویٰ انجیل کے الفاظ سے پیش کرتے ہیں۔ اور نہ دلایل معقولی انجیل کے رو سے بیان فرماتے ہیں۔ بھلا فرمایئے کہ رحم بلا مبادلہ کا لفظ انجیل شریف میں کہاں لکھا ہے۔ اور اُس کے معنے خود حضرت مسیح ؑ کے فرمودہ سے کب اور کس وقت آپ نے بیان فرمائے ہیں۔ اس عہد شکنی پر جسقدر اہل انصاف افسوس کریں وہ تھوڑا ہے۔ اور کل مینے جو پھر بلا مبادلہ کا ذکر کیا تہا۔ اُسکا بھی آپ نے کوئی عمدہ جواب نہ دیا۔ میرا مطلب تو یہ تہا کہ اللہ تعالےٰ کی صفت مالکیت بغیر دیکھنے گناہ کے بجائے خود کام کر رہی ہے مثلاً انسان کے بچّوں کو دیکھو کہ صدہا صعب اور شدید اور ہولناک بیماریاں ہوتی ہیں اور بعض ایسے غربا اور مساکین کے گھر میں پیدا ہوتے ہیں کہ دانت نکلنے کے ساتھ طرح طرح کے فاقوں کو اٹھانا پڑتا ہے۔ پھر بڑے ہوئے تو کسی کے سائیس بنائے گئے اور دوسری طرف ایک شخص کسی بادشاہ کے گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ پیدا ہوتے ہی غلام اور کنیزکیں اور خادم دست بدست گود میں لئے پھرتے ہیں۔ بڑا ہو کر تخت

اللہ تعالیٰ کی صفت مالک بغیر گناہ کے کام کر رہی ہے

پر بیٹھ جاتا ہے - اِسکا کیا سبب ہے - کیا مالکیت سبب ہے یا آپ تناسخ کے قایل ہیں - پھر اگر مالکیت ثابت ہے اور خدا تعالےٰ پر کسی کا بھی حق نہیں تو اِتنا جوش کیوں دکھایا جاتا ہے - پھر آپ فرماتے ہیں کہ موسےٰ کی شفاعتیں حقیقی شفاعتیں ہیں نہیں - بلکہ اُن پر مواخذہ قیامت کی پخ لگی ہوئی تھی اور گو خدا تعالےٰ نے سرسری طور پر گناہ بخشدیئے اور کہدیا کہ میں نے موسیٰ ؑ کی خاطر بخشدیئے لیکن اصل میں نہیں بخشے تھے پھر پکڑے گا اور چڑ کرنے والوں کی طرح ناراض ہوکر جہنم میں ڈالے گا - اِسکا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے براہ مہربانی وہ ثبوت پیش کریں - مگر توریت کے حوالہ سے جہاں یہ لکھا ہو کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ گو میں نے آج اِس نافرمانی کو بخشدیا مگر کل پھر میں مواخذہ کروں گا - اس جگہ آپ کی تاویل منظور نہیں ہوگی - اگر آپ سچ پر ہیں تو توریت کی آیت پیش کریں کیونکہ توریت کے کئی مقامات میں جو ہم پیچھے سے لکھا دیں گے یہی صاف صاف لکھا ہے کہ خدا تعالےٰ بعض نافرمانیوں کے وقت حضرت موسےٰ ؑ کی شفاعت سے اُن نافرمانیوں سے درگذر کرتا رہا - بلکہ بخشدینے کے الفاظ موجود ہیں - گنتی $\frac{14}{19}$ و $\frac{12}{13}$ استثنا $\frac{9}{19}$ سے ۲۲ خروج $\frac{۸}{۰}$ پھر آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح ؑ کا دوسرے گناہگاروں کے عوض میں مصلوب ہونا قانون قدرت کے مخالف نہیں ایک شخص کا قرضہ دوسرا اپنی دولت سے ادا کرسکتا ہے - یہ آپنے خوب ہی مثال دی ہے - پوچھا تو یہ گیا تھا کہ ایک مجرم کے عوض میں دوسرا شخص سزایاب ہوسکتا ہے - اسکی نظیر دنیا میں کہاں ہے - آجکل انگریزی قوانین جو بڑی جستجو اور تحقیق اور رعایت انصاف سے بنائے جاتے ہیں - کیا آپ نے جو ایک مدت تک اکسٹرا اسسٹنٹ رہچکے ہیں - تعزیرات ہند وغیرہ میں کوئی ایسی بھی دفعہ لکھی ہوئی پائی ہے کہ زید کے گناہ کرنے سے بکر کو سولی پر کھینچنا کافی ہے (باقی آئندہ)

دستخط   دستخط

(بحروف انگریزی)   (بحروف انگریزی)

غلام قادر فصیح   ھنری مارٹن کلارک

(پریزیڈنٹ)   (پریزیڈنٹ)

ازجانب اہل اسلام   ازجانب عیسائی صاحبان

۱۲۰

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۳۱- مئی ۱۸۹۳ء

بیان ڈپٹی عبداللہ صاحب

۳۱- مئی ۱۸۹۳ء

جناب کا یہ فرمانا کہ رحم اوّل اور فایق درجہ پر ہے۔ برخلاف ہدایت ۵۳/۴ کے ہے کیوں کہ ہدایت یہ حکم کرتی ہے کہ کوئی صفت کسی دوسری صفت سے کم نہیں بجائے خود ہر ایک پورا مرتبہ رکھتی ہے ۔ یہ جناب نے حق فرمایا ہے کہ جب تک قانون کسی تک نہ پہونچے وہ قانون شکن نہیں کہلا سکتا اور گناہ اسپر عاید نہیں ہوتا۔ اسیواسطے وہ بچے جو ماہیت گناہ سے واقف نہیں اور دیوانہ مادر زاد گناہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر کوئی شخص ماہیت کسی گناہ کی نہ جانتا ہو اور وہ اس سے سرزد ہووے ۔مواخذہ عدل میں نہ آویگا اور اسکا وہ فعل گناہ نہ تصوّر کیا جائے گا۔ خدا اپنی مالکیت کی وجہ سے خواص اپنی صفات کے برخلاف اگر کچھ مالکیت جتائے تو سارا نقشہ اسکی قدوسی کا درہم برہم ہو جاتا ہے لہذا یہ صحیح نہیں۔ کہ مالکیت کی وجہ سے جو چاہے سو کرے۔ حتے کہ ظلم تک۔ نیز عدل کو رحم سے اس طرح کا علاقہ تو نہیں۔ کہ جو رحم ہے وہ عدل نہیں اور جو عدل ہے وہ رحم نہیں۔ لیکن یہ ہر دو صفات واحد اقدس خدا کی ہیں۔ خدا غضب نازل بیجا ہے۔ یہ تو کلام الٰہی میں ہو نہیں سکتا مگر اسکو بھسم کرنے والی آگ بھی لکھا ہے جو گناہگار کو بھسم کرتی ہے استثنا ۴/۲۴ قانون فعل مقنن ہے اور فعل ضرور ہے کہ اپنے فاعل سے بعد میں ہو۔ لیکن عدل جو قانون بناتا ہے۔ قانون جسکا فعل ہے۔ ازلی و ابدی صفت ہے وہ عارضی طور سے پیدا نہیں ہوئی اور نہ وہ عارضی طرح سے جا سکتی ہے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ عدل اسکو کہا جائے کہ ہرجہ باقی رہجائے اور گناہگار رہا ہو جائے۔ واضح رہے کہ دنیا کی عدالت عدالت نہیں مگر نظامت کا نام ہے ۔ کہ جس کا منشا یہ ہے کہ جرائم روبہ تنزل رہیں۔ نہ یہ کہ سزا کامل ہو جائے۔ کیا ایک قاتل کو پھانسی دینے سے مقتول جی اٹھتا ہے۔ اور اگر قاتل کو پھانسی دینگے تو مقتول کو اس سے کیا ہے۔ خداوندی عدالت ایسی نہیں بلکہ یہ ہے کہ جب تک وہ ہرجہ گناہ واپس نہ ہو معاوضہ کی سزا سے بھی رہائی نہ ہووے۔

دوم - جو آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نے معافی کا کیا طریق ٹھیرایا ہے اوّل تو آپ کا یہ کہنا ہی جائز نہیں - اسلئے کہ واحد خدا کی یہ ہر دو کلام ہو کر متباین طریقہ نہیں بتا سکتی - کہ اعمال حسنہ ادائے قرضہ کی صورت ہیں - کیونکہ یہ فرض عین ہے کہ ہم اعمال حسنہ کریں - لیکن یہ بڑی ایک تعجب کی بات ہے کہ ادائے جزو کو کل پر حاوی تصور کر کے وہ قرضہ بے باق سمجھا جاوے جیسا کہ ایک شخص کو سو روپیہ کسی کے دینے ہیں اور اس میں سے پچیس روپیہ دے کر یہ کہے کہ تیرا حساب بے باق ہوُا کوئی عقلمند اس امر کو مانے گا - کہ ادائے جزو کا حاوی بر کل ہے - لہذا اعمال حسنہ کا ذکر آپ تب تک نہ کریں جب تک آپ یہ ثابت نہ کرلیں کہ کوئی اعمالوں کے ذریعہ سب قرضہ ادا کر سکتا ہے - یعنی بے گناہ مطلق رہ سکتا ہے - توبہ اور ایمان بیرونی پھاٹک نجات کے ضرور ہیں - جیسا کہ کوئی بغیر اُن کے نجات میں داخل نہیں ہو سکتا - لیکن پھاٹک اندرونہ شے کا نہیں ہو سکتا کیا اگر ہم ایک مکھی کو مار کر سو توبہ کریں وہ جی اٹھتی ہے - اور ایمان کی بابت میں اگر ہم ایمان لاویں کہ خدائے قادر اُسکو پھر جلا دے سکتا ہے - بھ کچھ امکان سے بڑھ کر وقوعہ ہو جاتا ہے - محبت و عشق فرایض انسانی میں ہیں - ان کا ذکر اعمال حسنہ میں آچکا اور ضرور نہیں -

سوم - یہ آپ صریح غلط فرماتے ہیں کہ قانون قدرت خدا تعالےٰ کا کہ رحم بلا مبادلہ قدیم سے جاری ہے - ہماری فطرت میں اس امر کو صداقت اولے کر کے ثبت کیا گیا ہے کہ جو کسی کا کوئی ہرجہ کرے گا اُسکو معاوضہ اسکا دینا پڑے گا - مخلوق کا ہر زمان اطاعت اللہ کے واسطے رکھا گیا ہے - اور وہ بغاوت میں اگر گناہ کے کئے تو اسوقت کا ہرجہ اُسکو بھرنا پڑیگا اور اُسکا معاوضہ یہی ہے کہ رویا بدروں سزا میں گرفتار رہے -

چہارم - میں نے کل بھی عرض کیا تھا کہ دُکھ تین قسم کے ہیں یعنی ایک وہ جس کو سزا ئیہ کہتے ہیں جس کے معنے معاوضہ ہرجانہ کے ہیں - اور جسکی حد یہ ہے کہ جب تک وہ ہرجہ ادا نہ ہو ہرجہ رسان کی رہائی بھی نہ ہو - دوسری قسم منفعل سکھ کی ہے جس سے میری مراد یہ ہے کہ محتاج بالغیر علم کسی شے کا بغیر مقابلہ ضد اُسکی کے صاف نہیں پاتا - جیسا کہ اندھا مادر زاد سفیدی کو تو نہیں جانتا - مگر تاریکی کو بھی بخوبی نہیں پہچانتا - گو وہ ہمیشہ اسکے سامنے ہے

ایساہی اگر آدمی کو بہشت میں بھیجا جائے اور مقابلہ کے واسطے اُس نے کبھی دُکھ نہ دیکھا ہو تو بہشت کی قدر و عافیت نہیں جانتا۔ تیسرا دکھ امتحان کا ہے یعنے اعمال بالقوہ کو بفعل لوانے کے واسطے باختیار اس شخص کے کہ جس کے وہ فعل ہیں ضرور ہے کہ اسکو ایسی دو شے کے درمیان رکھا جائے جو مساوی بکدیگر ہوں وضد فی الحاصل درآن واحد ہوں کہ جن میں سے احدی کا رد یا قبول کرنا بغیر توڑ اور دُکھ کے نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ تین اقسام صحیح ہیں تو آپکا کیا حق ہے کہ جو جاندار دُنیا میں دُکھ پاتے ہیں ان کے دُکھ کو سزا یہ ہی قرار دیں۔

پنجم ۔ جناب کا اس امر کا نہ سمجھنا کہ مسیح میں خصوصیت ظہور کی کیا ہے۔ جبکہ ہر شے مظہر الٰہی ہے اسکا جواب عرض کرتا ہوں کہ خصوصیت یہ ہے کہ مسیح کے علاقہ سے اللہ تعالےٰ نے کفارہ کا کام پورا کر آیا خدا تعالےٰ دُکھ اُٹھانے سے بری مطلق ہے۔ مخلوق سب کا بوجھ اُٹھا کر باقی نہیں رہ سکتا۔ یہاں پر خدا تعالےٰ نے یہ کیا کہ پاک انسان نے سب بوجھ اپنے سر پر اُٹھایا اور اقنوم ثانی الوہیت کے نے اسکو اُٹھوایا۔ اور یوں وہ دُکھ پناہ ہوا کیونکہ اس موقعہ پر مقابلہ رو یا بدروان سزا کا ساتھ ازلی و ابدی اقنوم ثانی کے ہوا یہ خصوصیت مظہریت کی اور کہاں ہے۔ آپ ہی اسکو دکھلادیں اور اس خصوصیت کو مسیح میں ہماری زبانی آپ قبول نہ کریں مگر تا وقتیکہ بائبل کو آپ رد نکریں تو آپ کا حق نہیں کہ اسپر عذر کریں کیا مسیح کا معجزہ ہی پیدا ہونا مارا جانا جی اُٹھنا اور صعود کرنا آسمان پر۔ ان کے بھی کچھ معنے ہیں یا نہیں۔ جناب ہی فرمادیں اور جب کہ لکھا ہے کہ خون بہانے بدون نجات نہیں۔ عبرانی ۹/۲۲ و احبار ۱۷/۱۱ اور کہ ساری قربانیاں توریت کی اسی پر ایما کرتی ہیں اور یہ لکھا ہے کہ آسمان کے نیچے دوسرا نام نہیں دیا گیا۔ کہ نجات ہو۔ اعمال ۴/۱۲ ان سب باتوں کے جناب کچھ معنے فرماویں اور ایسے ہی سرسری بے جواب گذر نہ فرماویں۔

ششم ۔ جناب جو پوچھتے ہیں کہ مظہر اللہ مسیح بعد نزول روح القدس کے ہوئی یا ما بعد اس کے ہمارا اس جگہ پر جواب قیاسی ہے روح القدس کے نازل ہونے کے وقت ہوئی کلام الٰہی میں اس کا وقت کوئی معین نہیں ہوا۔ خصوصیت کا انحصال آگے اور پیچھے مظہر اللہ ہونے پر کیا ہے۔ جناب نے اس امر کو مشرح نہیں فرمایا۔ اسی لئے ہم اور زیادہ جواب نہیں دے سکتے۔

ہفتم ۔ اگرچہ ہرسہ اقانیم کا مجسم ہونا آپ نے بہت صحیح نہیں فرمایا۔ لیکن

تاہم مجسم ہونے سے وہ وزنی ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے یہ کہا ہے کہ برائے مثال ہر ایک تین تین سیر کا اقنوم ہو تو جملہ اس کا نو سیر ہوتا ہے۔

ہشتم۔ توحید فی التثلیث کی تعلیم میں ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ ایک ہی صورت میں واحد اور ایک ہی صورت میں تثلیث ہے بلکہ ہمارا ماننا یہ ہے کہ ایک صورت میں ایک اور دوسری صورت میں تین ہیں۔ اور جب ہم نے عرض کیا کہ ان تین میں اس قسم کا علاقہ ہے کہ جیسے بے نظیری بے حدی سے نکلکر زمان و مکان دوسرا نہیں چاہتے۔ تاہم ان دو صفات کی تعریف علیحدہ علیحدہ ہے اور یہ دونوں صفات ایک جیسی ہیں۔ ایسا ہی اقانیم کی صورت ہے کہ ایک قایم فی نفسہ ہے اور دو لازم ملزوم ساتھ اس ایک کے اس کے سمجھنے کے واسطے آپ اس بیان پر بھی توجہ فرماویں کہ انتقام جو و صلح جو شخص واحد سے آن واحد میں محال مطلق ہے۔ حالانکہ اگر گناہگار کی مغفرت ہو تو یہ ہر دو یکساں چلتے ہیں اور ایک اقنوم سے بر ادا نہیں ہو سکتی۔ اس سے لازم آتا ہے کہ کم از کم دو اقانیم ہونے چاہئیں۔ وقت کم ہے بے نظیری کی ہم تعریف کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ بے نظیری مطلق وہ شے ہے جو امکان تک نظیر کا مٹا دیوے۔ اور یہ وہی کر سکتا ہے جو مکان گنجایش نظیر کا مٹا دیوے۔ اب خدا تعالیٰ بے نظیر مطلق ہے۔ پس ضرور ہے کہ وہ بے حد بھی ہو۔ اور یہ بے نظیری بے حدی سے نکلے بلا تفاوت زمان و مکان کے کثرت فی الوحدت کی مثالیں ہمارے پاس اور بھی معقول ہیں۔ مگر صرف امکان دکھلانے والی اور کہ وقوع اسکا دکھلانا کلام الٰہی کا کام ہے۔ جس کی آیات کا حوالہ ہم پہلے دے چکے ہیں۔ چنانچہ ایک یہ ہے کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم سے ایک کی مانند ہو گیا۔

پیدایش ۳/۲۲ (باقی آیندہ)

دستخط دستخط

(بحروف انگریزی)	(بحروف انگریزی)
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

بیان حضرت میرزا صاحب

بیان حضرت میرزا صاحب

پہلے میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ ڈپٹی صاحب نے باوجود میرے بار بار کے یاد دلانے کے کہ ہر ایک بات اور ہر ایک دعوی انجیل سے ہی پیش کرنا چاہیئے اور دلایل معقولی بھی انجیل سے ہی دکھلانی چاہیئے پھر بھی اس شرط کو ہر ایک محل میں چھوڑ دیا ہے اور اُن کے بیانات ایسی آزادی سے چلے جاتے ہیں کہ گویا وہ ایک نئی انجیل بنا رہے ہیں۔ اب سوچنا چاہیئے کہ انہوں نے میرے سوالات کا کیا جواب دیا پہلے تو میں نے یہ بطور شرط کے عرض کیا تھا کہ رحم بلامبادلہ کا لفظ انجیل میں کہاں ہے اور پھر اسکی معقولی طور پر حضرت مسیح سے تشریح اور تفصیل کہاں ہے۔ مگر آپ عمدًا اس بات سے انکار کر گئے۔ اس لئے میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ آپ بحیثیت ایک پابند انجیل کے بحث نہیں کرتے بلکہ ایک اہل الرائے کی طرح اپنے خیالات پیش کر رہے ہیں۔ آپ میرے اس بیان کو کہ رحم ظہور میں اوّل اور فایق درجہ پر ہے۔ قبل اسکے کہ اسکو سمجھیں قابل جرح قرار دیتے ہیں اگرچہ اسمیں کلام نہیں کہ خدا تعالے کی تمام صفات کاملہ ازلی و ابدی ہیں۔ مگر اس عالم حادث میں ظہور کے وقت جیسا کہ موقعہ ہوتا ہے ضرورت کے رو سے تاخیر و تقدیم ہو جاتی ہے یہ بات کو کون شخص سمجھ نہیں سکتا کہ باعتبار ظہور کے رحم پہلی مرتبہ پر ہے۔ کیوں کہ کسی کتاب کے نکلنے کا محتاج نہیں اور اسبات کی حاجت نہیں رکھتا کہ تمام لوگ عقلمند اور فہیم ہی ہو جائیں بلکہ وہ رحم جیسا عقلمندوں پر اپنا فیضان وارد کر رہا ہے۔ ویسا ہی بچوں اور دیوانوں اور حیوانات پر بھی وہی رحم کام رہا ہے۔ لیکن عدل کے ظہور کا وقت گو عدل کی صفت قدیم ہے اُس وقت ہوتا ہے کہ جب قانون الٰہی نکلکر خلق اللہ پر اپنی حجت پوری کرے اور اپنا سچا قانون ہونا اور منجانب اللہ ہونا ثابت کر دیوے پھر اسکے بعد جو شخص اسکی خلاف ورزی کرے تو وہ پکڑا جائے گا۔ یہی تو میرا سوال تھا کہ آپکا سوال رحم بلا مبادلہ کا تب ٹھیک بیٹھتا ہے کہ ظہور رحم اور ظہور عدل کے دونوں وقت ایک ہی زمانہ میں سمجھے جائیں اور اُن میں ہر جگہ پر ایک تلازم رکھا جائے لیکن ظاہر ہے کہ رحم کا دایرہ تو بہت وسیع اور چوڑا ہے اور وہ ابتداء سے جب سے دنیا ظہور میں آئی اپنے فیضان دکھلا رہا ہے۔ پھر عدل کا رحم سے کیا تعلق ہوا۔ اور ایکدوسرے کی مزاحمت کیونکر کر سکتے ہیں

صفت رحم صفت عدل پر متقدم ہے

آپ کے رحم بلا مبادلہ کا بجز اس کے میں کوئی اور خلاصہ نہیں سمجھتا کہ عدل سزا کو چاہتا ہے رحم عفو و درگذر کو چاہتا ہے۔ لیکن جبکہ رحم اور عدل اپنے مظہروں میں مساوی اور ایک درجہ کے نہ ٹھیرے اور یہ ثابت ہو گیا کہ خدا تعالےٰ کے رحم نے کسی کی راستبازی کی ضرورت نہیں سمجھی اور ہر ایک نیکوکار اور بدکار پر اسکی رحمانیت سے قدیم سے اثر ڈالتی چلی آئی ہے۔ تو پھر یہ کیوں کر ثابت ہوا کہ خدا تعالےٰ بدکاروں کو ایک ذرہ رحم کا مزہ چکھانا نہیں چاہتا کیا قانون قدرت جو ہماری نظر کے سامنے پکار پکار کر شہادت نہیں دے رہا۔ کہ اس رحم کے لئے گناہ اور غفلت اور تقصیرداری بطور روک کے نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ہو تو ایک دم بھی انسان کی زندگی مشکل ہے۔ پھر جب کہ یہ سلسلہ رحم کا بغیر شرط راستبازی اور معصومیت اور نیکوکاری انسانوں کی دنیا میں پایا جاتا ہے۔ اور صریح قانون قدرت اسکی گواہی دے رہا ہے تو پھر کیوں کر اُس سے انکار کر دیا جائے۔ اور اس نئے اور خلاف صحیفہ فطرت کے عقیدہ پر کیوں کر ایمان لایا جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ کا رحم انسانوں کی راستبازی سے وابستہ ہے اللہ جلشانہ نے قرآن شریف کے کئی مقامات میں نظیر کے طور پر وہ آیات پیش کی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کیوں کر سلسلہ رحم کا نہایت وسیع دائرہ کے ساتھ تمام مخلوقات کو مستفیض کر رہا ہے۔ چنانچہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے اللہ الذی خلق السّمٰوات و الارض و انزل من السّماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم و سخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ و سخر لکم الانہار و سخر لکم الشمس و القمر دائبین و سخر لکم اللیل والنہار و اٰتٰکم من کل ما سالتموہ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ (سیپارہ ۱۳ رکوع ۱۷) پھر فرماتا ہے والانعام خلقہا لکم فیہا دفءٌ و منافع و منہا تاکلون اور پھر فرماتا ہے وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحما طریا اور پھر فرماتا ہے واللہ انزل من السّماء ماءً فاحیا بہ الارض بعد موتہا ان تمام آیات سے خدا تعالےٰ نے اپنی کلام کریم میں صاف قانون قدرت کا ثبوت دیدیا ہے کہ اسکا رحم بلا شرط ہے۔ کسی کی راستبازی کی شرط نہیں۔ ہاں جرائم کا سلسلہ قانون الٰہی کے نکلنے سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ آپ خود مانتے ہیں اور اسیوقت عدل کی صفت کے ظہور کا زمانہ آتا ہے۔ گو عدل ایک ازلی صفت ہے۔ مگر آپ اگر ذرہ زیادہ غور کریں گے تو سمجھ جائیں گے۔ کہ صفات کے ظہور میں حادثات کی رعایت سے ضرور تقدیم

سلسلہ رحم کا وسیع دائرہ مخلوق کو مستفیض کر رہا ہے

۱۲۷

تاخیر ہوتی ہے۔ پھر جبکہ گناہ اسوقت سے شروع ہوا کہ جب کتاب الٰہی نے دنیا میں نزول
فرمایا۔ اور پھر اس نے خوارق و نشانوں کے ساتھ اپنی سچائی بھی ثابت کی تو پھر رحم بلا
مبادلہ کہاں رہا۔ کیونکہ رحم کا سلسلہ تو پہلے ہی سے بغیر شرط کسی کی راستبازی کے جاری
ہے۔ اور جو گناہ خدا تعالےٰ کی کتاب نے پیش کئے وہ مشروط بشرائط ہیں۔ یعنی یہ
کہ جس کو وہ احکام پہنچائے گئے ہیں اسپر وہ بطور حجت کے وارد ہوں۔ اور وہ دیوانہ
اور مجنون بھی نہ ہو۔ اور مالکیت پر آپ یہ جرح فرماتے ہیں کہ اگر مالکیت کو تسلیم کیا جائے
تو سارا کارخانہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ تو آپ کو سوچنا چاہیئے کہ یہ کارخانہ اپنی مدکی
ذیل میں چل رہا ہے۔ پھر درہم برہم ہونے کے کیا معنے ہیں۔ مثلاً جو شخص خدا تعالےٰ
کے قانون کی خلاف ورزی کر کے اُس کے قانونی وعدہ کے موافق سزاوار کسی سزا کا
ٹھیرتا ہے۔ تو خدا تعالےٰ گو مالک ہے کہ اسکو بخشدیوے لیکن بلحاظ اپنے وعدہ کے
جب تک وہ شخص ان طریقوں سے اپنے تئیں قابل معافی نہ ٹھیرادے۔ جو کتاب
الٰہی مقرر کرتی ہے۔ تب تک وہ مواخذہ سے بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ وعدہ ہو چکا ہے
لیکن اگر کتاب الٰہی مثلاً نازل نہ ہو یا کسی تک نہ پہونچے۔ یا مثلاً وہ بچہ اور دیوانہ ہو
تو تب اسکے ساتھ جو معاملہ کیا جائے گا وہ مالکیت کا معاملہ ہوگا۔ اگر یہ نہیں تو پھر سخت
اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کیوں چھوٹے بچے مدتوں تک ہولناک دکھوں میں مبتلا رہکر
پھر ہلاک ہوتے ہیں۔ اور کیوں کروڑہا حیوانات مارے جاتے ہیں۔ ہمارے پاس بجز
اسکے کوئی اور جواب بھی ہے کہ وہ مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ پھر آپ اپنے پہلے
قول پر ضد کر کے فرماتے ہیں۔ کہ دنیا میں جو کسی کی شفاعت سے گناہ بخشے جاتے ہیں
وہ ایک انتظامی امر ہے۔ افسوس کہ آپ اسوقت مقنن کیوں بن گئے۔ اور توریت
کی آیتوں کو کیوں منسوخ کرنے لگے اگر صرف انتظامی امر ہے اور حقیقت میں گناہ
بخشے نہیں جاتے تو توریت سے اسکا ثبوت دینا چاہیئے۔ توریت صاف کہتی ہے
کہ حضرت موسیٰ ؑ کی شفاعت سے کئی مرتبہ گناہ بخشے گئے۔ اور بائیبل کے تقریباً
کل صحیفے خدا تعالےٰ کے رحیم اور تواب ہونے پر ہمارے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں دیکھو
یسعیا ۵۵/۷ یرمیا ۳/۱۲ تواریخ دوم ۷/۱۴ زبور چہارم ۳۲/۵ امثال ۲۸/۱۳ اسیطرح لوقا ۱۷/۳-۴
ولوقا باب ۱۵/۲۴ لوقا ۱۰/۲۵ و ۲۸ مرقس ۱۶/۱۶ اور پیدائش ۶/۹ و ۷ کتاب ایوب ۱/۱ خرقیل

خدا مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے

۱۲۸

۱۴/۱۴ دانیال ۶/۴ زبور ۱۳۰/۳ و ۴ و ۷ زبور ۵۸/۳۸ میکاہ ۷/۱۸ -

غرض کہاں تک لکھوں آپ اِن کتابوں کو کھول کر پڑھیں اور دیکھیں کہ سب سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ رحم بلا مبادلہ کی کچھ ضرورت نہیں اور ہمیشہ سے خدا تعالیٰ مختلف ذرائع سے رحم کرتا چلا آیا ہے - پھر آپ فرماتے ہیں کہ توبہ اور ایمان باہر کے پھاٹک ہیں - یعنے باوجود توبہ اور ایمان کے پھر بھی کفارہ کی ضرورت ہے یہ آپ کا صرف دعویٰ ہے جو اِن تمام کتابوں سے مخالف ہے جن کے میں نے حوالے دیدیئے - ہاں اِسقدر سچ ہے - کہ جیسے اللہ جلشانہ نے باوجود انسان کے خطاکار اور تقصیروار ہونے کے اپنے رحم کو کم نہیں کیا ایسا ہی وہ توبہ کے قبول کرنے کے وقت بھی وہی رحم مدنظر رکھتا ہے اور فضل کی راہ سے اِنسان کی بضاعت مزجات کو کافی سمجھ کر قبول فرمالیتا ہے اسکی اس عادت کو اگر دوسرے لفظوں میں فضل کے ساتھ تعبیر کردیں اور یہ کہدیں کہ نجات فضل سے ہے تو عین مناسب ہے کیونکہ جیسے ایک غریب اور عاجز انسان ایک پھول تحفہ کے طور پر بادشاہ کیخدمت میں لیجاوے اور بادشاہ اپنی عنایات بے غایات سے اور اپنی حیثیت پر نظر کر کے اسکو انعام دے جو پھول کی مقدار سے ہزارہا بلکہ کروڑہا درجہ بڑھ کر ہے - یہ تو کچھ بعید بات نہیں ہے ایسا ہی خدا تعالیٰ کا معاملہ ہے وہ اپنے فضل کے ساتھ اپنی خدائی کے شان کے موافق ایک گدا ذلیل حقیر کو قبول کرلیتا ہے جیساکہ دیکھا جاتا ہے کہ دعاؤں کا قبول ہونا بھی فضل ہی پر موقوف ہے جس سے بائبل بھری ہوئی ہے - پھر آپ فرماتے ہیں کہ اگرچہ مسیح میں اور کچھ بھی زیادتی نہیں صرف ایک انسان ہے جیسے اور انسان ہیں - اور خدا تعالیٰ وہی علاقہ عام طور کا اس سے رکھتا ہے جو اوروں سے رکھتا ہے - لیکن کفارہ سے اور مسیح کے آسمان پر جانے سے اور اسکے بے باپ پیدا ہونے سے اسکی خصوصیت ثابت ہوتی ہے اس قول سے مجھے بڑا تعجب پیدا ہوا کیا دعویٰ کا پیش کرنا آپ کی کچھ عادت ہے ہم لوگ کب اسبات کو مانتے ہیں کہ مسیح جی اُٹھا ہاں حضرت مسیح کا وفات پاجانا قرآن شریف کے کئی مقام میں ثابت ہے لیکن اگر جی اُٹھنے سے روحانی زندگی مُراد ہے تو اسطرح سے سارے نبی جیتے ہیں مُردہ کون ہے - کیا انجیل میں نہیں لکھا کہ حواریوں نے حضرت موسیٰ اور الیاس کو دیکھا اور ایسا کہا کہ اے اُستاد اگر فرماویں - تو آپ کے لئے جدا خیمہ اور موسیٰ کے لئے جدا اور الیاس کے لئے جدا کھڑا کیا جائے - پھر اگر

تمام کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رحم بامبادلہ کی کچھ ضرورت نہیں -

اگر جی اُٹھنے سے روحانی زندگی مراد ہے تو یہ پھر سارے انبیاء میں موجود ہے -

۱۲۹

حضرت موسیٰ مُردہ تھے تو نظر کیوں آ گئے کیا مُردہ بھی حاضر ہو جایا کرتے ہیں۔ پھر اسی انجیل میں لکھا ہُوا ہے کہ لعاذر مرنے کے بعد حضرت ابراہیم کی گود میں بیٹھایا گیا۔ اگر حضرت ابراہیم مردہ تھے تو کیا مردہ کی گود میں بٹھایا گیا۔ واضح رہے کہ ہم حضرت مسیح کی اس زندگی کی خصوصیت کو ہرگز نہیں مانتے۔ بلکہ ہمارا یہ مذہب موافق کتاب و سنت کے ہے جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حیات اقوی اور اعلے رکھتے ہیں اور کسی نبی کی ایسے اعلےٰ درجہ کی حیات نہیں ہے۔ جیسے آنحضرت صلعم کی۔ چنانچہ ہمنے کئی دفعہ آنحضرتؐ کو اسی بیداری میں دیکھا ہے باتیں کی ہیں۔ مسایل پوچھے ہیں۔ اگر حضرت مسیح زندہ ہیں تو کیا کبھی کسی نے آپ لوگوں میں سے بیداری میں ان کو دیکھا ہے پھر آپ کا یہ فرمانا کہ آنحضرت مسیح روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے مظہر اللہ نہیں تھے۔ یہ اقبالی ڈگری ہے۔ آپ نے مان لیا ہے کہ تیس برس تک تو حضرت مسیح خالص انسان تھے۔ مظہر وغیرہ نام و نشان نہ تھا۔ پھر تیس برس کے بعد جب روح القدس کبوتر کی شکل ہو کر اُن میں اُترا تو پھر مظہر اللہ بنے ہیں۔ ہم اسجگہ اسوقت شکر کرتا ہوں کہ آج کے دن ایک فتح عظیم ہمکو میسر آئی کہ آپ نے خود اقرار کر لیا کہ تیس برس تک حضرت مسیح مظہر اللہ ہونے سے بالکل بے بہرہ رہے نرے انسان تھے اب بعد اسکے یہ دعویٰ کرنا کہ پھر کبوتر اُترنے کے بعد مظہر اللہ بن گئے۔ یہ دعویٰ ناظرین کی توجہ کے لایق ہے۔ کیونکہ اگر روح القدس کا اُترنا اِنسان کو خدا اور مظہر اللہ بنا دیتا ہے تو حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا حضرت یوسف حضرت یوشع بن نون اور کل حواری خدا ٹھیر جائیں گے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ کیا مجسم ہونے سے وزنی ہو سکتا ہے۔ یہ عجیب سوال ہے کیا آپ کوئی ایسا جسم پیش کر سکتے ہیں۔ کہ اُسکو جسم تو کہا جائے مگر جسمانی لوازمات سے بالکل مبرا ہو مگر شکر یہ تو آپ نے مان لیا کہ آپ کے باپ اور بیٹا اور روح القدس تینوں مجسم ہیں۔ پھر آپ فرماتے ہیں کثرت فی الوحدت اور وحدت میں کوئی تضاد نہیں ایک جگہ پائی جاتی ہیں یعنے بلحاظ جہات مختلفہ کے یہ آپ کا خوب جواب ہے۔ سوال تو یہ تھا کہ ان دونوں میں سے آپ حقیقی کسکو مانتے ہیں آپ نے اسکا کچھ بھی جواب نہ دیا۔ پھر آپ دعویٰ کے طور پر فرماتے ہیں کہ آسمان کے نیچے دوسرا نام نہیں جس سے نجات ہو اور نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ مسیح گناہ سے پاک تھا اور دوسرے نبی گناہ سے پاک نہیں۔ مگر تعجب کہ حضرت مسیح نے کسی مقام میں نہیں

فرمایا کہ میں خدا تعالےٰ کے حضور میں ہر ایک قصور اور ہر ایک خطا سے پاک ہوں اور
یہ کہنا حضرت مسیح کا کہ کون تم میں سے مجھ پر الزام لگا سکتا ہے یہ الگ بات ہے۔
جس کا یہ مطلب ہے کہ تمہارے مقابل پر اور تمہارے الزام سے میں مجرم اور مفتری
نہیں ٹھہر سکتا۔ لیکن خدا تعالےٰ کے حضور میں حضرت مسیح صاف اپنے تقصیروار ہونے
کا اقرار کرتے ہیں۔ جیسا کہ متی باب ۱۹ سے ظاہر کہ انہوں نے اپنے نیک ہونیسے انکار
کیا۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن اور انجیل دونوں کلام خدا ہو کر پھر دو مختلف طریقے
نجات کے کیوں بیان کرتے ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ جو قرآن کے مخالف انجیل کے حوالہ
سے طریقہ بیان کیا جاتا ہے وہ صرف آپکا بے بنیاد خیال ہے۔ اب تک آپنے ثابت
کر کے نہیں دکھایا کہ حضرت مسیح کا قول ہے۔ انجیل میں تو نہ بالصراحت و نہ بالفاظ کہیں تثلیث
کا لفظ موجود ہے اور نہ رحم بلا مبادلہ کا قرآن کریم کی تصدیق کے لئے وہ حوالجات کافی ہیں
جو ابھی ہم نے پیش کئے ہیں۔ جبکہ قرآن اور عہد عتیق اور جدید کے بہت سے اقوال
بالاتفاق آپ کے کفارہ کے مخالف ٹھہرے ہیں تو کم سے کم آپ کو یہ کہنا چاہیئے کہ اس
عقیدہ میں آپ سے غلط فہمی ہو گئی ہے۔ کیونکہ ایک عبارت کے معنے کرنے میں کبھی
انسان دھوکا بھی کھا جاتا ہے۔ جیسا آپ فرماتے ہیں کہ آپ کے بھائیوں رومن کیتھولک
اور یونی ٹیرین نے انجیل کے سمجھنے میں دھوکا کھایا ہے اور وہ دونوں فریق آپ کو
دھوکا پر سمجھتے ہیں۔ پھر جب گھر میں ہی پھوٹ ہے تو پھر آپکا اتفاقی مسئلہ کو چھوڑ
دینا اور اختلافی خبر کو پکڑ لینا کب جائز ہے۔ (باقی آئندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ	هنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
ازجانب اہل اسلام	ازجانب عیسائی صاحبان

دسواں پرچہ

مباحثہ یکم جون ۱۸۹۳ء

روئیداد

آج پھر جلسہ منعقد ہوا۔ اور ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۶ بجے ۸ منٹ پر سوال لکھنا شروع کیا اور ۷ بجے ۴۰ منٹ پر ختم کیا۔ اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ بعدہ میرزا صاحب نے ۸ بجے ایک منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا۔ اور ۹ بجے ایک منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ بعد اسکے ڈپٹی صاحب نے ۹ بجے ۲۷ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ۶ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا بعد ازاں تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط ہو کر جلسہ برخاست ہو۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

میں نے کل کے بیانات فریق ثانی میں دو صدائیں عجیب و غریب سنی ہیں۔ یعنی ایک یہ کہ گویا میں نے آپکے کسی امر کا جواب نہیں دیا۔ دوسرا یہ کہ گویا مینے اقبال کیا ہے کہ اقنوم ثانی الوہیت سے مسیح کی انسانیت تیس برس تک خالی رہی ہے اگر یہ غلط فہمی ہے تو ان دو امروں کی اصلاح اسوقت میں کرتا ہوں۔ پہلی غلطی کا میرا یہ جواب ہے کہ بعد طبع ہونے مباحثہ کل کے عام کے سامنے وہ رکھا جائیگا کہ منصف مزاج آپ ہی فیصلہ کرلیں گے کہ میں نے جواب نہیں دیا کہ فریق ثانی نے جواب نہیں دیا۔ دوسرے کر بارہ میں میرا جواب یہ تھا کہ مسیحیت میں خصوصیت مظہریت کی نمودار اسوقت ہوئی کہ جب وہ بپتسما پاکر پانی میں سے نکلا اور جسوقت یہ صدا آئی کہ یہ میرا پیارا

بیٹا ہے میں اس سے راضی ہوں تم اُسکی سنو۔ اسوقت سے وہ مسیح ہؤا۔ پس ان دونوں صداؤں میں مشابہ پھوٹے ڈھول یا پھٹے نقارہ کے قرار دیتا ہوں۔

دوئم - فریق ثانی نے یقیناً میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ کہ تقاضائے عدل الٰہی کیونکر پورا ہؤا اور نہ اُس کے عدل کا کچھ لحاظ فرمایا۔ اِسی لئے میں اس سوال پر اور کچھ نہ کہتا ہوں نہ سُنتا ہوں باقی سوال جو میرے ہیں اُن کو پیش کرتا ہوں منجملہ ان سوالوں کے پہلا سوال میرا یہ ہے۔ (سیپارہ ۴ رکوع ۷) یقولون ھل لنا من الامر من شئ قل ان الامر کلہ للہ کہتے ہیں کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ کہہ کہ سب کام ہیں اللہ کے ہاتھ انجیل میں ایسا تو لکھا ہے کہ بڑی وجہ جس کا ترجمہ قریب قریب لفظ وسعت سے ہو سکتا ہے۔ منجانب اللہ کے بخشے جاتے ہیں چنانچہ کسی کو ظرف یا عضو عزت کا بنایا گیا ہے اور کسیکو ذلت کا۔ پھر کسیکو مخدوم ہونا بخشا گیا ہے۔ اور کسیکو خادم ہونا۔ لیکن جہنم کسی کے نصیب نہیں کہا گیا۔ اور نہ تباہ شدنی کسیکو ٹھیرایا گیا ہے۔ اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ فرعون کو اسی لئے برپا ہونے دیا گیا۔ (اصل لفظ ہی برپا کیا گیا۔ (مراد اسکی ہے برپا ہونے دیا گیا) تاکہ اسمیں جلال صفات الٰہی کا زیادہ ہو۔ لیکن یہ نہیں لکھا کہ انسان کو کچھ بھی اختیار نہیں تاہم اسکے عملوں پر مواخذہ ہے۔ غرضیکہ قرآن و انجیل کی تعلیم میں یہ فرق ہے کہ قرآن تو اختیار انسانی کے متناقص تعلیم دیتا ہے۔ اور انجیل بڑی وجہوں میں اور برتنوں میں اختیار فعل مختاری انسان کا نقیض نہیں کرتی اور اگرچہ قرآن میں ساتھ جبر کے قدر بھی ہے لیکن یہ دونوں باہم متفق نہیں ہو سکتے۔

تیسرا سوال ہمارا یہ ہے کہ جب کہ قرآن کی (سورہ توبہ) قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون (رکوع ۴) میں یوں لکھا ہے کہ قتل کرو اُن کو جو اللہ اور دن قیامت کو نہیں مانتے اور نہ حرام کرتے اس شے کو اپنے اوپر جس کو اللہ و رسول نے حرام کیا۔ منجملہ ان کے جو اہل کتاب ہیں جب تک دیتے رہیں جزیہ اپنے ہاتھوں سے اور ذلیل رہیں اسمیں ایمان بالجبر کا ہمارا الزام ہے موسٰے کے جہاد اور قسم کے تھے۔ اُن میں سے امان منحصر بہ ایمان کوئی نہ دکھلا سکے گا۔ اور یہاں آیت مذکورہ میں نہ دفعیہ کا جہاد ہے

نہ انتقام کا جہاد بلکہ وہ جہاد ہے جو اصول قرآنی کو نہ مانے وہ مارا جائے۔ اسیکا نام ہے ایمان بالجبر۔ ہمارے مکرم سرسید احمد خان بہادر نے جہاد بالجبر کو نہیں مانا۔ انکا فرمانا یہ ہے کہ یا مانو یا مرو یا جزیہ گذار ہوکر جیتے رہو۔ لیکن بابت تیسری شرط یعنے جزیہ کے ہمارا سوال ان سے یہ ہے کہ متعلق اہل کتاب کے اس لفظ کو کیوں لکھا مِنَ الَّذِیْنَ میں لفظ مِن کا فاضل ہے اور اہل کتاب کا لفظ سارے اسکے متن سے مستثنےٰ ہے۔ پھر یہ کیا خوش فہمی نہیں کہ اس تیسری شرط کو بھی عامہ قرار دیا جائے۔ اور وہ صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جملہ لا اکراہ فی الدین سے سارا اعتراض ایمان بالجبر کا باطل ہوجاتا ہے لیکن اگر ہم دِکھلا سکیں کہ قرآن میں یہ حکم بھی ہے کہ اے مُسلمانوں جب تمہارے سامنے کوئی سفید پوش آوے اور تم کو سلام علیک کرے تو تم اسکے کپڑے اوتار لینے کے واسطے یوں مت کہو کہ تو مکار ہے درحقیقت مُسلمان نہیں خدا تم کو دولت اور طرح بہت دیدیگا۔ تو کیا یہ اکراہ نہیں کہ بہتان مکاری اسکے کپڑے اوتار لیویں اور کیا یہ پالیسی کے برخلاف نہیں جو ترقی دین کو روک دیتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور بھی چند شق اس امر کے ہیں جو سمت مخالف سے پیش ہوسکتے ہیں۔ جن کے پیش ہونے پر ہم اسکا جواب دیں گے۔

سوم۔ نمونہ تعلیمات قرآن کا تو یہ ہے جو اوپر عرض ہوا تسپر معجزات کا خفیف سایہ دہ بھی کچھ نہیں جو کچھ دھوکا دے سکے چنانچہ محمدؐ صاحب کو صاحب معجزہ ہونیکا انکار مطلق ہے۔

بعض محمدی صاحبان فاتوا بسورۃ من مثلہ میں ایک بڑا معجزہ فصاحت وبلاغت کا بیان کرتے ہیں۔ مگر کس امر میں مثال طلب کیجاتی ہے اس آیۃ میں اسکا ذکر کچھ نہیں۔ فصاحت وبلاغت کے دعوی کا قرآن میں کہیں لفظ تک نہیں۔ غالباً مراد قرآنی اس دعوے میں یہ ہے کہ از انجا قرآن خلاصہ کتب انبیاء سلف کا ہے جن کو خدا کے سوا کوئی مخلوق نہیں بنا سکتا۔ لہذا وہ بھی یعنے قرآن بے مثل ہے یعنے اسمیں تقدس تعلیمات کا دعویٰ ہے فصاحت بلاغت کا نہیں بلکہ برخلاف فصاحت وبلاغت کے قرآن میں یوں بھی لکھا ہے کہ وہ آسان کیا گیا عربی زبان میں واسطے اہل عرب کے۔ اور جو فصاحت بلاغت جدید مطلق ہووے تو وہ محتاج تلقین کی ہوجاتی ہے اور آسانی کے برخلاف آسان نہیں رہتے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ بروئے قرآن محمدؐ صاحب اُمّی محض نہ تھے۔ بلکہ قرآن میں لکھا ہے کہ جو اہل کتاب نہیں

وہ اُمّی ہے اور فی الواقع علم عبرانی اور یونانی کا آنجناب کو حاصل نہیں معلوم ہوتا۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ لفظ کتاب کا باصطلاح قرآنی علے العموم بمعنے کتاب الہامی کے ہے کتاب دنیاوی نہیں

چوتھا جناب نے میرے کل کے ایک سوال کا جواب پورا نہیں دیا۔ جسمیں میرا استفسار تھا کہ مسیح کی پیدائش معجزہ ہی تھی یا نہیں یعنے باپ اسکا نہیں تھا یا تھا۔ فرشتہ خاصکر جبرئیل مریم آپ کی والدہ کے پاس خوشخبری لائے تھے یا نہیں۔ اور وہ جو جناب اپنی روایت کا ذکر فرماتے ہیں کہ محمد صاحب سے وہ ہمکلام ہو گئے ہیں ہمارے نزدیک اسکا ثبوت جناب کے پیشوا کے معراج سے کچھ زیادہ نہیں معلوم ہوتا۔ نیز یہ بھی ہمارا استفسار ہے کہ جناب یونی ٹیرین اور کیتھلک کو ہمارے اوپر حاکم کیوں بناتے ہیں وہ مسیحی تو کہلاتے ہیں مگر ہم ان کو بدمعنے مسیحی کہتے ہیں ہمارے آرچ بشپ ڈپٹی صاحب نے جب حلقہ اسطرح کا کھینچا کہ دین مسیح کہاں تک مؤثر ہے تو انہوں نے تو اہل اسلام کو بھی مسیحیوں میں گنا ہے اور دلایل اسکے قرآن سے دیئے ہیں لیکن ہم انکو صحیح مسیحی نہیں مان سکتے۔

(باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

بیان حضرت میرزا صاحب

یکم جون ۱۸۹۳ء

بیان حضرت میرزا صاحب

ڈپٹی صاحب کا قول کہ مسیح تیس برس تک مظہر اللہ سے خالی رہے

ڈپٹی صاحب اوّل یہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسبات کا اقبال نہیں کیا کہ اقنوم ثانی یعنے حضرت مسیح تیس برس تک مظہر اللہ ہونے سے خالی رہے۔ اِسکے جواب میں صرف ڈپٹی صاحب موصوف کی عبارت مرقومہ ۳۱ مئی ۱۸۹۳ء کو سامنے رکھدینا کافی ہے اور وہ یہ ہے۔

ششم۔ جناب جو پوچھتے ہیں کہ مظہر اللہ مسیح بعد نزول روح القدس کے ہوئے یا ما بعد اسکے ہمارا اسجگہ پر جواب قیاسی ہے کہ روح القدس کے نازل ہونے کے وقت ہوئے اب سوچنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ کیا اس عبارت کے بجز اسکے کوئی اور بھی معنے ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیح روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے جو کبوتر کی شکل میں اُن پر نازل ہوا مظہر اللہ نہیں تھے۔ پیچھے سے مظہر اللہ بنے۔ پھر جب مظہر اللہ کے مطلق نفی

بغیر کسی استثنا کے ڈپٹی صاحب موصوف نے کر دی تو کیا بجز اسکے کوئی اور بھی معنے ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیح کبوتر نازل ہونے سے پہلے صرف انسان تھے کیونکہ مظہر اللہ کا لفظ کسی تقسیم اور تجزیہ کے قابل نہیں اور اُن کی عبارت سے ہرگز یہ نکلتا نہیں کہ مخفی طور پر پہلے مظہر اللہ تھے اور پھر علانیہ طور پر ہو گئے وہ تو صاف فرما رہے ہیں کہ بعد روح القدس کے مظہر اللہ ہوئے - اب یہ دوسرا بیان پہلے بیان کی تفصیل نہیں ہے بلکہ صریح اسکے مخالف اور اسکا ضد پڑا ہوا ہے اور اقرار کے بعد انکار کرنا انصاف پسندوں کا کام نہیں - بلاشبہ وہ اقرار کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح تیس برس تک مظہر اللہ ہونے سے بالکل بے بہرہ اور بے نصیب تھے - کیونکہ ہمارا سوال تھا کہ روح القدس کے نازل ہونیسے پہلے مظہر اللہ تھے - یا بعد اسکے ہوئے تو آپ نے قطعی طور پر بعد کو اختیار کیا - اور صاف طور پر اقرار کر لیا کہ بعد میں مظہر اللہ بنے - اب اسمیں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں جب عام میں یہ سوال پھیلے گا اور پبلک کے سامنے آئیگا تو خود لوگ سمجھ لیں گے کہ ڈپٹی صاحب نے یہ اقرار کے بعد انکار کیا ہے یا کوئی اور صورت ہے اور اب وہ یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ اسپارہ میں جو کچھ ہم نے کہنا تھا وہ کہدیا - بعد اسکے کچھ نہیں کہیں گے - مگر افسوس کہ انہوں نے یہ طرز حق پرستوں کی اختیار نہیں کی - معلوم ہوتا ہے کہ انکو دوسروں کی تحریک اور نکتہ چینی سے بعد میں فکر پڑی کہ ہمارے اس قول سے مسیح کا انسان ہونا اور مظہر اللہ سے تیس برس تک خالی ہونا ثابت ہو گیا - تو پھر اس مصیبت پیش آمدہ کی وجہ سے آج انہوں نے یہ تاویل رکیک پیش کی - مگر درحقیقت یہ تاویل نہیں - بلکہ صاف صاف اور کھلے کھلے لفظوں میں انکار ہے پھر بعد اسکے ڈپٹی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میرے سوال کا جواب نہیں آیا - یعنے تقاضائے عدل کیونکر پورا ہو - میں نے کل کے بیان میں صاف لکھا دیا تھا کہ آپکا یہ دعویٰ کہ رحم اور عدل دونوں دوش بدوش اور خدا تعالےٰ کے لئے ایک ہی وقت میں لازم پڑے ہوئے ہیں یہ غلط خیال ہے پھر مکرر کچھ لکھتا ہوں کہ رحم قانون قدرت کی شہادت سے اول مرتبہ پر ہے اور دائمی اور عام معلوم ہوتا ہے - لیکن عدل کی حقیقت قانون الٰہی کے نازل ہونیکے بعد اور وعدہ کے بعد متحقق ہوتی ہے - یعنے وعدہ کے پہلے عدل کچھ بھی چیز نہیں اسوقت تک کہ بہت کام کرتی ہے اگر وعدہ سے پہلے عدل کچھ چیز ہے تو ڈپٹی صاحب ہمارے کل کے سوال کا ذرہ متنبہ ہو کر جواب دیویں کہ ہزاروں لاکھوں الناس کے بچے اور پرند اور چرند اور کیڑے مکوڑے بوجہ ہلاک کئے جاتے ہیں یہ وہ باوجود عدل کی دائمی صفت کے کیوں کئے جاتے ہیں

ڈپٹی صاحب نے اقرار کے بعد انکار کیا -

جاتے ہیں اور بموجب آپکے قاعدہ کے کیوں عدل اُن کے متعلق نہیں کیا جاتا ہے اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر کسی چیز کا حق نہیں ہے۔ اِنسان اپنے حق سے بہشت کو بھی نہیں پا سکتا۔ صرف وعدہ سے یہ مرتبہ شروع ہوتا ہے جب کتاب الٰہی نازل ہو چکتی ہے اور اسمیں وعدے بھی ہوتے ہیں اور وعید بھی ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ وعید کی رعایت سے ہر ایک نیک و بد سے معاملہ کرتا ہے۔ اور جبکہ عدل فی ذاتہٖ کچھ بھی چیز نہیں بلکہ وعدہ وعید پر تمام مدار ہے اور خداوند تعالےٰ کے مقابل پر کسی چیز کا کوئی بھی حق نہیں تو پھر عدل کیونکر رکھا جاوے عدل کا مفہوم ضرور اِسبات کو چاہتا ہے کہ اول جانبین میں حقوق قرار دیئے جائیں۔ لیکن مخلوق کا خدا تعالیٰ پر جس نے عدم محض سے اُسکو پیدا کیا کوئی حق نہیں ورنہ ایک کتا مثلاً کہہ سکتا ہے کہ مجھکو بیل کیوں نہیں بنایا۔ اور بیل کہہ سکتا ہے کہ مجھ کو اِنسان کیوں نہیں اور چونکہ یہ جانور اسی دنیا میں جہنم کا نمونہ بھگت رہے ہیں۔ اگر عدل خدا تعالےٰ پر ایک لازمی صفت تھوپ دیجائے تو ایسا سخت اعتراض ہوگا کہ جسکا جواب آپسے کسی طور پر نہ بن پڑیگا۔ پھر آپ نے جبر قدر کا اعتراض پیش کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ قرآن سے جبر ثابت ہوتا ہے اسکے جواب میں واضح ہو کہ شائد آپ کی نظر سے یہ آیات نہیں گزریں جو انسان کے کسب و اختیار پر صریح دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ ہیں۔

وان لیس للانسان الا ما سعیٰ (سیپارہ ۲۷ رکوع ۳) کہ اِنسان کو وہی ملتا ہے جو سعی کرتا ہے جو اس نے کوشش کی ہو یعنے عمل کرنا اجر پانے کے لئے ضروری ہے۔ پھر فرماتا ہے ولو یؤاخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علی ظہرھا من دابۃ (سیپارہ ۲۲ رکوع ۵) یعنے خدا اگر لوگوں کے اعمال پر جو اپنے اختیار سے کرتے ہیں اُن کو پکڑتا تو کوئی زمین پر چلنے والا نہ چھوڑتا اور پھر فرماتا ہے لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت (سیپارہ ۳ رکوع ۴) اسکے لئے جو اُسنے کام اچھے کئے اور اس پر جو اُسنے بُرے کام کئے پھر فرماتا ہے من عمل صالحا فلنفسہ (سیپارہ ۲۴ رکوع ۶) جو شخص اچھا کام کرے سو اسکے لئے اور جو بُرا کرے وہ اسکے لئے پھر فرماتا ہے فکیف اذا اصابتہم مصیبتہ بما قدمت ایدیہم (سیپارہ ۹ رکوع ۶) یعنی کس طرح جسوقت پہنچے انکو مصیبت بوجہ ان اعمال کے جو اُن کے ہاتھ کر چکے ہیں۔ اب دیکھئے ان تمام آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے کاموں میں اختیار بھی رکھتا ہے اور اس جگہ ڈپٹی صاحب نے جو یہ آیت پیش کی ہے یقولون ھل لنا من الامر من شئی اور اس سے انکا مدعا یہ ہے کہ اس سے جبر ثابت ہوتا ہے یہ انکی غلط فہمی ہے دراصل بات یہ ہے کہ امر کے معنے حکم اور حکومت کے ہیں اور یہ بعض ان لوگوں کا خیال تھا جنہوں نے کہا کہ کاش اگر

عدل کا مفہوم چاہتا ہے کہ جانبین میں حقوق قرار دیئے جائیں مگر مخلوق کا خدا تعالیٰ پر کوئی حق نہیں۔

قرآن سے انسان کے کسب اور اختیار کا ثبوت

ھل لنا من الامر من شئی کی تفسیر

حکومت میں ہمارا دخل ہوتا تو ہم ایسی تدابیر کرتے جس سے یہ تکلیف جو جنگ احد میں آئی ہے پیش نہ آتی - اسکے جواب میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے قل ان الامر کلہ للہ یعنی تمام امر خدا تعالےٰ کے اختیار میں ہیں - تمہیں اپنے رسول کریم کا تابع رہنا چاہیئے - اب دیکھنا چاہیئے کہ اس آیت کو قدر سے کیا تعلق ہے سوال تو صرف بعض آدمیوں کا اتنا تھا کہ اگر ہماری صلاح اور مشورہ لیا جاوے تو ہم اسکے مخالف صلاح دیں - تو اللہ تعالےٰ نے ان کو منع فرمایا کہ اس امر کی اجتہاد پر بنا نہیں یہ تو اللہ تعالےٰ کا حکم ہے پھر بعد اسکے واضح رہے کہ تقدیر کے معنے صرف اندازہ کرنا ہے

تقدیر کا معنے اندازہ

جیسے کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے وخلق کل شیٔ فقدرہ تقدیرا (س ١٨ ر١) یعنی ہر ایک چیز کو پیدا کیا تو پھر اسکے لئے ایک مقرر اندازہ ٹھیرا دیا - اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے اختیارات سے روکا گیا ہے - بلکہ وہ اختیارات بھی اسی اندازہ میں آگئے - جب خدا تعالیٰ نے انسانی فطرت اور انسانی قوے کا اندازہ کیا تو اسکا نام تقدیر رکھا - اور اسی میں یہ مقرر کیا کہ فلان حد تک انسان اپنے اختیارات برت سکتا ہے یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ تقدیر کے لفظ کو ایسے طور پر سمجھا جائے کہ گویا انسان اپنی خداداد قوے سے محروم رہنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے اسجگہ تو ایک گھڑی کی مثال ٹھیک آتی ہے کہ گھڑی کا بنانیوالا جس حد تک اسکا دَور مقرر کرتا ہے اس حد سے وہ زیادہ چل نہیں سکتی - یہی انسان کی مثال ہے کہ جو قوے اسکو دیئے گئے ہیں اُن سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتا اور جو عمر دی گئی ہے اس سے زیادہ جی نہیں سکتا - اور یہ سوال کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں جبر کے طور پر بعضوں کو جہنمی ٹھیرا دیا ہے اور خواہ نخواہ شیطان کا تسلط ان پر لازمی طور پر رکھا گیا ہے یہ ایک شرمناک غلطی ہے اللہ جلشانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے ان عبادی لیس لک علیہم سلطان کہ اے شیطان میرے بندوں پر تیرا کچھ بھی تسلط نہیں - دیکھئے کسطرح پر اللہ تعالیٰ انسان کی آزادی ظاہر کرتا ہے منصف کے لئے اگر کچھ دل میں انصاف رکھتا ہو تو یہی آیت کافی ہے - لیکن انجیل متی سے تو اسکے برخلاف ثابت ہوتا ہے - کیونکہ انجیل متی سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے کہ شیطان حضرت مسیح کو آزمائش کے لئے لیگیا تو یہ ایک قسم کی حکومت شیطان کی ٹھیری کہ ایک مقدس نبی پر اس نے اسقدر جبر کیا کہ وہ کئی جگہ اسکو لئے پھرا یہاں تک کہ بے ادبی کی راہ سے اسے یہ بھی کہا کہ تو مجھے سجدہ کر اور ایک بڑے اونچے پہاڑ پر لیگیا اور دنیا کی ساری بادشاہتیں اور انکی شان و شوکت اسے دکھلائیں دیکھو متی ۴ ب اور پھر غور کر کے دیکھو کہ اس جگہ پر شیطان کیا بلکہ خدائی جلوہ دکھلایا گیا ہے کہ اوّل

انسان اپنے قوے سے زیادہ کام نہیں کرسکتا

انجیل سے ثابت ہے کہ شیطان کی حکومت انسان پر ہے

وہ بھی اپنی مرضی سے مسیح کی خلاف مرضی ایک پہاڑ پر اسکو لیگیا اور دنیا کی بادشاہتیں دکھا دینا خدا تعالےٰ کیطرح اسکی قوت میں ٹھیرا - اور بعد اسکے واضح ہو کہ یہ بات جو آپکے خیال میں جم گئی ہے کہ گویا قرآن کریم نے خواہ نخواہ بعض لوگوں کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے یا خواہ نخواہ دلوں پر مہریں لگا دیتا ہے یہ اسبات پر دلیل ہے کہ آپ لوگ کبھی انصاف کی پاک نظر کے ساتھ قرآن کریم کو نہیں دیکھتے - دیکھو اللہ جلشانہ کیا فرماتا ہے لاملئن جہنم منک و ممن تبعک منہم اجمعین (سیپارہ ۲۳ رکوع ۵) یعنی شیطان کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میں جہنم کو تجھ سے اور ان لوگوں سے جو تیری پیروی کریں بھرونگا - دیکھئے اس آیت سے صاف طور پر کہل گیا - اللہ تعالیٰ کا یہ منشا نہیں ہے کہ خواہ نخواہ لوگوں کو جبر کے طور پر جہنم میں ڈالے بلکہ جو لوگ اپنی بداعمالیوں سے جہنم کے لائق ٹھیریں انکو جہنم میں گرایا جاویگا اور پھر فرماتا ہے یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا و ما یضل بہ الا الفاسقین یعنی بہتوں کو اس کلام سے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو یہ ہدایت دیتا ہے مگر گمراہ اُن کو کرتا ہے جو گمراہ ہونیکے کام کرتے ہیں - اور فاسقانہ چالیں چلتے ہیں - یعنی انسان اپنے ہی افعال کا نتیجہ خدا تعالیٰ سے پا لیتا ہے - جیسے ایک شخص آفتاب کے سامنے کی کھڑکی جب کھول دیتا ہے تو ایک قدرتی اور فطرتی امر ہے کہ آفتاب کی روشنی اور اسکی کرنیں اس کے مُنھ پر پڑتی ہیں - لیکن جب وہ اس کھڑکی کو بند کر دیتا ہے تو اپنے ہی فعل سے اپنے لئے اندھیرا پیدا کر لیتا ہے چونکہ خدا تعالیٰ علت العلل ہے بوجہ اپنے علت العلل ہونیکے ان دونوں فعلوں کو اپنی طرف منسُوب کرتا ہے لیکن اپنی پاک کلام میں اسنے بارہا تصریح سے فرما دیا ہے کہ جو ضلالت کے اثر کسی کے دل میں پڑتے وہ اسی کی بداعمالی کا نتیجہ ہوتے ہیں - اللہ تعالےٰ اسپر کوئی ظلم نہیں کرتا - جیسا فرماتا ہے - فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبہم (سیپارہ ۲۸ رکوع ۹) پس جبکہ وہ کج ہو گئے تو اللہ تعالےٰ نے اُن کے دلوں کو کج کر دیا - پھر دوسرے مقام میں فرماتا ہے فی قلوبہم مرض فزادھم اللہ مرضا ان کے دلوں میں مرض مخفی خدا تعالےٰ نے اس مرض کو زیادہ کیا یعنے امتحان میں ڈالکر اسکی حقیقت ظاہر کر دی - پھر فرماتا ہے بل طبع اللہ علیہا بکفرھم یعنی خدا تعالیٰ نے بباعث ان کی بے ایمانیوں کے ان کے دلوں پر مہریں لگا دیں - لیکن یہ جبر کا اعتراض اگر ہو سکتا ہے تو آپ کی کُتب مقدسہ پر ہوگا - دیکھو خروج ۴/۲۱ خدا نے موسیٰ کو کہا میں فرعون کا دل سخت کروں گا اور جب سخت ہوا تو اسکا نتیجہ جہنم ہے یا کچھ اور ہے دیکھو خروج ۴/۳ امثال باب ۱۶/۴

لوگ خود اپنے آپکو جہنم کے لائق ٹھیراتے ہیں

جبر کا اعتراض عیسائیوں کی کتب مقدسہ پر ہے

پھر خروج ۱۴ استثنا ۲۹ خدا نے تم کو وہ دل جو سمجھے اور آنکھیں جو دیکھیں اور وہ کان جو سنیں آج تک نہ دیئے۔ اب دیکھئے کیسے جبر کی صاف مثال ہے۔ پھر دیکھو زبور ۱۱۵ اس نے ایک تقدیر مقدر کی جو ٹل نہیں سکتی رومیان ۹ کاریگری کا کاریگر پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ اب ان تمام آیات سے آپکا اعتراض الٹ کر آپ ہی پر پڑا۔ اور پھر بعد اسکے آپ نے جہاد پر اعتراض کر دیا ہے۔ مگر یہ اعتراض طریق مناظرہ کے بالکل مخالف ہے اور آپ کی شرایط میں بھی یہی درج تھا کہ نمبروار سوالات ہوں گے۔ بجز اسکے کیا مطلب تھا کہ پہلے سوال کا جواب ہو جائے تو پھر دوسرا پیش ہو اور خبط مبحث نہو اور آپ کے پہلے سوال کا جواب جو آپ نے عدل پر کیا کچھ نتیجہ رہ گیا تھا۔ وہ یہ ہے کہ آپ کے اس خود ساختہ قانون کو حضرت مسیح توڑتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے بیان کے مطابق نجات کا مدار وعدوں پر رکھتے ہیں اور احکام الٰہی جن کی جزا وعدہ کے طور پر بیان کی گئی پیش کرتے ہیں جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ مبارک وے جو غمگین ہیں۔ کیونکہ وہ تسلی پائیں گے۔ مبارک وے جو رحم دل ہیں کیونکہ ان پر رحم کیا جاویگا۔ مبارک وے جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔ اب آپ کیا فرماتے ہیں کہ یہ وعدے جو غمگینوں اور رحمدلوں اور پاک دلوں کے لئے وعدہ کئے گئے تھے یہ پورے ہوں گے یا نہیں۔ اگر پورے ہوں گے تو اسجگہ تو کسی کفارہ کا ذکر تک بھی نہیں۔ اور اگر پورے نہیں ہوں گے تو تخلف وعدہ ٹھیرا جو خدا تعالیٰ کی ہدایتوں کی نسبت تجویز کرنا ایک سخت گناہ ہے۔ غرض ہم نے آپکے رحم بلامبادلہ کو قرآن شریف کی کامل تعلیم اور قانون قدرت اور آپکی کتب مقدسہ سے بخوبی رد کر دیا۔ اب ثابت شدہ امر کے برخلاف اگر ضد نہیں چھوڑیں گے تو منصفین خود دیکھ لیں گے کہ خدا تعالیٰ کی تمام تعلیمیں قانون قدرت کے موافق ہیں۔ اور بقول ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب قرآنی توحید ایسی صاف اور پاک اور مطابق قانون فطرت ہے جو بچے بھی اسکو سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن آپکا یہ مسئلہ تثلیث بچے تو کیا آجکل کے فلاسفر بھی خلاف عقل ٹھیراتے ہیں۔ تو پھر کیا وہ تعلیم جو انسانی فطرت کے مطابق اور قانون قدرت کے موافق اور ایسی چمکتی ہے کہ بچے بھی اسکو قبول کر لیتے ہیں۔ اور تمام مذاہب کے زوایڈ نکالکر وہی توحید باقی رہ جاتی ہے کیونکر رد کرنے کے لایق ٹھیرتی ہے اور آپکے سوال جہاد کا دوسرے موقعہ پر جواب دیا جاویگا مگر آپ نے اب مناظرہ کے برخلاف کیا جو سوال پر سوال کر دیا اسکو ناظرین خود دیکھ لیں گے۔

دستخط بحروف انگریزی غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب یکم جون ۱۸۹۳ء

از جانب ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

یکم جون ۱۸۹۳ء

۹/۲۷

جناب کا یہ فرمانا کہ مسیح تیس برس تک الوہیت سے خالی رہے بقول میرے یہ خوش فہمی ہے۔ میرا کہنا یہ ہی تھا کہ مسیحیت کے عہدہ پر وہ تب تک نہیں آئے اور یہ صحیح ہے باقی جو کچھ آپ نے فرمایا وہ زائد ہے۔ بے حدی سے خالی ہونا تو کسی کا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ مسیح اس سے خالی رہے۔ اقنوم ثانی کا جو رشتہ انسانیت سے ہے واسطے مسیحیت کے ہے اقنوم ثانی گو ساتھ الوہیت کے ہوتا ہم وہ مسیح نہیں تھا جب تک کہ تیس برس کا ہوا۔

مظہر اللہ کے معنے کیا ہیں اور کس مراد سے یہ کلمہ استعمال ہوا ہے۔ ہماری نظر میں تو یہ معنے ہیں جلائے ظہور اللہ کی اور واسطے عہدہ مسیحیت کے ہیں۔ پھر کیوں صاحب آپ تنازعہ کرتے ہیں۔ روح القدس برائے گواہی اس امر کے آیا کہ یہ بیٹا خدا کا ہے۔ خدا نے کہا میں اس سے راضی ہوں نہ اسلئے کہ اسوقت آنکر اسکے بیچمیں داخل ہوا۔

(۲) آپکے دوسرے امر کا جواب یہ ہے کہ جو چاہو آپ فرماؤ۔ لیکن اسکا جواب آپ نے نہیں دیا کہ تقاضائے عدل کا کیونکر پورا ہو۔ اگر آپ کے فرمانے کا یہ مطلب ہے کہ تقاضائے عدل کچھ شئے نہیں ہے تو ہمارا آپ سے اس صداقت اولے پر اتفاق نہیں۔

(۳) آپ فرماتے ہیں کہ جبر قرآن سے ثابت نہیں مجھے اسمیں حیرانی ہے کہ آپ اس آیت کے لفظوں کی طرف توجہ نہیں فرماتے جس میں لکھا ہے کہ کہتے ہیں کہ کچھ بھی کام ہمارے ہاتھ میں ہے اور بجواب اسکے کہا جاتا ہے کہ کہدے سب کام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور آیات تو میں اس مقدمہ میں بہت قرآن سے دیکھتا ہوں۔ لیکن حاجت نہیں پھر آپکا عقیدہ اسمیں جو لکھا ہے والقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ خیر اور شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ نتیجہ منتخب قرآن سے ہے جو انجیل کی آیتوں کے اوپر آپ نے اپنا حاشیہ چڑھایا ہے سو صحیح نہیں۔ میں نے عرض کر دیا ہے کہ بدی کیواسطے خدا کی طرف سے پرمشن ہوتا ہے یعنے اجازت اور یہ دلچوں کے واسطے وہاں ہی تک حد ہے کہ جسمیں دوزخ اور بہشت کا

کچھ ذکر نہیں دنیا کے اندر کمی اور زیادتی وسعت کا ذکر ہے پھر اُن کو آپ مسئلہ قرآن کا کیونکر کہتے ہیں
میں تو کہتا ہوں کہ قرآن میں جبر اور قدر ہر دو ہیں۔ لیکن یہ امر ہر دو باہم متفق نہیں ہو سکتے۔
بلکہ ایکدوسکر کے نقیض ہیں جیسا کہ یہ کہنا کہ اختیار ہے بھی اور نہیں بھی صاف نقیض ہے۔

(۴) خداوند مسیح کی آزمایش میں شیطان نے جو انسانیت کا امتحان کیا ہے۔ آپکا
مطلب کیا ہے کچھ ظاہر نہیں اسمیں جبر و قدر کا علاقہ کیا ہے۔

آپکی مثال آفتاب کی نہ معلوم کیونکر برمحل ہے جب آپ کہتے ہیں کہ سبب ثانی کے فعال
بھی خداتعالےٰ اپنی طرف جو سبب اولےٰ ہے منسوب کرتا ہے نہ معلوم کیوں کرتا ہے کیا ضرورت
اسکی بھی سبب ثانی کے افعال ایسی صورت میں سبب اولےٰ سے منسوب ہو سکتی ہیں کہ جب
کچھ دخل سبب اولےٰ کا بھی اسمیں ہو۔

سبب اولےٰ نے ایک شخص کو فعل مختار بنایا۔ فعل مختاری درخود جب تک کچھ اس سے
ظہور نہ ہووے قابل مواخذہ کے نہیں لہذا وہ درحقیقت بُری بھی نہیں بلکہ بھلی ہے اور سبب
اولےٰ اگر اس میں دخل دیوے تو فعل مختاری کا نقیض ہو جاوے یہ خود اس کے منصوبہ فعل
مختار بنانے سے بعید ہے اسکے معنے ہم نے کردئیے ہیں کہ فرعون کا دل کیوں کو سخت کردیا۔
ہم نے اس کے معنے پہلے عرض کردیے۔ یعنی یہ کہ اُسکو بدی کرنے سے روکا نہیں اور
اپنے فضل کا ہاتھ اُس سے اُٹھالیا۔ اسیطرح سے اسکا دل سخت ہوگیا۔ پھر اُس میں
خداتعالےٰ نے کچھ نہیں کیا مگر اجازت روکنے کی نہیں دی اسکو ہمارے ہاں پرمشن کہتے
ہیں اور یہ کلام مجازی ہے کہ اُن کو آنکھیں دیکھنے کی نہیں دیں۔ یا کان سُننے کے نہیں
دیئے جس سے یہ مراد ہوئی کہ آنکھ اور کان رکھتے ہوئے جب وہ نہیں دیکھتے اور نہیں
سنتے کہ خداتعالےٰ نے ان کو روکا نہیں ایسا ہی کلام مجازیہ ہے کہ جس طرح باپ اپنے
لڑکے سے ناراض ہو کر کہتا ہے کہ تو مرجائے اسکے معنے یہ نہیں کہ وہ چاہتا ہے کہ وہ مرجائے
بلکہ یہ کہ اسکے افعال سے وہ ناراض ہے۔

(۵) میں نے دیکھا تھا کہ سوال چھوٹا ہے اور گنجایش دو کی ہے تو میں نے دو سوال
کردیئے آپ جب چاہیں اسکا جواب دے دیویں ہم آپ کو اسمیں عاجز نہ سمجھیں گے کہ آپنے
اسیوقت اسکا جواب نہیں دیا۔ اور پھر جب آپ جواب چاہیں گے ہمکا تکرار بھی کردیں گے

(۶) آپ جوان وعدوں میں کفارہ کا ذکر پوچھتے ہیں جو مسیح نے باب ۵ متی میں دیئے

اسمیں بڑا تعجب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ کیا سارے مضامین ایک ہی جگہ جمع کئے جاتے ہیں - اگر اسجگہ میں ذکر نہیں تو بہت جگہوں میں ذکر ہے - جن کے حوالہ ہم بار بار دے چکے آپکے ذمہ یہ تھا کہ دکھلادیں کہ کفارہ کی نفی اُن میں ہے - آپ اپنا بار ثبوت دوسرے پر کس لئے ڈالتے ہیں -

(۷) اگر آپ نے رحم بامبادلہ کو قانون قدرت اور آیات قرآنی اور کتب مقدسہ سے رد کردیا ہے تو بس خوشی ہوئی ان امروں کا جب چھپ جائیں گے ہر ایک بجائے خود انصاف کرے گا - ہم جو دلائل اسکے دے چکے ہیں انکا تکرار بار بار ہر وقت پانی بلونے کی جانتے ہیں -

(۸) مسئلہ تثلیث کے بارہ میں جو ہم نے دلائل دیتے ہیں - جب تک ان کا رد آپکی طرف سے مدلّل ہو کے نہ آوے - تو ہم اسپر توجہ نہیں کر سکتے - آپ نے یہ عادت اختیار فرمائی ہے کہ ثبوت کی طرف توجہ نہ کرنا اور پھر اسی امر کا تکرار کردینا -

(۹) مجھے افسوس یہ ہے کہ آپ میرے سوالات کا جواب نہیں دیتے ہیں اور نہ میرے جوابات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں - آج بھی ہمارا ایک سوال یہ پڑا ہے کہ انجیل کے رو سے مریم کے پاس جبرائیل کا آنا آپ مانتے ہیں یا نہیں اور کہ مسیح کی پیدائش معجزہ ہی کو تسلیم کرتی ہے یا نہیں - لیکن آپ نے اسطرف کچھ توجہ نہیں فرمائی -

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ھنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
ازجانب	ازجانب
عیسائی صاحبان	اھل اسلام

گیارھواں پرچہ

روئیداد جلسہ مباحثہ ۴ جون ۱۸۹۳ء

آج میرزا صاحب نے ۶ بجے ۵ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۵ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۷ بجے ۲۴ منٹ پر جواب لکھوانا شروع کیا اور آٹھ بجے ۲۴ منٹ پر ختم کیا۔ اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ میرزا صاحب نے ۹ بجے ایک منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۱۰ بجے ایک منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر میر مجلسوں کے دستخط ہو کے جلسہ برخاست ہؤا۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ ازجانب عیسائی صاحبان	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ ازجانب اہل اسلام

بیان حضرت میرزا صاحب

مرزا صاحب ۴ جون ۱۸۹۳ء وقت ۶/۱۰

پھر ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں کہ ”بےحدی سے خالی ہونا تو کسی کا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ مسیح اس سے خالی رہے یعنی مسیح روح القدس کے نزول سے پہلے بھی مظہر اللہ تھا کیونکہ عام معنوں سے تو تمام مخلوقات مظہر اللہ ہے“ جواب میں کہتا ہوں کہ آپ کا اب بھی وہی اقرار ہے کہ خاص طور پر مسیح مظہر اللہ نزول روح القدس کے بعد ہوئے اور پہلے اوروں کیطرح عام مظہر تھے۔ اور پھر ڈپٹی صاحب موصوف تین اقنوم کا ذکر فرماتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ آپکا ذکر بےثبوت ہے آپ نے اسپر کوئی عقلی دلیل نہیں دی اور یوں تو ہر ایک نبوت کے سلسلہ میں تین جزوں کا ہونا ضروری ہے اور آپ صاحبوں کی یہ خوش فہمی ہے کہ انکا نام تین اقنوم رکھا۔ روح القدس اسیطرح حضرت مسیح پر نازل ہؤا۔ جس طرح قدیم سے نبیوں پر نازل ہوتا تھا جس کا ثبوت ہم دے چکے نئی بات کونسی تھی۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں بھی پہلے لکھا ہے کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ گو یہ بات سچ ہے اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِلَیۡہِ یُرۡجَعُ

گیارہواں پرچہ

روئیداد جلسہ مباحثہ ۴ جون ۱۸۹۳ء

بیان حضرت میرزا صاحب

روح القدس کا مسیح پر اترنا کوئی نئی بات نہیں

الامر کلہ ۱۲/۱۲ خدا تعالےٰ کی طرف ہی ہر ایک امر رجوع کرتا ہے - مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اس سے انسان کی مجبوری لازم آتی ہے غلط فہمی ہے - یوں تو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا ہے کہ میں مینھ برساتا ہوں اور برق وصاعقہ کو پیدا کرتا ہوں اور کھیتیاں اگاتا ہوں مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسباب طبعیہ مینھ برسنے اور رعد و برق کے پیدا ہونے کے جو ہیں - اس سے اللہ تعالیٰ انکار کرتا ہے بالکل فضول ہے - کیونکہ یہ مراتب بجائے خود بیان فرمائے گئے ہیں کہ یہ تمام چیزیں اسباب طبعیہ سے پیدا ہوتے ہیں - پس اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ایسے بیانات سے کہ میرے حکم سے بارشیں ہوتی ہیں اور میرے حکم سے کھیتیاں اگتی ہیں اور برق وصاعقہ پیدا ہوتا ہے اور پھل لگتے ہیں وغیرہ وغیرہ - اور ہر ایک بات میرے ہی قبضہ اقتدار میں اور میرے ہی امر سے ہوتی ہے - یہ ثابت کرنا مقصود نہیں کہ سلسلہ کائنات کا مجبور مطلق ہے بلکہ اپنی عظمت اور اپنا علۃ العلل ہونا اور اپنا مسبب الاسباب ہونا مقصود ہے - کیونکہ تعلیم قرآنی کا اصل موضوع توحید خالص کو دنیا میں پھیلانا اور ہر ایک قسم کے شرک کو جو رہا تھا مٹانا ہے - اور چونکہ قرآن شریف کے نازل ہونے کے وقت عرب کے جزیرہ میں ایسے ایسے مشرکانہ عقاید پھیل رہے تھے کہ بعض بارشوں کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے تھے اور بعض دہریوں کی طرح تمام چیزوں کا ہونا اسباب طبعیہ تک محدود رکھتے تھے اور بعض دو خدا سمجھکر اپنے ناملایم قضا و قدر کو اہرمن کیطرف منسوب کرتے تھے - اسلئے یہ خدا تعالےٰ کی کتاب کا فرض تہا جس کے لئے وہ نازل ہوئی کہ ان خیالات کو مٹادے اور ظاہر کرے کہ اصل علت العلل اور مسبب الاسباب وہی ہے - اور بعض ایسے بھی تھے جو مادہ اور روح کو قدیم سمجھکر خدا تعالےٰ کا علت العلل ہونا بطور ضعیف و ناقص کے خیال کرتے تھے - پس یہ الفاظ قرآن کریم کے کہ میرے ہی امر سے سب کچھ پیدا ہوتا ہے توحید محض کے قائم کرنے کے لئے تھے - ایسی آیات سے انسان کی مجبوری کا نتیجہ نکالنا تفسیر القول بما لا یرضیٰ بہ قایلہ اور خدا تعالےٰ کے قانون قدرت پر نظر ڈالکر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ آزادی اور عدم مجبوری جس کا ڈپٹی صاحب موصوف دعویٰ کر رہے ہیں دنیا میں پائی نہیں جاتی بلکہ کئی قسم کی مجبوریاں مشہود و محسوس ہو رہی ہیں - مثلاً بعض ایسے ہیں کہ ان کا حافظہ اچھا نہیں وہ اپنے ضعیف حافظہ سے بڑھکر کسی بات کے یاد کرنے میں مجبور ہیں - بعض کا متفکرہ اچھا نہیں وہ صحیح نتیجہ نکالنے سے مجبور ہیں - بعض بہت چھوٹے سر والے جیسے وہ لوگ جنہیں دولہ شاہ

الفاظ قرآن سے مراد توحید کا پھیلانا اور شرک کا مٹانا تہا -

کا چوہا کتنے ہیں ایسے ہیں کہ وہ کسی اَمر کے سمجھنے کے قابل نہیں - اُن سے بڑھکر بعض دیوانے بھی ہیں اور خود انسان کے قویٰ ایک حدتک رکھے گئے ہیں - جس حد سے آگے وہ کام ان سے نہیں لے سکتے یہ بھی ایک قسم کی مجبوری ہے - پھر ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں کہ اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ خیر اور شر اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے افسوس کہ ڈپٹی صاحب کیسے صحیح معنے سے پھر گئے - واضح ہو کہ اسکے یہ معنے نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ شر کو بحیثیت شر پیدا کرتا ہے - کیونکہ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے ان عبادی لیس لک علیہم سلطان یعنے اے شیطان شر پہنچانے والے میرے بندوں پر تیرا تسلط نہیں - بلکہ اس فقرہ کے یہ معنے ہیں کہ ہر ایک چیز کے اسباب خواہ وہ چیز خیر میں داخل ہے یا شر میں خدا تعالےٰ نے پیدا کی ہیں - مثلاً اگر شراب کے اجزا جن سے شراب بنتی ہے موجود نہ ہوں تو پھر شرابی کہاں سے شراب بنا سکیں اور پی سکیں - لیکن اگر اعتراض کرنا ہے تو پہلے اس آیت پر اعتراض کیجیے کہ وہ سلامتی کو بناتا اور بلا کو پیدا کرتا ہے یسعیا $\frac{45}{7}$

پھر آگے ڈپٹی صاحب موصوف فرماتے ہیں - کہ جس کا خلاصہ یہ ہے - توریت میں ایسا کوئی حکم نہیں کہ دوزخ کے لئے خدا نے کسی کو مجبور کیا ہے - اسکا یہی جواب ہے کہ فرعون کا دِل خدا نے سخت کیا آپ اسکو مانتے ہیں پھر انجام فرعون کا اس سخت دلی سے جہنم ہوا یا بہشت نصیب ہوا - پھر دیکھو امثال آپ کا خدا تعالیٰ کیا فرماتا ہے - خداوند نے ہر ایک چیز اپنے لئے بنائی - ہاں شریروں کو بھی اس نے بُرے دن کے لئے بنایا $\frac{16}{4}$ اب دیکھیے یہ تو گویا **اقبالی ڈگری** کیطرح آپ پر الزام وارد ہوگیا کہ شریر دوزخ کیلئے بنائے گئے - کیونکہ وہی تو بُرا دن ہے - پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن میں اگرچہ اختیار کی بھی تعلیم ہے مگر پھر مجبوری کی بھی تعلیم اور یہ ایک دوسری کی نقیض ہیں - اسکے جواب میں میں لکھ چکا ہوں کہ آپ غلط مقاصد کرتے ہیں جہاں آپ کو مجبوری کی تعلیم معلوم ہوتی ہے - وہاں مذاہب باطلہ کا رد مقصود ہے - اور ہر ایک فیض کا خدا تعالےٰ کو مبدا قرار دینا مدنظر ہے -

اور آپ فرماتے ہیں کہ شیطان جو حضرت مسیح کو لیگیا اسمیں کیا مجبوری تھی - جواب یہی ہے کہ نور سے ظلمت کی پیروی کرائی گئی - نور بالطبع ظلمت سے جدا رہنا چاہتا ہے پھر آپ فرماتے ہیں کہ اگر اختیار کو مانا جائے تو پھر خدا تعالےٰ کا علت العلل قرار دینا لغو ہے

شر و خیر کے اسباب خدا نے پیدا کئے ہیں

توریت میں مجبوری کی تعلیم

آپکی تقریر کا یہ خلاصہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بکلی خدا تعالےٰ کو معطل کر کے پورا پورا اقتدار اور اختیار چاہتے ہیں۔ جبکہ ہمارے قویٰ اور ہمارے جوارح کے قویٰ اور ہمارے خیالات کے مبلغ علم پر اسکی خدائی کا تسلط ہے وہ کیونکر معطل ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو علت اور معلومات کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا اور صانع حقیقی کی شناخت کرنے میں بہت سا فتور آئیگا اور دعا کرنا بھی لغو ہوگا۔ کیونکہ جبکہ ہم پورا اختیار رکھتے ہیں تو پھر دعا بے فائدہ ہے۔ آپکو یاد ہے کہ خدا تعالیٰ کو علت العلل ماننا مستلزم مجبوری نہیں۔ یہی ایمان ہے۔ یہی قید ہے کہ اسکو علت العلل مان لیا جاوے اور اپنی کمزوریوں کے دور کرنے کے لئے اس سے دعائیں کی جائیں۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ کہ ان کو آنکھیں دیکھنے کے لئے نہیں دیں۔ مجاز ہے حضرت اگرچہ مجاز ہے تو پھر کہاں سے معلوم ہوا۔ کہ دلوں پر مہر لگانا اور آنکھوں پر پردہ ڈالنا حقیقت ہے کیا اس جگہ آپ کو مہریں اور پردے نظر آگئے ہیں۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ اگر آپ نے رحم بلامبادلہ کو رد کر دیا ہے۔ تو بس خوش ہو جیئے۔ افسوس آپ ابھی تک میری بات کو نہ سمجھے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ عدل کا مفہوم جانبین کے حقوق کو قایم کرتا ہے یعنے اس سے لازم آتا ہے کہ ایک خدا تعالیٰ کا بندہ پر حق ہو جس حق کا وہ مطالبہ کرے اور ایک بندہ کا خدا تعالےٰ پر حق ہو جس حق کا وہ مطالبہ کرے۔ لیکن یہ دونوں باتیں باطل ہیں کیونکہ بندہ کو خدا تعالیٰ نے عدم محض سے پیدا کیا ہے۔ اور جسطرح چاہا بنایا۔ مثلاً انسان یا گدھا یا بیل یا کوئی کیڑا مکوڑا۔ پھر حق کیسا۔ اور خدا تعالیٰ کا حق اگرچہ غیر محدود ہے۔ مگر مطالبہ کے کیا معنی۔ اگر یہ معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو بندوں کی فرمانبرداری کی ضرورتیں پیش آگئی ہیں اور تب ہی اسکی خدائی قایم رہتی ہے کہ ہر ایک بندہ نیک اور پاکدل ہو جائے ورنہ اسکی خدائی ہاتھ سے جاتی ہے۔ یہ تو بالکل بیہودہ ہے۔ کیونکہ اگر تمام دنیا نیک بن جائے۔ تو اسکی خدائی کچھ بڑھ نہیں سکتی۔ اور اگر بد بن جائے تو کچھ کم نہیں ہو سکتی۔ پس حق کو بحیثیت حق قرار دیکر مطالبہ کرنا چہ معنی دارد۔ پس اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ جو غنی بے نیاز ہے اور اس سے برتر ہے کہ اپنی ذاتی حاجت سے کسی حق کا مطالبہ کرے خود بندہ کے فائدہ کے لئے اور اپنی مالکیت اور خالقیت اور رحمانیت اور رحیمیت کے ظاہر کرنے کے لئے یہ سارا سامان کیا ہے۔ اول ربوبیت یعنے خالقیت کے تقاضا سے دنیا کو پیدا کیا۔ پھر رحمانیت کے تقاضا سے وہ سب چیزیں ان کو عطا کیں جن کے وہ محتاج تھے۔ پھر رحیمیت کے تقاضا سے انکے کسب اور سعی میں برکت ڈالی۔ اور پھر مالکیت کے تقاضا سے ان کو مامور کیا اور امر معروف اور نہی منکر سے مکلف ٹھہرایا۔ اور اس پر وعید

خدا کو علت العلل ماننا مستلزم مجبوری نہیں

انسان کا کوئی حق خدا پر نہیں ہو سکتا۔

اور مواعید لگا دیئے۔ اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کیا کہ جو شخص بعد معصیت کے طریق ایمان اور توبہ و استغفار کا اختیار کرے وہ بخشا جائیگا۔ پھر اپنے وعدوں کے موافق روز حشر میں کاربند ہوگا۔ اس جگہ رحم بلا مبادلہ کا اعتراض کیا تعلق رکھتا ہے اور قائمی حقوق کا اور خدا تعالیٰ سے متکبرانہ طور پر عدل کا خواہاں ہونا کیا علاقہ رکھتا ہے۔ سچی فلاسفی اسکی یہی ہے جو سورۂ فاتحہ میں بیان فرمائی گئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الحمد للّٰہ رب العلمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین۔ اب دیکھئے رحمٰن اور رحیم کے بعد بظاہر یہ سمجھا جاتا تھا کہ العادل کا لفظ لاتا اِن صفات کے مناسب حال ہے کہ رحم کے بعد عدل کا ذکر ہو۔ لیکن خدا تعالیٰ نے عدل سے عدول کر کے اپنی صفت مالک یوم الدین ٹھہرائی تا معلوم ہو کہ حقوق کا مطالبہ اس سے جائز نہیں اور اس سے کوئی اپنے حق کا خواستگار نہیں ہو سکتا اور نہ وہ حاجتمند ہے کہ بحیثیت ایک ایسے حقدار کے جو بغیر وصول حق کے مرا جاتا ہے بندوں سے فرمانبرداری چاہتا ہے بلکہ بندوں کی عبادتیں اور بندوں کی طاعتیں درحقیقت انہیں کے فائدہ کے لئے ہیں جیسا کہ طبیب نسخہ کسی بیمار کے لئے تجویز کرتا ہے تو یہ بات نہیں کہ اس نسخہ کو طبیب آپ پی لیتا ہے یا اس سے کوئی حظ اٹھاتا ہے یا کہ وہ بیمار کی بھلائی کے لئے ہے اور پھر بعد اسکے آپنے اسلام **جہاد** پر اعتراض کیا ہے مگر افسوس کہ آپ نے اسلامی جہاد کی فلاسفی کو ایک ذرہ بھی نہیں سمجھا اور آیات کی ترتیب کو نظر انداز کر کے بیہودہ اعتراض کر دیئے ہیں۔

انسانی حقوق کی فلاسفی کا ذکر سورۂ فاتحہ میں

واضح رہے کہ اسلام کی لڑائیاں ایسے طور سے نہیں ہوئیں کہ جیسے ایک زبردست بادشاہ کمزور لوگوں پر چڑھائی کرکے انکو قتل کر ڈالتا ہے۔ بلکہ صحیح نقشہ ان لڑائیوں کا یہ ہے کہ جب ایک مدت دراز تک خدا تعالیٰ کا پاک نبی اور اسکے پیرو مخالفوں کے ہاتھ سے دُکھ اٹھاتے رہے چنانچہ ان میں سے کئی قتل کئے گئے اور کئی بُرے بُرے عذابوں سے مارے گئے۔ یہانتک کہ ہمارے نبی صلعم کے قتل کرنیکے لئے منصوبہ کیا گیا اور یہ تمام کامیابیاں اُنکے بتوں کے معبود برحق ہونے پر حمل کیگئیں اور ہجرت کی حالت میں بھی آنحضرت صلعم کو امن میں نہ چھوڑا گیا بلکہ خود آٹھ پڑاؤ تک چڑھائی کر کے خود جنگ کرنے کے لئے آئے تو اُسوقت انکے حملہ کے روکنے کے لئے اور نیز ان لوگوں کو امن میں لانے کے لئے جو اُن کے ہاتھ میں قیدیوں کی طرح تھے اور نیز اسباب کے ظاہر کرنے کے لئے کہ اُن کے معبود جن کی تائید پر یہ سابقہ کامیابیاں حمل کیگئیں ہیں۔ لڑائیاں کرنے کا حکم ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین ۱۹/۱۸

اسلام کی لڑائیوں کا نقشہ

چند دلائل جنمیں اسلامی لڑائی کے اسباب بیان کئے گئے ہیں۔

پھر فرماتا ہے وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان - الی اخرہ ۵/۷

پھر فرماتا ہے وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ۲/۸

پھر فرماتا ہے ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا ۲/۱۱

پھر فرماتا ہے ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لفسدت الارض ۲/۱۳

پھر فرماتا ہے ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ (سپارہ اخیر رکوع)

پھر فرماتا ہے اذ جاؤکم من فوقکم ومن اسفل منکم ۲۱/۱۸

پھر فرماتا ہے یا اھل الکتب لم تصدون ۴/۲

پھر فرماتا ہے وھم بدؤکم اول مرۃ ۸/۱۰

اب ترجمہ کے بعد آپکو معلوم ہوگا کہ اصل حقیقت کیا ہے اور اگر یہ سوال ہو کہ کفار نے کیسے ہی دُکھ دیئے تھے مگر صبر کرنا چاہیئے تہا تو اسکا یہ جواب ہے کہ وہ اپنی کامیابیوں کو اپنے لات وعزیٰ بتوں کی تائیدات پر حمل کرتے تھے جیسا کہ قرآن کریم اس سے بھرا پڑا ہے۔ حالانکہ وہ صرف ایک جہالت کا زمانہ تہا۔ اِسلئے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ یہ ثابت کرے کہ جیسے کہ بت قرآن کریم کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔ ایسا ہی تلوار کیساتھ کامیاب کرا دینے سے بھی عاجز ہیں۔ سو جسقدر اسلام میں اُنپر حملے کئے گئے ہیں اوّل مقصد اُن کفار کے بتوں کا عاجز ہونا تھا اور یہ ہرگز نہیں کہ ان لڑائیوں میں کسی قسم کا یہ ارادہ تہا کہ قتل کی دہمکی دیکر ان لوگوں کو مسلمان کردیا جائے بلکہ وہ تو طرح طرح کے جرائم اور خونریزیوں کے سبب پہلے سے واجب القتل ہو چکے تھے اور اسلامی رعایتوں میں سے جو ان کے ساتھ رب رحیم نے کیں ایک یہ بھی رعایت تھی کہ اگر کسی کو توفیق اسلام نصیب ہو تو وہ بچ سکتا ہے۔ اس میں جبر کہاں تہا عرب پر تو اُنہیں کے سابقہ جرائم کی وجہ سے فتویٰ قتل کا ہوگیا تہا ہاں باوجود اس کے یہ رعائتیں بھی تھیں کہ اُن کے بچے نہ مارے جائیں اُن کے بڈھے نہ مارے جائیں اور ساتھ اُسکے یہ بھی رعایت کہ بصورت ایمان لانے کے وہ بھی نہ مارے جائیں۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ	ھنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
ازجانب اہل اسلام	ازجانب عیسائی صاحبان

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۲-جون سنہ ۱۸۹۳ء

وقت ۶ بجے

جواب اول عرض ہے کہ مینے نہیں کہا کہ مظہر اللہ ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ اقنوم ثانی اور انسانیت کا باہم علاقہ رہا ہے مظہر اللہ تو تب ہی ظاہر ہوئے کہ جب مسیح ہوئے یعنی ۳۰ برس کی عمر میں

دوم - کافی ثبوت تثلیث کا دیا گیا ہے - عقل سے امکان اور کلام سے وقوعہ اسکا - اگر آپ نہیں مانتے تو طبع ہونے کے بعد ہر ایک بجائے خود انصاف کریگا -

سوم - کسی کے نبی کے اوپر بشکل مجسم کبوتر کی مانند روح نازل ہوا - پھر آپ کوئی نشان نہیں دیتے کہ کونسا نبی اسکے مساوی ہے اور ناحق کی حجت پیش کرتے ہیں -

چہارم - مینے جو آیت سند کی پیش کی ہے اسمیں مسلمانوں کا تذکرہ یہ تہا کہ کیا کوئی بھی امر ہمارے ہاتھ میں ہے جواب اسکا یہ دیا گیا ہے کہ سب امر اللہ کے ہاتھ میں ہے - امر کے معنے جو حکم کے جناب نے کئے ہیں - امور جس کا جمع ہے وہ بہی امر ہے یعنے کام تو معنے یہ ہوئے کہ ہر کام اللہ کے ہاتھ میں ہے - یہ بالضرور فعل مختاری انسان میں مداخلت ہے -

جناب میرزا صاحب آپ جو حوالہ اشیار مخلوق و مثل کھیتی و پانی وغیرہ کے دیتے ہیں وہ اختیار و نا اختیاری کی مثال نہیں - میں جناب کو یہ الزام نہیں دیتا کہ جناب فریب دیتے ہیں مگر فریب کھاتے ضرور ہیں -

پنجم - توحید کا ثبوت اس سے کچھ نہیں ہوتا کہ سبب اولیٰ ہو کر خدا تعالیٰ سبب ثانی کیواسطے کچھ گنجایش باقی نہ رکھے - سبب اولیٰ اگر قادر مطلق ہے تو دوسرے کو فعل مختار بھی پیدا کر سکتا ہے اور جب فعل مختار بنا دیا تو اسکی فعل مختاری میں مداخلت کرنا اسکے منصوبہ بنانیکے برخلاف ہے

ششم - ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ فعل مختاری انسان کی لاحد ہے مگر اپنے حدود میں وہ فعل مختار مطلق ہے اور اسکا انکار آپ عبث کرتے ہیں -

ہفتم - یسعیاہ کا بیان کہ وہ سلامتی اور بلا پیدا کرتا ہے - فعل مختاری کے برخلاف کچھ نہیں - نہ معلوم جناب نے کیوں حوالہ اس آیت کا دیا - فرعون کا دل سخت کیونکر ہوا - ہم نے اسکی شرح کل کر دی ہے یعنے اسکو جب شرارت سے نہ روکا اور فضل کا ہاتھ پرے کر لیا تو اسکا نتیجہ یہ ہے کہ وہ

خواہ نخواہ سخت دِل ہو گیا کیا جناب اس امر کو نہیں سمجھتے کہ کرنے اور ہونے دینے میں بڑا فرق ہے - انگریزی میں صاف فرق ہے کہ کمشن اسکو کہتے ہیں کہ خود کرے اور پرمشن اسکو کہتے ہیں کہ ہونے دے - تو ہونے دینے کا کیا الزام مساوی اسکے ہے کہ اُسنے کیا - اور اگر ایسا ہی الزام ہو تو صحیح نہیں سکتا ہو

ہشتم - آپکی تیسری مثل ہیں کہ شریروں کو اپنے لئے بنایا اسکا مطلب صاف ہے جسکے معنے یہ ہیں کہ شریر ہونے دیا یہ بھی وہی پرمشن ہے نہ کہ کمشن - کلام مجازی کو اور عامہ کو چھوڑ کے آپ فلاسفی میں کس لئے گھُستے ہیں - کیا عوام سے جناب کلام اسطرح پر کرتے ہیں کہ ہر ایک لفظ اس کا فلوز فی کل ہووے یعنی مطابق فلاسفی کے تاہم وہ آیت جو زیر داب تنازعہ کے ہے - اسمیں اصول قایم کیا گیا ہے کہ گویا خدا فرماتا ہے کہ ہر ایک امر میرے اختیار میں ہے اور اس اصول کا بیان اس فروع پر ہے جو کہتے تھے کچھ بھی کام ہمارے ہاتھ میں ہے - جہاں یہ کلیہ کبریٰ ہے - اور قیاس مردمان صغریٰ ہے نتیجہ جو اسکا ہے آپ انصاف کر لیجئے -

نہم - مسیح بہ نسبت اپنی انسانیّت کے سارے فرایض الٰہی ادا کرنے والا ہے پس وہ امتحان بھی دیگا - اور شیطان سے آزمایا بھی جائیگا - لہذا کیا ضرور ہے کہ اس امر کو اختیار ونا اختیاری کی بحث میں داخل کیا جائے -

دہم - نہ ہمنے کہیں خدا کے اختیار کو کسی حد میں قید کیا مگر وہ قیود جو ہر صفت پر اسکے خاصہ سے لازمی ہے - مثلاً ہم اسکو قادر مطلق کہتے ہیں - اسکے معنے یہ نہیں ہو سکتے کہ وہ نقیضین کو آن واحد میں جمع بھی کر سکتا ہے - کیونکہ اجتماع نقیضین دوسرا نام بطلان کا ہے - اور بطلان کوئی صفت نہیں چاہتا ہے کہ جو اسکو بناوے - مگر صرف کہنا صداقت کا تو قادر مطلق کے یہ معنے ہیں کہ جو ممکن ہے اسکو بناوے اور جو ناممکن ہے اسکے بنانے کی احتیاج کچھ نہیں وہ تو صرف جھوٹ بولنے سے ہو سکتا ہے - واضح ہو کہ جیسا ہم قدرت الٰہی کو حدود مناسب میں قید نہیں کرتے ویسے ہی فعل مختاری انسان کی حدود نامناسب میں قید نہیں ہو سکتی -

یازدہم - پورے اختیار پر دعا بیفایدہ ہے اسکے معنے یہ ہوئے کہ ہم علم و قدرت بھی اسکے ساتھ بیحد رکھتا ہوں - لیکن ہم نے کبھی ایسا دعویٰ نہیں کیا - مگر یہ کہ اس کا علم اور اسکی قدرت اور اسکا اختیار کل محدود ہیں - پس آپ کے فرایض و مسلمات محض خیالی ہیں -

دوازدہم - ہم نے کبھی نہیں کہا کہ دلوں پر آنکھوں پر مہر کرنا کلام مجازی نہیں تو ہم پر اسکا اعتراض کیا ہے -

سیزدھم - ہم بالکل تسلیم کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات مستغنی الذات مطلق ہے
لیکن وہ وہیں تک آزاد ہے کہ جہاں تک اسکی ساری صفات بالاتفاق اجازت دیں - چنانچہ اگر
وہ کسی شخص پر ظلم کرنے چاہیئے کہ عدل اسکا مانع ہوگا یا کسی کے ایذار ناحق میں وہ خوش ہووے تو صفت
گڈلنس کی اسکے مانع ہوگی علی ہذاالقیاس بہت ہی صفات متبرکہ اسکے ہیں جو ان کلیو سب ہوکر چل سکتی ہیں اور ایکس کلیو سب ہوکر
نہیں چل سکتیں جیساکہ اگر ایک صفت کچھ کام کرتی ہے تو ساری بالاتفاق اسکی ممد ہیں - گو ظہور
خاص اس ایک کا ہے جو کام کر رہی ہے اور اگر کوئی صفت کام کرتی ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اٹک
ہے اور کوئی صفت اسکے ساتھ نہیں اور مخالف ہونا تو نعوذ باللہ دو صفات میں کہیں بھی جایز
نہیں کہ ایکدوسری کی مخالف ہو -

چہاردھم - اوّل تو جناب ہمیشہ ان دو صفات کی تمیز کے بارہ میں جو ایک کام ہے
دوسری گڈلنس لاعلمی دکھلاتے ہیں اور تمیز اسمیں یہ ہے کہ رحم کسی مواخذہ اور تکلیف پر آتا ہے اور
گڈلنس صرف اپنے متعلقین کو خوشنود رکھنے کے واسطے ہوتا ہے جیساکہ اگر کوئی شخص کسی مصیبت
میں پکڑا ہوا ہووے اسکی رہائی کے واسطے رحم کی صفت ہے - اور اگر کوئی اپنے جانوروں کو بھی
بہر حال خوش رکھنا چاہتا ہے اور ان غذاؤں سے جن کے وہ لایق ہیں عمدہ تر غذائیں وہ انکو
دیتا ہے یہ گڈلنس کے باعث ہے - چنانچہ اس لفظ گڈلنس کا داؤد نبی نے ذکر کیا ہے - جیساکہ
وہ لکھتا ہے کہ ارے آؤ - چکھو - دیکھو کہ یھوواہ بھلا ہے - اب عدالت کا کام یہ ہے کہ جس وقت
گناہ سرزد ہووے اسکا تدارک فرماوے - اور رحم اس ماقبل نہیں مگر مابعد اس تدارک و مواخذہ سے
رہائی کرنے کو آوے اور جب تک کوئی گناہ صادر نہیں ہوا - جو بھلائی اس سے کیجاتی ہے وہ مطابق
گڈلنس کے کی جاتی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ جو شے عدم سے بوجود آئی ہے اسکا اپنے خالق پر یہ
حق ہے کہ اس سے کہے فلانا دکھ مجھکو کیوں ہوا کہ تو عادل اگر ہے اسمات کا عدل کر - بکری جو ذبح کی جاتی
ہے اسکے واسطے یہ عذر کافی نہیں کہ تیرا خالق و مالک ہوں - تھوڑی سی ایذار میں دوسروں کی
معیشت کیواسطے تجھے دیتا ہوں تو ناحق کی شاکی نہ ہووے - عدل یہ نہیں چاہتا ہے کہ کسی کو ایذا
ہووے جسکا وہ مستوجب نہیں یا کہ وہ ایذا اسکے واسطے کچھ زیادہ خوبی پیدا نہ کرے اور اسی لئے ہم نے
اقسام دکھ تین بیان کردیئے ہیں کہ جن کو آپ مٹا نہیں سکتے - اور آپ پھر دکھ کو ایک ہی قسم کا تصور
فرماکر آپ خالقیت اور مالکیت کے برقعہ میں اسکو ہر لایق و نالایق امر کی اجازت کس طرح دے سکتے
ہیں - ہم نے بار بار جناب کو کہا کہ عدالت و صداقت غیر مفید الظہور نہیں ہوسکتی - پھر کس لئے تقاضا ہے

عقل کا لحاظ آپ چھوڑتے ہیں کیا آپکے چھوڑنے سے عدل بھی اسکو چھوڑ دیگا۔ یقیناً جبتک اُسکا تقاضا پورا نہ ہو رحم نہ ہو سکیگا۔

پانزدھم۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں بقول آپکے عدل کو معدول نہیں فرمایا اور نہ رحم کو عدل پر غالب کیا۔ بلکہ وہاں رحم کا آسرا لوگوں کو دلایا ہے اور یہ بجا ہے۔ باقی جو جناب خوش فہمیاں فرماویں آپ کا اختیار ہے۔

شانزدھم۔ یہ تو حق ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے چاہتا ہے کہ وہ ایسا یا ویسا کرے وہ اسکے فائدہ کے لئے بھی ہے مگر اس سے حقوق الٰہی کا رد کرنا غلط ہے کیا کچھ فوق الٰہی بھی عباد اللہ کے اوپر ہیں۔ اگر نہیں تو گناہوں میں کیا ہرجہ خدا تعالیٰ کا ہے تو پھر کس لئے وہ تیغ عدل سے اسکو ڈرایا چاہتا ہے۔ جب ہرجہ ہی کچھ نہیں تو پھر سزا کس لئے ہو۔ تنبیہہ پدری واسطے بھلائی پسر کے تو ہوتی ہے۔ لیکن سزا کا لفظ کیا بے معنے مطلق ہے۔ تنبیہہ کا مخرج رحم سے ہے اور سزا کا مخرج عدل سے۔ چنانچہ ہم بھی اپنے بچوں کو تنبیہہ کرتے مارتے ہیں۔ اسکا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ مر ہی جائیں اور جب ناخلف کر کے نکالدیں تو اسکا مطلب سزا ہے یہ تیرے اعمال کی پاداش ہے تو پس ان دوامر میں تمیز موجود ہے تو ان کو نظر انداز کس لئے کیا جائے۔

ہفدھم۔ اسلام کی لڑائیاں بہت قسم کی تھیں ہم تسلیم کرتے ہیں چنانچہ دافعیہ انتقامیہ انتظامیہ وغیرہ لیکن جو آیت داب مناظرہ میں ہے۔ اوس کی وجہ یہ دی گئی ہے کہ مارو ان کو جو اللہ و قیامت کو نہ مانیں اور حرام و حلال کا لحاظ نہ کریں۔ (باقی آیندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

بیان حضرت مرزا صاحب ۲ جون ۱۸۹۳ء

بیان حضرت میرزا صاحب

۲۔ جون سنہ ۱۸۹۳ء

ڈپٹی صاحب فرماتے کہ مظہریت سے پہلے اقنوم ثانی کا علاقہ تھا مگر ہم اسکو قبول نہیں کر سکتے جب تک وہ انجیل کی صریح عبارت پیش نہ کریں کہ مظہریت بعد میں آئی۔ اور اقنوم ثانی کا پہلے سے علاقہ تھا اور پھر ان کا یہ فرمانا کہ عقل سے امکان تثلیث ہم نے ثابت کر دیا ہے اور کلام سے وقوعہ ثابت ہو گیا ہے۔ یہ دونوں ابھی تک دعوی ہی دعوی ہیں ناظرین

ان کے جوابات کی اوراق گردانی کر کے دیکھ لیں کہ کہاں عقل کے رو سے امکان تثلیث ثابت کر دیا ہے؟ عقل کا فیصلہ تو ہمیشہ کلی ہوتا ہے۔ اگر عقل کی رو سے حضرت مسیح کیلئے داخل تثلیث ہونا روا رکھا ہے تو پھر عقل اوروں کے لئے بھی امکان اسکا واجب کرے گی۔

اگر عقل کے رو سے حضرت مسیح کیلئے تثلیث کو روا رکھا جائے تو دوسروں کیلئے بھی امکان ویسا ہوگا۔

پھر ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں کہ کس نبی پر بشکل مجسم کبوتر کے روح القدس نازل ہوا میں کہتا ہوں کہ اگر روح القدس کسی عظیم الجثہ جانور کی شکل پر جیسے ہاتھی یا اونٹ حضرت مسیح پر نازل ہوتا تو کچھ ناز کی جگہ تھی۔ لیکن ایک چھوٹے سے پرند پر ناز کرنا اور اسکو بے مثل کہنا بے محل ہے دیکھو حواریوں پر بقول ان کے روح القدس بطور آگ شعلوں کے نازل ہوا اور شعلہ کبوتر پر غالب ہے کیونکہ اگر کبوتر شعلہ میں پڑے تو جل جاتا ہے۔ اور آپکا یہ فرمانا کہ کونسا نبی مسیح کے مساوی ہے صرف اپنی خوش اعتقادی ظاہر کرنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کیا حضرت موسیٰؑ مسیح سے بڑھ کر نہیں۔ جن کے لئے بطور تابع اور مقتدی کے حضرت مسیح آئے اور ان کی شریعت کے تابع کہلائے۔ معجزات میں بعض نبی حضرت مسیحؑ سے ایسے بڑھے ہے کہ بموجب آپکی کتابوں کے ہڈیوں کے چھونے سے مردے زندہ ہوگئے اور مسیحؑ کے معجزات پراگندگی میں پڑے ہیں۔ کیونکہ وہ تالاب جس کا یوحنا ۵ باب میں ذکر ہے۔ حضرت مسیح کے تمام معجزات کی رونق کھوتا ہے اور پیشگوئیاں کا تو آگے ہی بہت نرم اور پتلا حال ہے اور پھر کس علمی اور فعلی فضیلت کے رو سے حضرت مسیح کا افضل ہونا ثابت ہوا۔ اگر وہ ضمناً افضل ہوتے تو حضرت یوحنا سے اصطباغ ہی کیوں پاتے اسکے روبرو اپنے گناہوں کا اقرار ہی کیوں کرتے اور نیک ہونے سے کیوں انکار کرتے اگر الوہیت ہی ہوتی تو شیطان کو یہ کیوں جواب دیتے کہ لکھا ہے بجز خدا کے کسی اور کو سجدہ مت کر۔ اور آپ نے جو میرے اس بیان پر جرح فرمایا ہے کہ قرآن شریف میں یہ آیت درج ہے کہ تمہارے اختیار میں کچھ بھی نہیں یہ آپکی غلط فہمی تو نہیں۔ مگر تجاہل عارفانہ ہے۔ میں کل کے بیان میں لکھ چکا ہوں کہ اسکے وہ معنے نہیں جو آپ کرتے ہیں۔ بلکہ صرف اسقدر مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے امر اور حکم کے موافق چلنا چاہیئے تمہیں کچھ بھی اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی دخل دو۔ اب دیکھئے کجا یہ بات کو بندہ مجبور محض ہے اور کجا یہ بات کہ ایک موقعہ پر بعض لوگوں کو بے جا دخل سے روکا گیا اور پھر میں کہتا ہوں کہ چاہے آپ سنیں یا نہ سنیں کہ قرآن شریف نے بصراحت بارہا اس اختیار کا ذکر کر دیا ہے جسکی وجہ سے انسان مکلف ہے لیکن دوسرے مقامات میں بعض مذاہب باطلہ کے رد کرنے کے لئے جو عرب میں موجود تھے یہ بھی کہا گیا کہ جیسا کہ تم

حضرت مسیح سے حضرت موسیٰ بڑھکر ہیں

مسیح کی الوہیت پر انجیل کے رو سے چند اعتراضات

لوگوں کا خیال ہے کہ اور اور معبود بھی کارخانہ الوہیت میں کچھ دخل رکھتے ہیں یہ غلط محض ہے۔ ہر ایک امر کا مرجع اور مبدا خدا ہے اور وہی علت العلل اور مسبب الاسباب ہے یہی غرض تھی جس کے لحاظ سے بعض اوقات خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں بعض درمیانی وسایط اٹھا کر اپنے علت العلل ہونے کا ذکر کیا جیسے کہ کہا یہ کشتی جو دریا میں چلتی ہے یہ ہمارا ہی احسان ہے۔ غرض اس جگہ ہمنے آپکو کافی جواب دیدیا ہے کہ قرآن شریف پر جبر کا اعتراض نہیں ہو سکتا اور نہ ہم جبریہ کہلاتے ہیں۔ آپکو اب تک مسلمانوں کے عقیدہ کی بھی کچھ خبر نہیں۔ یہ بھی آپ نہیں جانتے جس حالت میں اللہ تعالیٰ چور کے ہاتھ کاٹنے کیلئے اور زانی کے سنگسار کرنے کے لئے قرآن کریم میں صاف حکم فرماتا ہے تو پھر اگر جبری تعلیم ہوتی تو کون سنگسار ہو سکتا تھا۔ قرآن شریف میں نہ ایک نہ دو بلکہ صدہا آیات انسان کے اختیار کی پائی جاتی ہیں۔ اگر آپ چاہیں گے تو کوئی مکمل فہرست پیش کردی جائے گی اور اسقدر تو آپ خود بھی مانتے ہیں۔ کہ انسان من کل الوجوہ مختار مطلق نہیں اور اسکے قوٰی اور جوارح اور دوسرے اسباب بیرونی اور اندرونی پر خدا تعالیٰ کی حکومت کا سلسلہ جاری ہے اور یہی مذہب ہمارا ہے تو پھر کیوں ناحق کج بحثی سے بات کو طول دیتے ہیں۔ دیکھئے جب الزامی طور پر آپکی خدمت میں پیش کیا گیا کہ توریت میں لکھا ہے کہ شریر جہنم کے لئے بنائے گئے تو آپ کیسی رکیک تاویلیں کرتے ہیں اور پھر تعجب کہ قرآن کریم کی آیات بینہ پر ایسی سخت گیری کر رہے ہیں جس نے ایک ناکردہ تعصب کی حد تک آپ کو پہنچا دیا ہے کسی کا یہ مقولہ ٹھیک ہے یہ گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی! قرآن شریف صرف ایک شق کے بیان کرنے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ ایسے ایسے موقعوں پر دونوں شقوں کا بیان کرنا اسکا فرض ہے۔ کبھی برعایت اپنے علت العلل ہونیکے اپنے تصرفات کا حال بیان کرتا ہے اور کبھی بلحاظ انسان کے مکلف بالاختیار ہونیکے اُسکے اختیارات کا ذکر فرماتا ہے۔ پھر ایک بات کو دوسری بات میں دھنسا دینا اور اپنے اپنے موقعہ پر چسپاں نہ رکھنا اگر تعصب نہیں تو اور کیا ہے اور اگر اعتراض اسی کو کہتے ہیں تو ہم ایک ذخیرہ اس قسم کی آیات کا آپکی توریت و انجیل سے ایک فہرست مرتب کرکے پیش کر سکتے ہیں۔ مگر ان فضول اور کج بحثیوں سے ہم کو سخت نفرت ہے اسمیں کچھ شک نہیں کہ اس مسئلہ میں بلا تفاوت توریت و انجیل اور قرآن کا لفظاً و معنےً پورا اتفاق ہے اور نزاع ایسے کھلے کھلے اتفاق میں ایک شرمناک جھگڑا ہے دیکھئے کہ توریت کے لفظ یہ موجود ہیں کہ میں نے فرعون کا دل سخت کردیا۔ اب آپ ان لفظوں کو کاٹ کر اور نئے لفظ بنا کر یہ فرماتے ہیں کہ میں نے سخت نہیں کیا بلکہ اسکو شریر ہونے دیا۔ حالانکہ پھر بھی مآل ایک جا ٹھہرتا ہے۔ ایک

قرآن جبر کی تعلیم نہیں دیتا

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے تصرفات اور انسان کے اختیارات دونوں شقوں کا ذکر ہے۔

شخص کے روبرو ایک بچہ کنوئیں کے قریب بیٹھا ہے اور گرنے کو ہے اور وہ اسکو بچا سکتا تھا
اور اس نے نہ بچایا تو کیا اسکا قصور نہیں - بہر حال جب آپ لفظوں پر گرفت کرتے ہیں کیا ہمارا
حق نہیں کہ ہم بھی گرفت کریں اگر قرآن کے لفظوں پر پکڑ ہو سکتی ہے تو ایسے ہی لفظ توریت
میں بھی موجود ہیں - خاصکر امثال کا حوالہ آپکی توجہ کے لایق ہے جس میں صاف لکھا ہے "میں
نے شریروں کو بُرے دن کیلئے بنایا" اب آپ یہ لکھاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ "میں نے
شریروں کو اپنے لئے بنایا" دیکھئے کجا بُرے دنوں کیلئے اور کجا اپنے لئے - یہ اگر تحریف نہیں تو اور
کیا ہے اور پھر خدا تعالیٰ کی مالکیت پر بے جا بحث شروع کرکے لوگوں کو دہوکھ دینا چاہا ہے - آپکو
واضح ہو کہ خدا تعالیٰ اگرچہ قدوس ہے - لیکن بغیر نازل کرنے اپنے قانون کے کسی کو مواخذہ نہیں کرتا اور
یہ بھی بات ہے کہ وہ بجز اسکے کہ بالذات یہ چاہتا ہے کہ کوئی شخص اس سے شرک کرے اور کوئی اُس کا
نافرمان نہ ہو اور کوئی اسکے وجود سے انکار نہ کرے - اور اقسام کے معاصی کو حقیقی معصیت بجز احکام
نازل کرنیکے نہیں قرار دیتا - دیکھئے حضرت آدم کیوقت میں خدا تعالیٰ اسباب پر راضی ہو گیا - کہ
حقیقی ہمشیروں کو اُن کے بھائیوں سے نکاح ہو جاے - اور پھر مختلف زمانوں میں کبھی شراب پینے پر
راضی ہوا کبھی اسکی ممانعت کی اور کبھی طلاق دینے پر راضی ہوا - اور کبھی طلاق کی ممانعت کی اور کبھی
انتقام پر راضی ہوا اور کبھی انتقام سے ممانعت کی - اور یہ تو انسان کی نوع میں ہے - حیوانات کی نوع
میں اگر دیکھا جاے تو ماں اور بہن وغیرہ میں کچھ بھی فرق نہیں - برابر اور ہر طرح سے خدا تعالیٰ کی
نظر کے سامنے ناجائز کام ہوتے ہیں اور انہیں سے اولاد ہوتی ہے پس اس سے ثابت ہے کہ کتاب کے
نزول سے پہلے مواخذہ قایم نہیں ہوتا اور یہ تو آپ اقرار کرچکے ہیں کہ یہ تمام احکام بندہ کے فایدہ کیلئے ہوتے
ہیں اور سبات کا آپنے کوئی صحیح جواب نہیں دیا کہ جس حالت میں ان تمام امور میں بندہ کا فایدہ ہی
منظور ہے اور خدا تعالیٰ کے وعد اور وعید سے پہلے مواخذہ بھی نہیں ہوتا تو پھر جبکہ بڑے آسان طریق
سے یہ طریق اسطرح پر چل سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدوں کے موافق توبہ کرنیوالوں کی توبہ کو قبول کرے
تو پھر کسی دوسرے نامعقول طریق کی کیا حاجت ہے - اب بقیہ اسکا کسی دوسرے وقت میں بیان کیا
جاویگا - اسوقت ہم **جہاد** کے بارہ میں جو باقی حصہ ہے بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ میں
بیان کرچکا ہوں جہاد کی بنا صرف امن قایم کرنے اور بتوں کی نشان توڑنے اور حملہ مخالفانہ کے روکنے
کیلئے ہے اور یہ آیت یعنی قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم
اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون

شرائع میں اختلاف

آیت جزیہ کی تفسیر

آپکو کیا فائدہ پہونچا سکتی ہے اور کونسا جبر اس سے ثابت ہوسکتا ہے اسکے معنے تو صاف ہیں کہ ان
بے ایمانوں سے لڑو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔یعنی عملی طور پر فسق فجور میں مبتلا ہیں
اور حرام کو حرام نہیں جانتے اور سچائی کی راہیں اختیار نہیں کرتے جو اہل کتاب میں سے ہیں جب تک
کہ وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے دبے اور وہ ذلیل ہوں دیکھو اس سے کیا ثابت ہوتا ہے۔اس سے تو یہی ثابت
ہوا کہ جو اپنی بغاوتوں کی وجہ سے حق کے روکنے والے ہیں اور ناجائز طریقوں سے حق پر حملہ کرنیوالے ہیں
اُن سے لڑو اور اُن سے دین کے طالبوں کو نجات دو۔اس سے یہ کہاں ثابت ہوگیا کہ یہ لڑائی ابتداءً بغیر ان کے
کسی حملہ کے ہوئی تھی۔لڑائیوں کے سلسلہ کو دیکھنا از بس ضروری ہے اور جب تک آپ سلسلہ کو نہ دیکھو گے

اسلامی جہاد

اپنے تئیں عمداً یا سہواً بڑی غلطیوں میں ڈالو گے۔سلسلہ تو یہ ہے کہ اول کفار نے ہمارے نبی صلعم کے قتل کا
ارادہ کر کے آخر اپنے حملوں کی وجہ سے انکو مکہ سے نکالدیا۔اور پھر تعاقب کیا۔اور جب تکلیف حد سے بڑھی
تو پہلا حکم جو لڑائی کے لئے نازل ہوا وہ یہ تھا اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرھم
لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (س۱۷ ر۱۳) یعنی اُن
لوگوں کو مقابلہ کی اجازت دی گئی جنکے قتل کیلئے مخالفوں نے چڑھائی کی اسوجہ سے اجازت دیگئی کہ انپر
ظلم ہوا اور خدا مظلوم کی حمایت کرنے پر قادر ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے وطنوں سے ناحق نکالے گئے۔
اور انکا گناہ بجز اسکے اور کوئی نہ تھا جو ہمارا رب اللہ ہے۔دیکھئے کہ یہ پہلی آیت ہے جس سے سلسلہ
لڑائیوں کا شروع ہوا اور پھر اسکے بعد خدا تعالیٰ نے اس حالت میں کہ مخالف لڑائی کرنیسے باز
نہ آئے یہ دوسری آیت نازل فرمائی وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ
لا یحب المعتدین یعنی جو لوگ تم سے لڑتے ہیں انکا مقابلہ کرو اور پھر بھی حد سے مت بڑھو۔کیوں کہ
خدا تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور پھر فرمایا واقتلوھم حیث ثقفتموھم و
اخرجوھم من حیث اخرجوکم یعنی قتل کرو انہیں جہاں پاؤ اور اسیطرح نکالو جسطرح انہوں نے
نکالا۔پھر فرمایا وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ یعنی اس حد تک انکا مقابلہ کرو کہ
انکی بغاوت دور ہو جاوے۔اور دین کی روکیں اُٹھ جائیں۔اور حکومت اللہ کے دین کی ہو جاوے۔اور پھر فرمایا
قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ
والفتنۃ اکبر من القتل ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا یعنی
شہر حرام میں قتل تو گناہ ہے لیکن خدا تعالیٰ کی راہ سے روکنا اور کفر اختیار کرنا اور اللہ تعالیٰ کے نیک
بندوں کو مسجد حرام سے خارج کرنا یہ بہت بڑا گناہ ہے۔اور بغاوت کو پھیلانا یعنی امن کا خلل انداز ہونا

قتل سے بڑھکر ہے اور ہمیشہ قتل کیلئے یہ لوگ مقابلہ کریں گے تا اگر ممکن ہو تو تمہیں دین حق سے پھیر دیں اور پھر فرمایا و لولا دفع اللہ الناس بعضھم الخ یعنے اگر اللہ تعالیٰ بعض کے شر کو بعض کی تائید کیساتھ دفع نہ کرتا تو زمین فاسد ہو جاتی اور پھر فرمایا وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ یعنی اگر تم ان کا تعاقب کرو تو اسی قدر کرو جو انہوں نے کیا ہو ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنیوالوں کیلئے اچھا ہے اور پھر اہل کتاب کا گناہ جتلانیکے لئے فرمایا یا اھل الکتاب لم تصدون عن سبیل اللہ من اٰمن تبغونھا عوجاً - اے اہل کتاب کیوں ایمان لانیوالوں کو ایمان لانے سے روکتے ہو اور کجی اختیار کرتے ہو - پس یہی باعث تھا کہ اہل کتاب کیساتھ لڑائی کرنی پڑی کیونکہ وہ دعوت حق کے مزاحم ہوتے اور مشرکوں کو انہوں نے مددین کیں اور اُن کے ساتھ ملکر اسلام کو نابود کرنا چاہا جیسا کہ مفصل ذکر اسکا قرآن شریف میں موجود ہے تو پھر بجز لڑنے اور دفع حملہ کے اور کیا تدبیر تھی - مگر پھر بھی انکو قتل کرنیکا حکم نہیں دیا - بلکہ فرمایا حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون یعنی اسوقت تک اُن سے لڑو جبتک یہ جزیہ ذلت کے ساتھ دیدیں - اور صاف طور پر فرما دیا یعنے جہاد میں یعنے لڑنے میں اسلام سے ابتداء نہیں ہوئی جیسا کہ فرماتا ہے وھم بدؤکم اوّل مرۃ یعنی انہیں مخالفوں نے لڑنے میں ابتدا کی پھر جبکہ انہوں نے آپ ابتدا کی وطن سے نکالا صدہا بیگناہوں کو قتل کیا تعاقب کیا اور اپنے بتوں کی کامیابی کی شہرت دی تو پھر بجز اُنکی سرکوبی کے اور کونسا طریق حق اور حکمت کے مناسب حال تھا - اسکے مقابل حضرت موسیٰؑ کی لڑائیاں دیکھئے جن لوگوں کے ساتھ ہوئیں کونسی تکلیفیں اور دکھ اُن سے پہنچے تھے اور کیسی بیرحمی ان لڑائیوں میں کیگئی - کہ کئی لاکھ بچے بیگناہ قتل کئے گئے - دیکھو ۱۳ باب - ۱۷ آیت - گنتی استثنا ۲۰ باب ۱ - سموئیل اوّل ۱۸/۱۷ پھر سموئیل اوّل ۲۵/۳۸ پھر استثنا ۲۰/۱۰ اور ان آیات کے رو سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ پہلے صلح کا پیغام بھی بھیجا جاتا تھا جیسا اشب ۱۰۲ سے ظاہر ہے اور نیز جزیہ لینا بھی ثابت ہے جیسے قاضیوں کی کتاب باب اوّل ۲۸ و ۳۰ و ۳۳ و ۳۵ - اور یوشع ۱۶/۱۰ (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ	ھنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

رویداد جلسہ
۳-جون ۱۸۹۳ء

رویداد جلسہ

۳-جون ۱۸۹۳ء

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۶ بجے ۲ منٹ پر لکھنا شروع کیا اور ۶ بجے ۴ منٹ پر ختم ہوا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ میرزا صاحب نے ۷ بجے ۲ منٹ پر لکھنا شروع کیا اور ۸ بجے ۲۰ منٹ پر ختم کیا۔ اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ اور ڈپٹی صاحب نے ۹ بجے ۲۴ منٹ پر شروع کیا۔ اور ۱۰ بجے ۲۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ اور تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط ہو کر جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریذیڈنٹ از جانب اہل اسلام	ہنری مارٹن کلارک پریذیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

جواب ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

از جانب ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۳-جون ۱۸۹۳ء

یکم جون کا بقیہ :- ایمان بالجبر پر دیکھو (۱) سورہ انفال میں لکھا ہے کہ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ یعنی قتل کرو ان کو یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ اور دین ہو جاوے کل اللہ کیواسطے (سورۂ توبہ کا رکوع ایک)

یعنے جب گذر جائیں مہینے پناہ کے تو مارو مشرکوں کو اور ڈہونڈو ان کو اور گہات پر لگے رہو اُن کے۔ الا اگر تائب ہوں اور نماز و زکوٰۃ ادا کریں تو ان کی راہ کو چھوڑ دو۔ اور اگر کوئی مشرک پناہ مانگے تو کلام اللہ کے سُننے تک پناہ دو۔ پھر پہنچا دو ان کو جائے امن میں۔

پھر سورہ توبہ کے رکوع اوّل میں لکھا ہے کہ کہدے پیچھے رہے گنواروں کو کہ آگے تم کو مقابلہ کرنا

ہوگا ایک سخت لڑاکے گروہ کا تم ان کو مارو گے یا وہ مانیں گے۔ ماسوا ر آیت متنازعہ کے یہ اَور آیات ہیں جو صاف صاف ایمان بالجبر پر ایما کرتی ہیں۔ ماسوا انکے وہ جو جہاد دفعیہ اور انتقامیہ اور انتظامیہ قرآن میں بہت سے بیان ہیں۔ انکا انکار ہم کو کبھی نہ تھا۔ اقسام جہاد سے یہ خاص قسم ہے جسپر ہمارا آرزو ہے اور جو ایمان بالجبر پر ایما کرتی ہے کیا معنے اسکے ہیں کہ یہانتک قتل کرو کہ مخالفت دین اللہ کی باقی نہ رہے اور کل دین اللہ کا ہی ہو جائے۔ پھر کیا معنے اسکے ہیں کہ اگر تائب ہوں اور نماز و زکوٰۃ ادا کریں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔ ورنہ ہر راہ سے انکو مارو۔ پھر انمیں سے بھی اگر کوئی مشرک پناہ مانگے تو کلام اللہ کی سُن لینے تک ان کو پناہ دیدو اور بعد اسکے مامنہ میں پہنچا دو یعنے ایسے امن کی جگہ میں کہ غیر لوگ ان کو تکلیف ندیں۔ اور وہ اسلام سے پھر کر مسلمانوں کو تکلیف نہ دیں پھر کیا معنے اسکے ہیں کہ تم ان کو قتل کرو گے یا وہ تسلیم کریں گے۔ خلاصہ صاف صاف یہ کل امور ایمان بالجبر کے اوپر حکم کرتے ہیں۔

پرچہ دوم ۲ جون کا بقیہ جواب

ڈپٹی عبداللہ آتھم کیطرف سے اقانیم کی تشریح

۱۔ پھر جناب نے کلام کے مجسم ہونے پر تکرار کیا ہے۔ کہ کلام یعنے اقنوم ثانی جبکہ پہلے باب انجیل یوحنا میں ایسا لکھا ہے کہ کلام مجسم ہوا مگر مظہریت اسکی واسطے عہدہ مسیحیت کے تیس برس کی عمر میں ظاہر ہوئی۔ جب روح القدس نازل ہوا اور آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے میں اس سے راضی ہوں۔ جناب بار بار جو تثلیث فی التوحید کے مسئلہ پر اعتراض فرماتے ہیں جناب کو لازم ہے کہ پہلے توحید مطلق کو بدون صفات متعددہ کے اور کچھ ثابت کریں یا کسی شئے میں ماسوائے صفات متعددہ کے اور کچھ دکھلا دیں۔ واضح رہے کہ صفت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک قوت ہو کہ جو خاص قسم واحد پر حاوی ہو۔ یعنی جیسے روشنی صرف روشنی ہی کا کام کرتی ہے۔ وغیرہ ویسے ہی ذات جو جامع صفات ہونے کا ایک ہی کام کرتی ہے۔

۲۔ یہ نہ بہولنا کہ ہم صفت کو اقنوم قرار دیتے ہیں۔ ہمارے معنے اقنوم کے شخص معین کے ہیں کہ جو مجموعہ صفات ہو اور ہماری دلیل جزو صفت سے جو لیگئی ہے اس سے ایما ہماری یہ ہے کہ جو جزو پر صادق آتا ہے وہ کل پر بھی آتا ہے۔ اقانیم ثلثہ کے بارہ میں ہم یہ صورت بیان کرتے ہیں کہ جیسے ایک شئے قایم فی نفسہ ہوتی ہے اور دوسری مساوی اسکے لازم و ملزوم اسمیں ہوتی ہے ویسے ہی اول اقنوم کہ جسکو اب کہتے ہیں قایم فی نفسہ ہے اور دوسرا اقانیم یعنی ابن اور روح القدس اسمیں لازم و ملزوم مدیں

اور ایسی چیزیں جو ایک قائم فی نفسہٖ ہو اور دوسری لازم ملزوم ماہیت کلی کو تقسیم نہیں کرتی گو تمیز اپنی علیحدہ علیحدہ رکھتی ہے۔

۳۔ روح القدس کے بشکل کبوتر نازل ہونے پر جناب نے ایک تمسخر کیا ہے کہ کبوتر کیا شے ہے ایک چھوٹا سا جانور۔ کیوں نہ ہاتھی اور اونٹ کی شکل میں اُسنے نزول کیا تو اسکے جواب میں آپکو واضح ہو کہ کبوتر کو بے آزار کر کے لکھا ہے اور خبر دہندہ امان کا وقت طوفان نوح کے۔ اسلئے اسکی ایما یہ تھی کہ وہ کبوتر کی شکل میں اُتری اور ہاتھی اور اونٹ کو توریت میں ناپاک جانور کر کے لکھے ہیں۔ ان کی شکل میں روح القدس نہیں آ سکتی تھی۔ مگر آپ کی لطافی پر اگر کوئی کہے کہ جناب کے پیشوا نبی عرب نے کس لئے چھوٹے سے وجود انسانی میں ظہور کیا کیوں نہ سیمرغ میں ظہور فرمایا تو آپ اِس لطافی کو کیا کہیں گے۔

۴۔ موسیٰ جبکہ کہتا ہے کہ آنیوالے نبی کی جو میری مانند درمیانت میں ہوگا اسکی سینو تو کون بڑا ٹھیرا وہ جس کی سُنی جائے یا وہ جس کا سُننا بند ہو جائے۔ پھر خط عبرانیوں کے ۳ میں یہ لکھا ہے کہ موسیٰ گھر کا خادم تھا اور یسوع المسیح مالک۔ اور پھر موسیٰ یسوع مسیح کو پہاڑ پر ملنے کو آیا۔ یسوع اسکے ملنے کو نہیں گیا تو بڑائی کس کی زیادہ ہے۔

۵۔ یہ جناب کا خیال غلط ہے کہ کوئی معجزہ چھوٹا اور کوئی بڑا بھی ہوتا ہے۔ ایک ہی دست قدرت کی دو کاریگریاں ہوتی ہیں۔ مکھی کا بنانا اور ہاتھی کا بنانا ایک ہی قدرت چاہتا ہے مگر مجھکو بڑا تعجب یہاں یہ ہے کہ جناب نے نبی اسلام کا چھوٹا یا بڑا کوئی بھی معجزہ ثابت نہ کیا صرف دوسروں کے ہی معجزہ سے اپنا دِل خوش فرمایا یا اپنے کشف و کرامات کا ذکر کچھ کیا کہ جسکا ثبوت غیروں پر کبھی کچھ نہیں ہوا۔

۶۔ یسوع مسیح نے کبھی اقرار اپنے گناہوں کا نہیں کیا نہ لفظاً نہ ضمناً اور نہ اسکے اوپر کبھی یہ فتویٰ لگا۔

۸۔ یہ تو سچ ہے کہ قرآن انسان کو صرف جبریہ ہی نہیں ٹھیراتا بلکہ ایک طرف جبریہ اور دوسری طرف قدریہ یعنی صاحب اختیار لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ جبر اسمیں تقدیم رکھتا ہے اور یہ دو باہم متناقض بھی ہیں چنانچہ جبر کے غلبہ کا حوالہ ہم اور آیات سے بھی دیتے ہیں۔

(۱) سورہ نساء کے رکوع ۱۰ میں ہے جسکا حاصل معنے یہ ہیں جو کہتے ہیں کہ بھلائی اللہ کیطرف سے ہے اور بُرائی تیری طرف سے۔ تو کہہ اُنسے کہ سب کچھ اللہ ہی کیطرف سے ہے (۲) پھر سورہ نساء کے رکوع ۱۱ میں ہے کہ جسکو اللہ نے گمراہ کیا تم اُسکو راہ پر نہیں لا سکتے اور اسکے واسطے کوئی راہ باقی نہیں (۳) پھر سورہ مائدہ کے رکوع ۷ میں ہے اگر خدا چاہتا تو ایک ہی دین ہر کو دیتا مگر سب کو آزمانا تمہارا مد نظر تھا۔ پھر سورہ

انعام کے ۷ ارکوع میں ہے کہ کہتے ہیں کہ اگر چاہتا اللہ تو ہم شریک نہ ٹھیراتے الیٰ ہذا ہی پہلے بھی کافر کہتے رہے

۹- اِنسان کی فعل مختاری پر اطلاق کا لفظ جناب نے غلط لگایا ہے - بلکہ وہ اپنی حدود معینہ میں پورا فعل مختار ہے - میں نے یہ کبھی نہیں مانا جو جناب فرماتے ہیں کہ فعل مختاری بے دخل غیر بھی کچھ ہے اور نہ میں کچھ کج بحثی کرتا ہوں مگر فکر ہر کس بقدر ہمت اوست یہ ضد فعل مختاری اور نا مختاری انسان میں تو صرف قرآن میں ہی پائی جاتی ہے -

۱۰- سخت دلی فرعون کے معنے ہم بار بار کر چکے ہیں - آیندہ اسکا تکرار عبث عبث ہے -

۱۱- امثال کے باب ۱۶/۴ میں یہ نہیں لکھا کہ شریر کو شرارت کیواسطے بنایا گیا - مگر برے دن کے واسطے - جسکی شرح حزقیل کے ۱۸/۲۳و۳۲ و ۳۳/۱۱ اور پطرس کے دوسرے خط ۳/۹ میں اور پہلا طمطاوس کے ۲/۴ میں یہ لکھا ہے کہ شریروں کو مہلت نجات کی دیجاتی ہے اور خدا کی خوشی اسمیں نہیں - جیسا کہ قرآن آپکے نبی کی بابت کہتا ہے - کہ واستغفر لذنبک والمؤمنین والمؤمنات معافی مانگ اپنے گناہوں کے لئے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے - بپتسما پانے میں یسوع نے اپنی مراد آپ ظاہر کردی ہے یعنی یہ کل راستبازی پوری ہو یعنی متابعت شریعت موجودہ کی جائے اور واضح رہے کہ شریعت موسوی اور انبیاء سلف کا عمل عید پنتی کوسٹ کے دن تک رہا ہے - جبکہ مسیح نے جی اٹھکر آسمان کیطرف صعود کیا تب سے شریعت عیسوی جاری ہوئی - ورنہ پہلے اسکے شریعت سلف کی تھی خلف ذکر تک نہ تہا اب پھر جو جناب یوحنا کو بباعث بپتسما دینے یسوع کے بڑا فرماتے ہیں - یوحنا خود یہ کہتا ہے کہ میں اسکے جوتے کا تسمہ کھولنے کے قابل نہیں اور کہ وہ برہ ہے جو سب کے گناہوں کیواسطے ذبح ہوگا وہ جو جناب نے پھر لفظ نیک کے اوپر تکرار کیا ہے اسکا جواب بتکرار دیا گیا ہے اب اور کچھ کہنا ضرور نہیں - مگر اسقدر یاد دلانا کافی ہے کہ وہ خطاب جو اُسنے اس جوان سے فرمایا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے - جبکہ نیک سوائے ایک خدا کے کوئی نہیں اسی شخص سے یہ بھی اخیر میں فرمایا تہا کہ اگر تو کامل ہوا چاہتا ہے تو اپنا سارا مال عاجزوں کو تقسیم کردے اور میرے پیچھے ہولے لیکن وہ دلگیر ہوکے چلا گیا - اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے - کہ جانوں اور مالوں سب کا وہ مالک تہا - اور وہ جوان نہیں مانتا تہا کہ یہ مالک ہے اسلئے اسکو متنبہ کیا گیا کہ از انجا تو مجھے خدا نہیں جانتا - بروے اعتقاد جمہور یہود کے نیک سوائے خدا کے کوئی نہیں ہو سکتا - تو پھر مکاری سے مجھے تو نیک کیوں کہتا ہے یہ اسکی مکاری کی اصلاح تھی نہ کہ الوہیت سے انکار -

۷- اِنسان مسیح کا شیطان سے آزمایا جانا کیا نقصان اسکی الوہیت کو رکھتا ہے - انسان ہوکر

تو وے امتحان میں کھرا کیا گیا اور جو آدم اولی گر کر کھو بیٹھا تھا اُس نے کھڑا رہ کر پا لیا۔ پھر اس میں اعتراض کی جگہ کونسی ہے اور شریر اپنی شرارت میں مرجائے۔ پس یہ غلط ہے کہ شریر کو شریر بنایا گیا ہے جیسے یہ عام غلطی ہے کہ شیطان کو شیطان بنایا گیا۔ صحیح یہ ہے کہ شیطان کو مقدس فرشتہ بنایا گیا تھا پھر اس نے گناہ کر کے اپنے آپ کو شیطان بنا لیا۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ فسریر بنانے اور شریر ہونے دینے کا مآل ایک ہی ہے۔ اور وہ بچے کی مثال بھی جو جناب نے دی بمقدر اصلاح کے لائق ہے کہ اگر وہ نیک و بد کی ماہیت سے آگاہ نہیں یا طاقت نیکی کرنے اور بدی کرنے کی نہیں رکھتا تو مواخذہ عمل سے بھی بری ہے اسکا مرنا واسطے جہنم کے نہیں۔

۱۲۔ جناب نے مجھے دہو کہ باز جو ٹھیرایا ہے اسکے لئے میری طرف سے آپکو سلام پہنچے۔ اور آپکے مانگنے بدون ہی میری طرف سے معافی بھی۔ (باقی آیندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ ازجانب عیسائی صاحبان	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ ازجانب اہل اسلام

بیان حضرت میرزا صاحب

ازجانب حضرت میرزا صاحب

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے جس قدر بھر قرآن شریف کی ایسی آیتیں لکھی ہیں جس سے وہ ایمان بالجبر کا نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں۔ افسوس وہ ان آیات کے پیش کرنے میں ایک ذرہ انصاف سے کام نہیں لیتے۔ ہم نے صاف طور پر تحریر گذشتہ میں جتلا دیا ہے کہ قرآن شریف میں ہرگز ہرگز جبر کی تعلیم نہیں ہے۔ پہلے کفار نے ابتدا کر کے صدہا مومنوں کو تکلیفیں دیں۔ قتل کیا۔ وطنوں سے نکالا اور پھر تعاقب کیا۔ اور جب ان کا ظلم حد سے بڑھ گیا اور ان کے جرائم خدا تعالے کی نظر میں سزا دہی کے لائق ٹھیر گئے تب اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل کی اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ (سیپارہ ۱۷۔ رکوع ۱۳) یعنے جن لوگوں پر یعنی مسلمانوں پر ظلم ہوا۔ اور ان کے قتل کرنے کے لئے اقدام کیا گیا۔ اب اللہ تعالیٰ بھی انہیں مقابلہ کرنے کی اجازت دیتا ہے پھر چونکہ عرب کے لوگ بباعث ناحق کی خونریزیوں کے جو وہ پہلے کر چکے تھے اور بڑی بڑی ابتداوں سے مسلمانوں کو قتل کر چکے تھے اسلئے ایک شخصی قصاص کے وہ مستحق ہو گئے تھے اور اس لائق ٹھیرے تھے کہ جیسا انہوں نے ناحق بیگناہوں کو بڑے بڑے عذاب پہنچا کر قتل کیا ایسا ہی ان کو بھی قتل کیا جائے۔ اور جیسا کہ انہوں نے مسلمانوں کو اپنے وطنوں سے نکال کر تباہی میں ڈالا اور انکے مالوں اور جائدادوں اور

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ کی تفسیر

گھروں پر قبضہ کر لیا ایسا ہی انکے ساتھ بھی کیا جائے - لیکن خدا تعالیٰ نے رحم کے طور پر جیسی اور عائتیں کی ہیں کہ ان کے بچے نہ مارے جاویں اور ان کی عورتیں قتل نہ ہوں ایسا ہی یہ بھی عایت کر دی کہ اگر ان میں سے کوئی مقتول ہونے سے پہلے خود بخود ایمان لے آوے تو وہ اس سزا سے بچایا جاوے جو بوجہ اسکے پہلے جرائم اور خونریزیوں کے اسپر واجب ہوتی تھی - اس بیان سے سارا قرآن شریف بھرا ہوا ہے - جیسا کہ یہی آیت جو پیش کرچکا ہوں صاف صاف بیان فرما رہی ہے اور اسکے ساتھ کی دوسری آیت بھی یعنے الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (پ ۱۷/۱۳) یعنے وے مظلوم جو اپنے وطنوں سے بیگناہ نکالے گئے - صرف اسبات پر کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے - پھر اسکے بعد یہ آیت پیش کرتا ہوں یعنی قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ یعنی عرب کے اُن مشرکوں کو قتل کرو یہاں تک کہ بغاوت باقی نہ رہجاوے اور دین یعنی حکومت اللہ تعالیٰ کی ہو جائے - اس سے کہاں جبر نکلتا ہے اس سے تو صرف اسقدر پایا جاتا ہے کہ اس حد تک لڑو کہ ان کا زور ٹوٹ جائے اور شرارت اور فساد اٹھ جائے اور بعض لوگ جیسے خفیہ طور پر اسلام لائے ہوئے ہیں ظاہر بھی اسلامی احکام ادا کر سکیں - اگر اللہ جلشانہ کا ایمان بالجبر منشا رہوتا جیسا کہ ڈپٹی صاحب سمجھ رہے ہیں تو پھر جزیہ اور صلح اور معاہدات کیوں جائز رکھے جاتے اور کیا وجہ تھی کہ یہود اور عیسائیوں کیلئے یہ اجازت دیجاتی کہ وہ جزیہ دیکر امن میں آجائیں اور مسلمانوں کے زیر سایہ امن کیساتھ بسر کریں اور ڈپٹی صاحب موصوف نے جو مامنہ کے لفظ کی تشریح کی ہے وہ تشریح غلط ہے یعنی اس آیت کی جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مشرک قرآن شریف کو سننا چاہے تو اسکو اپنی پناہ میں لے آؤ -

جبتک وہ کلام الٰہی کو سُنے پھر اسکو اُسی کے مامن میں پہنچا دو اور اس آیت کے آگے یہ آیت ہے ذلک بانھم قوم لا یعلمون (سورہ توبہ رکوع ۱) یعنی یہ رعایت اسلئے ہے کہ یہ قوم بیخبر ہے - اب ڈپٹی صاحب یہ معنی کرتے ہیں کہ گویا اسکو کلام الٰہی کے سننے کے بعد ایسی جگہ پہنچا دو جہاں سے بھاگ نہ سکے - جبکہ انصاف اور فہم کا یہ حال ہے - تو نتیجہ بحث کا معلوم - آپ نہیں سمجھتے کہ کلام الٰہی کے تو یہ لفظ ہیں کہ ثم ابلغہ مامنہ یعنی پھر اس مشرک کو اس کی جگہ امن میں پہنچا دے اب ایسے صاف اور سیدھے اور کھلے کھلے لفظ کی تحریف کرنا اور یہ کہنا کہ ایسی جگہ پہنچا دو کہ وہ بھاگ نہ سکے اور مسلمانوں کے قبضہ میں رہے کسقدر ایک بدیہی صداقت کا خون کرنا ہے - پھر ڈپٹی صاحب اس آیۃ کو پیش کرتے ہیں - کہ جس میں چار مہینے کے گذرنے پر قتل کا حکم ہے - اور نہیں سمجھتے کہ وہ تو ان مجرموں کے متعلق ہے جو

حتیٰ لا تکون فتنۃ سے کیا مراد ہے -

ابلغہ مامنہ سے کیا مراد ہے

کیف یکون للمشرکین عہد... تا اوّل مرّۃ کی تفسیر

معاہدوں کو توڑتے تھے۔ جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے کیف یکون للمشرکین عہد عند اللّٰہ وعند رسولہ (سورۂ توبہ رکوع ۲) جس کا مطلب یہی ہے کہ بعد عہد و کے توڑنے کے انکے قول اقرار کا کیا اعتبار رہا اور پھر فرماتا ہے لا یرقبون فی مومن الاًّ ولا ذمہ واولئک ھم المعتدون۔ یہ مشرک نہ کسی عہد کا پاس کرتے ہیں اور نہ کسی قرابت کا اور حد سے نکلجانیوالے ہیں اور پھر فرماتا ہے وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدؤکم اوّل مرّۃ (توبہ رکوع ۲) یعنی اگر یہ مشرک توڑیں قسمیں اپنی بعد عہد کرنے کے اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم کفر کے سرداروں سے لڑو۔ کیونکہ وہ اپنی قسموں پر قایم نہیں رہتے تا کہ وہ باز آجائیں کیا تم ایسے لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول کو نکالدینے کا قصد کیا۔ اور انہوں نے ہی اوّل ایذا اور قتل کیلئے اقدام کیا۔ اب تمام ان آیات پر نظر غور ڈالکر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اس مقام سے جبر کو کچھ بھی تعلق نہیں بلکہ مشرکین عرب نے اپنی ایذا اور خونریزیوں کو یہاں تک پہنچا کر اپنے تئیں اس لایق کر دیا تھا کہ جیسا کہ انہوں نے مُسلمانوں کے مردوں کو قتل کیا اور انکی عورتوں کو سخت بیرحمی سے مارا اور اُنکے بچوں کو قتل کیا اور اس لایق ٹھیر گئے تھے کہ حضرت موسیٰ کے قانون جہاد کے موافق انکی عورتیں بھی قتل کیجائیں انکے بچے بھی قتل کئے جائیں اور انکے جوان و بڈھے سب تہ تیغ کئے جاویں اور انکو اپنے وطنوں سے جلاوطن کر کے انکے شہروں اور دیہات کو پھونکا جائے۔ لیکن ہمارے نبی صلعم نے ایسا نہ کیا بلکہ ہر طرح سے ان کو رعایت دی یہاں تک کہ باوجود ان کے واجب القتل ہو نیکے جو اپنی خونریزی کی وجہ سے وہ اسکے لایق ہو گئے تھے انکو یہ بھی رعایت دیگئی کہ اگر کوئی ان میں سے اپنی مرضی سے دین اسلام اختیار کرے تو امن میں آجائے۔

حضرت موسیٰ اور رسول اللہ صلعم کی لڑائیوں کا مقابلہ

اب اس نرم اور بیرحم طریق پر اعتراض کیا جاتا ہے اور حضرت موسیٰ کی لڑائیوں کو مقدس سمجھا جاتا ہے افسوس ہزار افسوس اگر سوئنت انصاف ہوتو اس فرق کا سمجھنا کچھ مشکل نہ تھا۔ تعجب کہ وہ خدا جس نے حضرت موسیٰ کو حکم دیدیا کہ تم مصر سے ناحق ناو اجب لوگوں کے برتن اور زیور مستعار طور پر لیکر اور دروغگوئی کے طور پر ان چیزوں کو اپنے قبضہ میں کر کے پھر اپنا مال سمجھ لو اور دشمنوں کے مقابل پر ایسی بیرحمی کرو کہ کئی لاکھ بچے انکے قتل کر دو اور لوٹ کا مال لیلو۔ اور ایک حصّہ خدا کا اسمیں سے نکالو اور حضرت موسیٰ جس عورت کو چاہیں اپنے لئے پسند کریں اور بعض صورتوں میں جزیہ بھی لیا جائے اور مخالفوں کے شہر اور دیہات پھونکے جائیں اور وہی خدا ہمارے نبی صلعم کے وقت میں باوجود اپنی ایسی نرمیوں کے فرماتا ہے بچوں کو قتل نہ کرو

عورتوں کو قتل نہ کرو۔ راہبوں سے کچھ تعلق نہ رکھو۔ کھیتوں کو مت جلاؤ۔ گرجاؤں کو مسمار مت کرو اور انہیں کا مقابلہ کرو۔ جنہوں نے اول تمہارے قتل کرنے کیلئے پیشقدمی کی ہے اور پھر اگر وہ جزیہ دیدیں یا اگر عرب کے گروہ میں سے ہیں جو اپنی سابقہ خونریزیوں کی وجہ سے واجب القتل ہیں تو ایمان لانے پر ان کو چھوڑ دو اگر کوئی شخص کلام الٰہی سننا چاہتا ہے تو اسکو اپنی پناہ میں لے آؤ۔ اور وہ جب سن چکے تو اسکو اسکی امن کی جگہ میں پہنچا دو۔ افسوس کہ اب یہی عمدہ مورد اعتراض ٹھیرایا گیا ہے افسوس کہ ایسی عمدہ اور اعلےٰ تعلیم پر وہ لوگ اعتراض کر رہے ہیں جو توریت کی ان خونریزیوں کو جن سے بچے بھی باہر نہیں رہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں پھر ڈپٹی صاحب نے اپنے رحم بلا مبادلہ کے بیان کی تائید میں فرمایا تھا کہ یہ بات غلط ہے کہ عدل سے پہلے رحم ہوتا ہے۔ بلکہ عدل سے پہلے جو سلوک کیا جاتا ہے اسکا نام گوڈنس ہے۔ رحم عدل کے بعد شروع ہوتا ہے۔ افسوس کہ ڈپٹی صاحب موصوف غلطی پر غلطی کرتے جاتے ہیں میں انکی کس کس غلطی کی اصلاح کروں۔ واضح ہو کہ گوڈنس یعنی نیکی یا احسان صفات میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ ایک کیفیت کے نتائج و ثمرات میں سے ہے سو وہ چیز جسکا نام صفت رکھا جائے وہ اس جگہ بجز رحم کے اسم سے اور کسی نام سے موسوم نہیں ہو سکتی اور رحم اس کیفیت کا نام ہے کہ جب انسان یا اللہ تعالیٰ کسی کو کمزور اور ضعیف اور ناتوان یا مصیبت زدہ اور محتاج مدد پا کر اسکی تائید کیلئے توجہ فرماتا ہے پھر وہ تائید خواہ کسی طور سے ظہور میں آوے اسکا نام گوڈنس رکھ لو یا اسکو نیکی اور احسان کہدو۔ ہو سکتا ہے۔ احسان کوئی صفت نہیں ہے۔ اور کسی کیفیت راسخہ فی القلب کا نام نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس کیفیت راسخہ یعنی رحم کا لازمی نتیجہ ہے مثلاً جب ایک بے دست و پا محتاج ہو کا ہماری نظر کے سامنے آئیگا تو اسکی پہلی حالت ناتوانی اور ضعف دیکھ کر ہمارے دل میں ایک کیفیت رحم کی اسکے لئے پیدا ہوگی۔ تب اس رحم کے جوش سے ہم نیکی کرنے کی توفیق پائینگے اور آپکا وہ گوڈنس ظہور میں آئیگا تو اب دیکھو وہ گوڈنس رحم کی صفت کا ایک ثمرہ اور نتیجہ لازمی ہوا یا خود بجائے رحم کے ایک صفت ہے منصفین اسکو خود دیکھ لیں گے۔ اور پھر آپ فرماتے ہیں کہ رحم عدل کے بعد پیدا ہوتا ہے اس تقریر سے آپکا مطلب یہ ہے کہ تا قرآن شریف یعنی سورۂ فاتحہ میں جو آیہ الرحمٰن الرحیم ہے اس پر دکریں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اس سے تو خود آپ کی حالت علمیت کی پردہ دری ہوئی جاتی ہے اسبات کو کون نہیں جانتا کہ رحم جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں ضعیف یا ناتوان یا مصیبت زدہ کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے یہ نہیں کہ عدل کے بعد ظہور میں آوے۔ ایسا ہی توریت میں ہے۔ عزرا ۳/۱۱ و نحمیاہ ۵/۳۱ و ۹/۱۹ زبور ۸۶/۵ و ۱۰۶/۱ اور نیز آپکا یہ قول جو بار بار پیش کر رہے ہیں جو رحم اور عدل کی گویا باہم لڑائی ہے اور اس لڑائی کے فرو کرنے کیلئے کفارہ کی تجویز ہوئی یہ آپکا بیان سراسر غلط ہے اسبات میں کچھ بھی شک نہیں کہ گناہ اسوقت پیدا ہوتا ہے کہ جب اول قانون فرمانبرداری کا شائع ہو جائے کیونکہ نافرمانی فرمانبرداری کے بعد ہوا کرتی ہے پھر

نیکی یا احسان صفت رحم کا نتیجہ ہے

جبکہ یہ صورت ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جب قانون نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ کی کتاب اپنے وعدوں کے
مطابق عملدرآمد کریگی یعنے اسطرح کے احکام ہونگے کہ فلاں شخص فلاں نیک کام کرے تو اسکا اجر یہ ہوگا
یا بد کام کرے تو اسکی سزا یہ ہوگی تو اس صورت میں کفارہ کا دخل کسی طور سے جایز نہیں جبکہ وعدہ وعید کے
مطابق فیصلہ ہوتا ہے تو اس صورت میں ایک بیٹا نہیں اگر ہزار بیٹے بھی صلیب پر کھینچے جاویں تب
بھی وعدہ میں تخلف نہیں ہوسکتا - اور کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدوں کو توڑتا ہے
اور جبکہ تمام مدار وعدوں پر ہے کسی حق پر نہیں ہے تو وعدوں کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیئے آپکا یہ بار
بار فرمانا کہ حقوق کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے مجھے تعجب دلاتا ہے آپ نہیں سوچتے کہ خدا تعالیٰ کے مقابل کسی
کا حق نہیں ہے اگر حق ہوتا تو پھر خدا تعالیٰ پر صدہا اعتراض ہر طرف سے قایم ہوتے جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں
کہ کیڑے مکوڑے اور ہر ایک قسم کے حیوانات جو خدا تعالیٰ نے پیدا کئے کیا یہ مواخذہ کر سکتے ہیں کہ ہمیں
ایسا کیوں بنایا - اسیطرح خدا تعالیٰ بھی قبل از تنزیل کتاب یعنی کتاب بھیجنے سے پہلے کسی پر مواخذہ نہیں
کرتا - اور یوں تو خدا تعالیٰ کے حقوق اُسکے بندوں پر اسقدر ہیں کہ جسقدر اسکی نعمتیں ہیں یعنی شمار میں نہیں
آسکتے - لیکن گناہ صرف وہی کہلائینگے جو کتاب نازل ہونے کے بعد نافرمانیوں کی مد میں آجائیں گے اور
جبکہ یہ صورت ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ دراصل عام طور پر اپنے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتا کیونکہ وہ
لاتعداد لاتحصٰے ہیں بلکہ نافرمانیوں کا مواخذہ کرتا ہے اور نافرمانیاں جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں وعدہ
اور وعید سے وابستہ ہیں یعنی اگر نیکی کرے تو اُسکو ضرور نیک جزا ملیگی - اور اگر بدی کرے تو اُسکو بد ثمر ملیگا
اور ساتھ اسکے یہ بھی وعدہ ہے کہ ایمان اور توبہ پر نجات ملیگی تو پھر اس صورت میں کفارہ کا کیا تعلق رہا -
کیا کسی کے مصلوب ہونیسے اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں سے دستکش ہوسکتا ہے - صاحب یہ قانونی سزائیں ہیں
جو انسانوں کو ملیں گی - حقوق کی سزائیں نہیں - جیسا کہ آپکا بھی یہی مذہب ہے - پھر جبکہ یہ حالت ہے -
تو یہ جزائیں اور سزائیں صرف وعدہ وعید کی رعایت سے ہوسکتے ہیں اور کوئی صورت نہیں ہے
جو اسکے برخلاف ہو اور یہ بات سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ بدی پر راضی نہیں کفر پر راضی نہیں اس سے کون انکار
کرتا ہے مگر جرائم اُسیوقت جرائم کہلاتے ہیں جب قانون ان کو جرائم ٹھیراوے اور نہ دنیا میں صدہا طور کے
ناجائز امور ہوئے اور ہو رہے ہیں وہ اگر کتاب الٰہی سے خارج ہوں تو کیونکر جرائم ہوسکتے ہیں مثلاً جیسے
انسان قتل و خونریزی کرتا ہے ایک درندہ بھی مثلاً شیر ہمیشہ خونریزی کرکے اپنا پیٹ بھرتا ہے اور جیسے
انسان کو اپنے امور نکاح کے متعلق ماں بہن اور رشتوں سے پرہیز ہوتا ہے جانوروں میں یہ بھی نہیں پایا جاتا
اور یہ بھی ہے کہ انسانوں میں شریعت کے ذریعہ سے بھی ایسے احکام بدلتے رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ کو اجازت

ہوئی کہ لڑائی میں جو عورتیں پکڑی جائیں ان میں سے جس کو پسند کرلیں اپنے لئے رکھ لیں بچوں کو قتل کردیں بیگانہ مال دروغگوئی کے طور لیکر اپنے قبضہ میں کریں اور دُور دراز منازل تک اسپر اکل و شرب کا گذارہ ہو لوگوں کے شہروں کو پھونک دیں مگر یہ اجازت دوسری شریعتوں میں کہاں ہوئی۔ (باقی آئندہ)

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

بقایا بیان سابقہ امروزہ:۔

۱۴۔ موسیٰ کی لڑائیوں میں امان لبشرط ایمان جناب نہ دکھلا سکیں گے اور وباؤں میں جیسا کہ طوفان نوح کا تھا یا اور مریاں میں جناب نہیں کہہ سکتے کہ بحکم خدا نہیں یا معصوم ان میں مارے جانے سے نامعصوم ٹھیر جاتے ہیں۔ پس یا تو انکار فرمایئے کہ توریت کلام اللہ نہیں یا اعتراضوں کو بند کیجئے۔ ہمارے اعتراض قرآن کے اوپر صفات ربّانی کے مخالف ہونیکے باعث ہیں اور اس سے ہمارا نتیجہ یہ ہے کہ وہ کلام اللہ نہیں ہوسکتا اور نبی اسلام صلعم رسول اللہ نہیں ہوسکتے۔ اور ان اعتراضوں کے برخلاف ہم نے کبھی تسلیم نہیں کیا کہ وہ کلام الہامی ہے اور یہ رسول حقیقی۔ پس یہ ویسے اعتراض نہیں کہ جیسے آپ توریت پر کرتے ہیں کہ جسکو آپ بڑے قرآن کلام اللہ بھی جانتے ہیں اور موسیٰ کو رسول اللہ بھی اور پھر معترض ہوتے ہیں۔ جیسے ہم نے صفات الٰہی کے مخالف تعلیمات قرآنی کو تھوڑا سا ظاہر کیا ہے ہم چند تعلیمات قرآنی اور بھی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ قرآن بجائے حق پرستی کے ناحق کے خوف کی پرستش جائز کرتا ہے جیسے کہ سورہ نحل میں لکھا ہے کہ جو شخص ایمان اللہ کے بعد تکفیر بر نام اللہ کے کرے بشرطیکہ وہ مجبور نہ ہو اور اپنے دل میں مطمئن ہو ایسے پر اللہ کا غضب ہے یعنی حالت مجبوری میں اور اطمینان دلی میں بابت حق ہونے اللہ کے انکار اللہ سے قابل غضب الٰہی کے نہیں اور یہ صاف ناحق کی خوف پرستی ہے بجائے حق پرستی کے جو حق کہ قادر مطلق ہے اور پھر سورۂ کہف میں لکھا ہے کہ ذوالقرنین جب غرب میں پہونچا تو اُسنے پایا کہ غروب ہونا سورج کا دلدل کی ندی میں ہوتا ہے۔ اگرچہ یہاں پایا نا ذوالقرنین کا لکھا ہے لیکن کلام قرآنی کی تصدیق کے سوا نہیں یعنی تصدیق قرآنی اسکے ساتھ اور یہ امر واقعی نہیں پھر سکو حق کیساتھ کیونکر موافق کیا جائے۔

۳۔ روزہ کے رکھنے کی حدود زمانہ قرآن میں یہ بیان ہوئے ہیں کہ دن کی سفید دھاری کے نکلنے سے پہلے شروع کیا جائے اور شام کی سیاہی کی دھاری کے آنے تک اسکو رکھا جائے۔ اسمیں سوال یہ ہے کہ اگر قرآن کل انسانوں کے واسطے ہے تو گرین لینڈ اور آئس لینڈ کا حال کیا ہوگا؟ جہاں چھ مہینے تک سورج طلوع

نہیں کرتا۔ اگر کہو کہ وہاں وقت کا اندازہ کرلینا چاہیئے تو اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن وقت کا اندازہ خود کرتا ہے اور کسی دوسرے کو اسکا اندازہ کرنیکی اجازت نہیں دیتا۔ یہ چند برائے نمونہ وہ تعلیمات قرآنی ہیں جو بالبداہت صداقت کے برخلاف ہیں +

(۴) ماسوا اسکے ظاہر ہے کہ چھوٹا بڑے کی قسم کھا سکتا ہے اور معنی قسم کے یہ ہیں کہ اگر اسکا بیان جھوٹا ہو تو اسکے بڑے کی مار اسپر پڑے۔ لیکن جبکہ قرآن میں اونچی چھت اُبلتے پانی اور زیتون اور قلم وغیرہ کی قسمیں لکھی ہیں تو یہ چیزیں خدا کو کیا نقصان پہنچا سکتی ہیں اور ایسی قسمیں صرف ہنسی کی معلوم نہیں ہوتیں تو اور کیا ہیں +

جواب امروزہ

۱۔ جناب فرماتے ہیں کہ ایمان بالجبر کی تعلیم قرآن میں نہیں ہے اسپر اور کچھ کہنا ضرور نہیں منصف ہر دو کے بیانوں کو دیکھ لیں گے۔ خود ہی انصاف کرلیں گے۔ قہر الٰہی کے حکم کی تعمیل اور بات ہے اور پالیسی کی تجویز کی تعبیر اور بات ہے۔ موسیٰ کو حکم الٰہی تھا کہ ان سات قوموں کو بالکل عدم کردو جیسے کہ طوفان کا حکم ہو یا خاص وبا کا حکم ہو کہ جس میں گناہگار تو مارے جاتے ہیں اور بیگناہوں کا امتحان ختم ہو جاتا ہے ان کو گناہگار نہیں بنایا جاتا مگر جناب کے حکم پالیسی کے ہیں جسمیں لکھا ہے کہ بچے اور عورتیں وغیرہ محفوظ رکھے جاویں اور جو شخص اسلام پر آجاوے اسکو امان دیا جاوے۔ پس یہی تو امان منحصر بر ایمان ہے۔ جس پر اعتراض قائم ہوتا ہے اور خدا کے دباؤں کے اوپر خواہ کسی سبب سے ہوں کوئی اعتراض قائم نہیں ہوتا + مامنہ کے معنے یہ نہیں کہ اُسی شخص کا وطن اور گھر امن کا ٹھیرایا جاوے۔ بلکہ سورۂ انفال میں ایک آیتہ ہے جس کا حوالہ میں ابھی ڈھونڈھ کے دونگا۔ جس میں لکھا ہے کہ جو گھر چھوڑ کے ہمارے بیچ میں آکر نہ رہے ہمارے جنگ سے محفوظ نہیں۔ یہاں سے ثابت ہے کہ مامنہ وہی جگہ ہے کہ جہاں اُن پر غیر لوگ تکلیف نہ پہونچا سکیں اور ان کو دین سے پھر جانیکا پھر موقع نہ ملے +

ہم نے بہت قسم کے جہاد جناب کے تسلیم کرلئے ہیں۔ ہمارا اعتراض جہاد ایمان بالجبری پر ہے۔ جو اسکے سوا آپنے فرمایا وہ سوا ہی ہے۔ ہماری آیات سند کا آپنے اچھی طرح سے جواب نہیں دیا۔ اور وہ جو آپنے فرمایا ہے کہ موسیٰ نے اچھی اچھی عورتیں جو لوٹ سے بچالیگئیں خود رکھ لیں۔ توریت سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جو اس ایک شادی رعوائیل یاتیرو کی لڑکی سے شادی کی تھی اسکے سوا اور کوئی شادی نہیں کی اور نہ لونڈی رکھی۔ البتہ اُسنے بعض عورات کو جو لوٹ میں بنی اسرائیل لائے۔ رکھ چھوڑنے کی اجازت دی لیکن انکا پیچھے رونے والا بھی کوئی نہ تھا۔ کیونکہ سب کا قتل عام کا حکم تھا۔ اور ایسا ہی ہر دنیا میں ہوتا ہے کہ بمشیت الٰہی بعضے

سچ بھی جانتے ہیں۔ لیکن قرآن میں جو لوٹ کی عورتیں اور خرید کی عورتیں جائز رکھی گئی ہیں اُن کو آپ
کس طرح سے چھپا سکتے ہیں کہ جن کے پیچھے رونیوالے بھی موجود تھے۔ دیکھو سورہ احزاب میں جسمیں یہ لکھا ہے
یایّھا النبی انا احللنا لک ازواجک التی اتیت اجورھن وما ملکت یمینک اسمیں ملک ہونا بذریعہ خرید
کے اور نیز بذریعہ لوٹنے کے ہے اور جو سرسید احمد خانصاحب نے اس آیت کی تفسیر کی ہے اسکا موقع ابھی نہیں۔
مگر پیچھے سے ان کی غلطی ہم دکھاویں گے +

۱۴۳

موسیٰ کی لڑائیوں میں ہم نے فرق دکھلایا کہ وہ بحکم الٰہی تھیں و بانشان۔ اور قرآن کی لڑائیاں
ظاہر ہے کہ پالیسی کی تھیں جن کے واسطے کبھی تصدیق کسی معجزہ کی نہیں ہوئی اور تعلیمات اسکے برخلاف
صفات ربانی کے ہیں لہذا ہم اسکو الہامی نہیں کہہ سکتے +

۲۔ یہ تو سچ ہے کہ برتن سونے چاندی کے بنی اسرائیل نے مصریوں سے مستعار لئے تھے لیکن وہ سونا
چاندی جس حقیقی مالک کی ملک ہیں یعنی خدا کی۔ اسی خدا نے انکو اجازت دی کہ اپنے پاس رہنے دو پھر اسمیں
ظلم کونسا ہے۔ اہل کتاب کے واسطے جزیہ گذاری اور ذلت قرآن نے قرار دی ہے وہ بیشک قتل عام سے تو مستثنیٰ
کئے گئے ہیں لیکن آپ نہیں کہہ سکتے کہ جزیہ گذاری اور ذلت خواری سے گذارنا کوئی چنگی نہیں اور وہ
بے ایذا مطلق ہے۔ خواہ نخواہ کچھ تو ایذا اسمیں ہے۔ آگے ہم تواریخ کا حوالہ آپکو کچھ نہ دینگے کہ کیا کچھ گذرا
ہے۔ ہم نے صرف قرآن کو لیا ہے۔ اسی کے اوپر اعتراض کرتے ہیں اور نہیں کرتے ہیں +

۳۔ جناب گوڈنس کو شعبہ مرسی یعنی رحم کا قرار دیتے ہیں۔ لیکن مجھکو معاف رکھئے کہ یہ ایک ایسی غلطی
ہے کہ عام غور کرنیوالا سمجھ سکتا ہے گوڈنس وہ ہے جو حق سے زیادہ احسان دکھلاتی ہے اور رحم وہ ہے جو
مواخذہ عدل سے چھوڑاتا ہے۔ لیکن جناب کو خواہ نخواہ مدنظر یہ ہے کہ کہیں تعلیم کفارہ کی ثابت نہو جائے
اسلئے آپ ان باتوں کے سمجھنے کو پسند نہیں فرماتے +

یہ ایک عجیب امر آپ فرماتے ہیں کہ رحم کو تقدیم ہے عدل کے اوپر۔ اور عجب اسمیں یہ ہے کہ رحم مواخذہ پر
آتا ہے یعنی مواخذہ عدل پر تو اسکو تقدیم کیونکر ہوئی۔ درست کہنا تو یہ ہے کہ ہر صفت اپنے اپنے موقع پر
ظہور کرتی ہے اور وہ جو چند باتیں جناب رحم کے متعلق سمجھتے ہیں درحقیقت گوڈنس کے متعلق ہیں رحم
سے ان کا علاقہ کچھ نہیں تھوڑی سی شرح کے واسطے گوڈنس کی تعریف ہم اور بھی کر دیتے ہیں مثال
اگر کوئی شخص اپنے جانوروں کو اچھی طرح سے نہلاتا کھلاتا پلاتا ہے۔ اس سے زیادہ کہ اگر اسکو چھوڑ دیا جائے
تو کبھی بہتر نہ ہو تو یہ گوڈنس ہے اور اگر کوئی شخص اپنے جانوروں کو جو اسکی حفاظت میں ہیں ایذا دیوے اور
اس ایذا میں وہ خوش ہو۔ یہ وہ امر ہے کہ گوڈنس کے برخلاف ہے ہر ایک مخلوق جو عدم سے بوجود آیا ہے اسکے

کچھ حقوق اپنے خالق پر ہیں - چنانچہ ایک یہ کہ وہ انکو ہر حاجت میں دکھ دینے والے سے بری رکھے یہاں تک عدل ہے مگر جو اس سے بڑھ کر ان کو سکھ کی افزونی دیوے یہ گوڈنس ہے اور جب کوئی شخص اپنے اعمال سے جو اس نے دیدہ و دانستہ و باختیار خود کیا ہو مواخذہ عدل میں ہو اس سے چھوڑانے کو رحم کہتے ہیں ؛

۴- جانوروں کی بابت میں جو شکم سیری و معیشت نفسی کی بابت فرمایا ہے اگر اُن کے مفعولوں کو کچھ دُکھ ہے تو جناب کو ثابت کرنا چاہیئے کہ اِن تین دُکھوں کے ماسوائے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور مواخذہ عدل کے لایق ہے ورنہ انپر الزام ہی کیا ہے اور جو ماہیت ظلم سے بھی آگاہ نہیں یا اتفاق جناب اکو مواخذہ ہی کیونکر ہو سکتا ہے - پس اِس فلاسفہ کے غوصی میں جناب چو طرف ایک شے کے نہیں پھرے اور اندر باہر اسکے نظر نہیں کی - جب کلی ماہیت اسکی معلوم کریں گے - تب ایسے دلایل کو پیش بھی نہ کرینگے ؛

۵- ہم نے ایک سوال کیا تھا بابت فرشتوں اور پیدایش مسیح کے اسپر ہمارا بہت کچھ کہنا ہے - اسکا جواب ہنوز آپ نے نہیں دیا - ہم انتظار اسکا کرتے ہیں ؛

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

۵ جون ۱۸۹۳ء

(روئیداد جلسہ)

میرزا صاحب نے ۶ بجے ۱ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۱ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا اور باہمی اتفاق سے قرار پایا کہ آج بحث ختم ہو۔ اور آجکا دن بحث کا آخری دن سمجھا جاوے۔

مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے ۷ بجے ۵۵ منٹ پر شروع کیا اور ۸ بجے ۵۵ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔

میرزا صاحب نے ۹ بجے ۲۳ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ۳۳ منٹ پر ختم کیا۔

جناب خواجہ یوسف شاہ صاحب آنریری مجسٹریٹ امرتسر نے کھڑے ہو کر ایک مختصر تقریر فرمائی اور حاضرین جلسہ کیطرف سے دونوں میر مجلسوں کا خصوصاً ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ ان کی خوش خلاقی اور عمدہ انتظام کی وجہ سے یہ جلسہ ۱۵ دن تک بڑی خوش اسلوبی اور خوبی کیساتھ انجام پذیر ہوا اور اگر کسی امر پر اختلاف پیدا ہوا تو دونوں میر مجلسوں نے ایک امر پر اتفاق کر کے ہر دو فریق کو رضامند کیا اور ہر طرح انصاف کو مدنظر رکھ کر صورت امن قائم رکھی +

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ ازجانب اہل اسلام	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ ازجانب عیسائی صاحبان

ازجانب حضرت میرزا صاحب

بیان حضرت میرزا صاحب

ڈپٹی صاحب اور میرے سوال وجواب بطور حرف عین اور غین سے ہیں یعنی ڈپٹی صاحب سے مراد ع اور مجھ سے مراد غ ہے:۔

ع قرآن میں لکھا ہے کہ ویکون الدین کلہ للہ یعنی یہاں تک قتل کرو کہ کل دین اللہ ہی کا ہو جائے اور زمین پر کفر باقی نہ رہے۔

غ اگر درحقیقت کل دینوں سے قرآن نے یہی معاملہ کیا ہے کہ یا ایمان اور یا قتل تو آپ ایسے معنوں کے کرنے میں سچے ہیں ورنہ جو حال ہے سمجھ لیجئے۔

ع اگر ایمان بالجبر نہ تھا تو عربوں کیلئے یہ کیوں شرط لگائی گئی کہ یا ایمان یا قتل۔

غ قتل کا حکم عربوں کی نسبت انکی خونریزیوں کی وجہ سے تھا۔ جو اسلامی لڑائیوں سے پہلے انہوں نے اسلام کو غریب اور گوشہ گزین جماعت کو قتل کرنا شروع کیا اور ایمان پر رہائی دینا انکے لئے ایک رعایت تھی جو صفات الٰہیہ کے مخالف نہیں دیکھو

کتنی دفعہ توبہ کیوقت یہودیوں کو خداتعالیٰ نے اپنے قہر سے نجات دی اور نیز شفاعت سے بھی۔

ع۔ موسیٰ کی لڑائیوں میں امان بشرط ایمان جناب دکھلا نہ سکے ؛

غ۔ امان بشرط جزیہ تو آپ دیکھ چکے۔ دیکھو قاضیوں کی کتاب باب ۲۸ تا ۳۵/۱ پھر صلح کا پیغام بھی سُن چکے اگر قہر تھا تو پھر صلح کیسی دیکھو استثنا ۲۰/۱۰ صلح کرنیوالا ایمان سے قریب ہو جاتا ہے اور پھر ایمان لانے سے کون روکتا ہے ؛

ع۔ معصوم بچوں کو قتل کرنا وباؤں کی موت کی طرح ہے ؛

غ۔ ننھے ننھے شیر خوار بچوں کو انکی ماؤں کے سامنے تلواروں اور برچھیوں سے قتل کرنا ایک دو بلکہ لاکھہا بچوں کو اگر یہ خداتعالیٰ کے حکم سے ہے تو پھر قرآنی جہاد کیوں جائے اعتراض سمجھے جاتے ہیں کیا یہ خداتعالیٰ کی صفات ہیں اور وہ نہیں ؛

ع موسیٰ کو حکم تھا کہ ان سات قوموں کو بالکل عدم کردیوے ؛

غ۔ کہاں وہ قومیں عدم کیگئیں۔ صلح کیگئی۔ جزیہ پر چھوڑے گئے۔ عورتیں باقی رکھی گئیں ؛

ع۔ اسلام لانے کے لئے جبر کیا گیا ہے ؛

غ۔ جس نے لا اکراہ فی الدین فرمایا صلح کو قبول کیا۔ جزیہ دینے پر امان دیدی۔ اسکو کون جابر کہہ سکتا ہے ؛

ع۔ قرآن کی یہ تعلیم ہے۔ کہ یہ بہتان مکاری کپڑے اوتار لیس میں نے ڈپٹی صاحب کے قول سے ایسا سمجھا ہے ؛

غ۔ اگر یہی تعلیم ہے تو آیت قرآن شریف کی پیش کیجئے۔ بلکہ جنہوں نے تلواروں سے قتل کیا۔ وہ تلواروں سے ہی مارے گئے۔ جنہوں نے ناحق غریبوں کو لوٹا وہ لوٹے گئے۔ جیسا کیا ویسا پایا۔ بلکہ انکے ساتھ بہت نرمی کا برتاؤ ہوا جس پر آج اعتراض کیا جاتا ہے کہ کیوں ایسا برتاؤ ہوا سب کو قتل کیا ہوتا ؛

ع۔ قرآن نے جائز رکھا کہ خوف زدہ ایمان کا اظہار نہ کرے ؛

غ۔ اگر قرآن کی یہی تعلیم ہے تو پھر اسی قرآن میں یہ حکم کیوں ہے ان یجاھدوا فی سبیل اللہ باموالہم و انفسہم (سورۂ توبہ رکوع ۶) اور کانہم بنیان مرصوص ۲۸/۹ اور یہ کہ ولا یخشون احدًا الا اللہ ۲۲/۴ اصل بات یہ ہے کہ ایمانداروں کے مراتب ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے منہم ظالم لنفسہ ومنہم سابق بالخیرات ۲۲/۱۶ یعنی بعض مسلمانوں میں سے ایسے ہیں جنپر نفسانی جذبات غالب ہیں اور بعض درمیانی حالت کے ہیں اور بعض وہ ہیں کہ انتہا ر کمالات ایمانیہ تک پہنچگئے ہیں۔ پھر اگر اللہ تعالےٰ نے برعایت اس طبقہ مسلمانوں کے جو ضعیف اور بزدل اور ناقص الایمان ہیں یہ فرمادیا کہ کسی جان کے خطرہ کی حالت میں اگر وہ دل میں اپنے ایمان پر قایم رہیں اور زبان سے گو اس ایمان کا اقرار نہ کریں تو ایسے آدمی معذور سمجھے جاوینگے مگر ساتھ اسکے یہ بھی تو فرمادیا کہ وہ ایماندار بھی ہیں کہ بہادری سے دین کی راہ میں اپنی جانیں دیتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے اور ہیرت پولس کا حال آپ پر پوشیدہ نہیں

جو فرماتے ہیں کہ میں یہودیوں میں یہودی اور غیر قوموں میں غیر قوم ہوں اور حضرت پطرس صاحب نے بھی مخالفوں سے ڈر کر تین مرتبہ انکار کر دیا۔ بلکہ ایکدفعہ نقل کفر کفر نباشد حضرت مسیح پر لعنت بھیجی۔ اور اب بھی ہیں نے تحقیقاً سنا ہے کہ بعض انگریز اسلامی ملکوں میں بعض مصالحہ کیلئے جاکر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں +

ع - قرآن میں لکھا ہے کہ ذوالقرنین نے آفتاب کو دلدل میں غروب ہوتے پایا +

غ - یہ صرف ذوالقرنین کے وجدان کا بیان ہے، آپ بھی اگر جہاز میں سوار ہوں تو آپکو بھی معلوم ہو کہ سمندر سے ہی آفتاب نکلا اور سمندر میں ہی غروب ہوتا ہے۔ قرآن نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ علم ہیئت کے موافق بیان کیا جاتا ہے ہر روز صدہا استعارہ بولے جاتے ہیں مثلاً اگر آپ یہ کہیں کہ آج میں ایک کابی پلاؤ کی کھا کر آیا ہوں تو کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ آپ کابی کو کھا گئے اگر آپ کہیں کہ فلاں شخص شیر ہے کیا ہم یہ سمجھ لیں گے کہ اسکے پنجے شیر کیطرح اور ایک دم بھی ضرور ہوگی۔ انجیل میں لکھا ہے کہ وہ زمین کے کنارے سے سلیمان کی حکمت سننے آئے۔ حالانکہ زمین گول ہے کنارہ کیا معنے پھر یسعیاہ باب ۱۴ میں آیت ۷ ہے ساری زمین آرام سے اور ساکن ہے۔ مگر زمین کی تو جنبش ثابت ہو چکی +

ذوالقرنین کا آفتاب کو دلدل میں غروب ہوتے دیکھا۔

ع - جہاں چھ ماہ تک سورج نہیں چڑھتا روزہ کیونکر رکھیں +

غ - اگر ہمنے لوگوں کی طاقتوں پر انکی طاقتوں کو قیاس کرنا ہے تو انسانی قوی کی جڑھ جو حمل کا زمانہ ہے مطابق کر کے دکھلانا چاہیئے پس ہمارے حساب کی اگر پابندی لازم ہے تو ان بلاد میں صرف ڈیڈھ دن میں حمل ہونا چاہیئے اور اگر انکے حساب کی تو دو سو چھیاسٹھ برس تک بچہ پیٹ میں رہنا چاہیئے۔ اور یہ ثبوت آپکے ذمہ ہے حمل صرف ڈیڈھ دن تک رہتا ہے لیکن دو سو چھیاسٹھ برس کی حالت میں یہ تو ماننا کچھ بعید از قیاس نہیں کہ وہ چھ ماہ تک روزہ بھی رکھ سکتے ہیں کیونکہ انکے دن کا یہی مقدار ہے اور اسکے مطابق انکے قوی بھی ہیں +

ع - رحم عدل کے بعد ہوتا ہے اور گوڈنس یعنے احسان پہلے +

غ - احسان کوئی صفت نہیں بلکہ رحم کی صفت کا نتیجہ ہے مثلاً یہ کہیں گے کہ فلاں شخص پر مجھکو رحم آیا۔ یہ نہیں کہیں گے کہ فلاں شخص پر مجھ کو احسان آیا۔ رحم بیماروں پر آتا ہے۔ رحم کمزوروں پر آتا ہے۔ رحم بچوں پر آتا ہے اور اگر کسی بدمعاش قابل سزا پر بھی آوے تو ویسی حالت میں آتا ہے کہ جب وہ ضعیفوں اور ناتوانوں کی طرح رجوع کرے۔ پھر اصل مورد رحم ضعف اور ناتوانی ہوئی یا کچھ اور ہوا +

ع - انسان فعل مختار ہے +

غ - اگر اسکے یہ معنی ہیں کہ جس حد تک اسکو قوی بخشے گئے ہیں اس حد تک وہ اس قوی کے استعمال کا اختیار رکھتا ہے تو یہ قرآنی تعلیم کے مخالف نہیں اللہ جلشانہ فرماتا ہے اعطی کل شئ خلقہ ثم ھدی ۱۶/۱۱ یعنی وہ خدا جسنے ہر چیز کو اسکے مناسب کمال قوی اور جوارح بخشے اور پھر انکو استعمال میں لانیکی توفیق دی ایسا ہی فرماتا ہے کل یعمل علی شاکلتہ ۱۵/۹

یعنے ہر ایک اپنی قومی اور اشکال کے موافق عمل کرنیکی توفیق دیا جاتا ہے اور اگر کچھ اور معنے ہیں تو سے آپ کو خوشگوار ہیں +

ع - کیا خدا تعالیٰ مالکیت کے برقعہ میں ناجایز کاموں کی اجازت دے سکتا ہے +

غ - نالایق مت کہیئے جو کچھ اُسنے کیا اور کر رہا ہے - وہ سب لایق ہے - صحیفۂ قدرت کو دیکھئے کہ وہ کروڑہا پرند اور چرند اور دوسرے جانوروں کی نسبت کیا کر رہا ہے اور اسکی عادت حیوانات کی نسبت کیا ثابت ہوتی ہے اگر غور سے آپ دیکھیں گے تو آپ اقرار کرینگے کہ وضع اس دنیا کی اسیطرح پائی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک حیوان کو انسان پر قربان کر رکھا ہے اور اُسکے منافع کیلئے بنایا ہے +

ع - کلام مجسم ہوا +

غ - اس سے ثابت ہوا کہ حضرت مسیح کا جسم بھی خدا تھا - لیجیے حضرت یک نشد دو شد +

ع - اقنوم کے معنی شخص معین ہیں - سو یہ تین جدا جدا شخص اور ماہیت ایک ہے - اب قایم فی نفسہٖ اور ابن اور روح القدس ہمیں لازم وملزوم ہیں +

غ - جبکہ یہ تینوں شخص اور تینوں کامل اور تینوں میں ارادہ کرنیکی صفت موجود ہے - اب ارادہ کرنیوالا ابن ارادہ کرنیوالا روح القدس ارادہ کرنیوالا - تو پھر ہمیں سمجھاؤ کہ باوجود اس حقیقی تفریق کے اتحاد ماہیت کیونکر اور نظیر بیجدی اور بینظیری کی اس مقام سے کچھ تعلق نہیں رکھتی - کیونکہ وہاں حقیقی تفریق قرار نہیں دیگئی +

ع - نبی اسلام کا چھوٹا یا بڑا معجزہ ثابت نہیں ہوا +

غ - قرآن معجزات سے بھر رہا ہے اور خود وہ معجزہ ہے توجہ سے دیکھیں اور پیشگوئیاں تو سمیں دریا کیطرح بہہ رہی ہیں اسلام کے غلبہ کی ضعف اسلام کیوقت خبر دی - سلطنت روم کے غلبہ کی اُنکے مغلوب ہونیکے پہلے خبر دی - شق القمر کا معجزہ بھی موجود ہے - اگر نظام کے مخالف وسوسہ گذرے تو یوشع بن نون اور یسعیاہ نبی کی نظیر دیکھ لیجیے - مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کا ہمیں کچھ پتہ نہیں لگتا - بیت صیدا کے حوض نے انکی رونق کھودی - پیشگوئیاں نری اٹکل معلوم ہوتی ہیں اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ بعض پوری بھی نہ ہوئیں مثلاً یہ پیشگوئی کب اور کسوقت پوری ہوگئی کہ تم سے ابھی بعض نہیں مرینگے کہ میں آسمان سے اوتر آؤنگا - بادشاہت کہاں ملی جس کے لئے تلواریں خریدی گئی تھیں - بارہ حواریوں کو بہشتی تختوں کا وعدہ ہوا تھا - یہودا اسکریوطی کو تخت کہاں ملا +

ع - قرآن نے فصاحت وبلاغت کا دعویٰ نہیں کیا +

غ - اگلے پرچہ میں دکھلادونگا کہ کیا ہے +

ع - کیا ستون میں خدا نہیں بول سکتا +

غ - کیوں نہیں بلکہ ستون میں بول کر بھی وہ ستون سے بے علاقہ رہیگا - اور ستون ابن اللہ نہیں کہلائیگا - بلکہ جیسے

پہلے تھا ویسے رہیگا اور ایک ستون میں بولنا ایک ہی وقت میں دوسرے ستون میں بولنے سے منع نہیں کریگا
بلکہ ایک ہی سکینڈ میں کروڑہا ستونوں میں بول سکتا ہے مگر آپکا اصول اسکے مطابق نہیں +

ع - کس نبی کے بارہ میں لکھا ہے کہ میرا ہمتا +

غ - جناب جب بعض نبیوں کو خدا کہا گیا تو کیا ہمتا پیچھے رہ گیا بلکہ خدا کہنے سے تو قادر مطلق وغیرہ سب صفات آگئے +

ع - مسیح کے مظہر اللہ ہونے میں بائیبل میں بہت سی پیشگوئیاں ہیں +

غ - پیش از وجود مسیح چودہ سو برس تک علماء یہود کی ان کتابوں کو پڑھتے ہیں اور قریباً کروڑہا علماء کی نظر سے وہ کتابیں گذریں کہ کیا کسی کا ذہن اس طرف نہیں گیا کہ کوئی خدا بھی آنیوالا ہے +
کیا یہودی لعنت نہیں جانتے تھے کتابیں نہیں رکھتے تھے نبیوں کے شاگرد نہیں تھے - پھر گھر کی پھوٹ اور بعض علماء عیسائی کا یہود سے متفق ہونا اور بھی اسکی تائید کرتا ہے +

ع - شریعت موسوی نشانات تصویری کیسے تھے - پھر قرآن کیا لایا +

غ - قرآن نے مردوں کو زندہ کیا - باطل باطل خیالات کو مٹایا +

ع - مذہب عیسوی میں تقدیری جبر کی تعلیم نہیں +

غ - انجیل سے پایا جاتا ہے کہ شیاطین مبلالت پر مجبور ہیں اور ناپاک روحیں ہیں - اگر یہ بات صحیح نہیں تو ثابت کرو کہ حضرت مسیح کے ذریعہ سے کس شیطان نے نجات یافتہ ہونیکی خوشخبری پائی بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ وہ ابتدا سے قاتل تھا اور شیاطین میں سچائی نہیں حضرت مسیح شیاطین کیلئے بھی کفارہ تھے یا نہیں اسکا کیا ثبوت ہے - مگر قرآن جناب کی ہدائیت کا ذکر کرتا ہے +

ع - مسیح زمین و آسمان کا خالق ہے +

غ - سوال یہ تھا کہ مسیح نے دنیا میں آکر مظہر اللہ ہونیکی کونسی چیز بنائی جواب ملتا ہے کہ سب کچھ مسیح ہی کا بنایا ہوا ہے +

ع - نیک ہونے سے انکار اسلئے کیا تھا کہ وہ مسیح کو خدا نہیں جانتا تھا +

غ - انجیل سے اسکا ثبوت دیجئے مرقس میں تو صاف لکھا ہے کہ اُسنے گھٹنے ٹیکے اور مسیح نے خدائی کا کچھ ذکر نہیں کیا بلکہ کہا کہ اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو اپنا سارا مال غریبوں کو بانٹ دے +

ع - مسیح کا بن باپ پیدا ہونا مانتے ہیں یا نہیں +

غ - مسیح کا بن باپ پیدا ہونا میری نگاہ میں کچھ عجوبہ بات نہیں حضرت آدم ماں اور باپ دونوں نہیں رکھتے تھے اب قریب برسات آتی ہے ضرور باہر جاکر دیکھیں کہ کتنے کیڑے مکوڑے بغیر ماں باپ کے پیدا ہو جاتے ہیں پس اس سے مسیح کی خدائی کا ثبوت نکالنا صرف غلطی ہے +

ع - صرف توبہ سے بے ادائے ہرجہ کیونکر گناہ بخشے جاسکتے ہیں +

غ - کسی کے گناہ سے خداتعالیٰ کا کوئی ہرجہ نہیں ہوتا اور گناہ پہلے قانون نازل ہونیکے کچھ وجود نہیں رکھتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا ۱۵/۲ یعنی ہم گناہوں پر عذاب نہیں کیا کرتے جبتک رسول نہیں بھیجتے اور جب رسول آیا اور خیروشر کا راہ بتلایا تو اس قانون کے وعدوں اور وعیدونکے موافق عملدرآمد ہوگا۔ کفارہ کی تلاش میں لگنا ہنسی کی بات ہے کیا کفارہ وعدوں کو توڑ سکتا ہے بلکہ وعدہ وعدہ سے بدلتا ہے اور نہ کوئی اتفاقی تدبیر سے جیسے کہ اللہ فرماتا ہے سلام علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ انہ من عمل منکم سوءً بجہالۃ ثم تاب من بعدہ واصلح فانہ غفور رحیم ۱۲/۷ اور یہ کہنا کہ اعمال حسنہ ادائے قرضہ کی صورت میں ہیں غلط فہمی ہے وہ تو اس صورت میں ہوتا کہ جب حقوق کا مطالبہ ہوتا۔ اب جبکہ گناہ صرف ترک قانون سے پیدا ہوا نہ ترک حقوق سے اور عبادت صرف کتابی فرمانوں پر عمل کرنیکا نام ہے تو نجات عدم نجات کا صرف قانونی وعدوعید پر مدار رہا +

ع - قرآن کی قسمیں صرف ہنسی کی سی ہیں +

غ - اسکی حقیقت آپکو معلوم نہیں یہ ایک خاص اصطلاح ہے جو قسموں کی صورت میں اللہ جلشانہ ایک امر بدیہ کو نظری کے ثبوت کیلئے پیش کرتا ہے یا ایک امر مسلم کو غیر مسلم کے تسلیم کرنیکے لئے بیان فرماتا ہے۔ اور جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے وہ درحقیقت قائمقام شاہد ہوتی ہے۔ جیسا کہ میں آیت لا اقسم بمواقع النجوم میں مفصل بیان کرچکا ہوں اگر تفصیل وار دیکھنا ہو تو آئینہ کمالات اسلام کو دیکھئے +

قرآن کی قسمیں

ع - دُکھ تین قسم کے ہوتے ہیں +

غ - آپ پر تو یہ ثابت کرنا ہے کہ جو کروڑہا حیوانات بغیر الزام کسی گناہ کے ذبح کئے جاتے ہیں وہ اگر مالکیت کی وجہ سے نہیں تو کیوں ذبح ہوتے ہیں اور مرنیکے بعد کس بہشت میں رکھا جائیگا + (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی — دستخط بحروف انگریزی

غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام — ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

از جانب ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

جناب جو یہ فرماتے ہیں کہ وہ حکم قتل کا انہیں لوگوں کے واسطے تھا جنہوں نے ظلم کیا تھا اہل اسلام پر۔ میرا جواب یہ ہے کہ سورہ توبہ کے رکوع ۴ میں یہ سبب نہیں دیا گیا بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ جو ایمان نہ لاوے اللہ پر اور دن قیامت پر اور جو خدا رسول نے حرام کیا ہے اسکو حرام نہ مانے تو وہ قتل کیا جائے اور اسمیں استثنا صرف اہل کتاب کیلئے ہے اگر وہ ایمان لانیکو نہ چاہیں اور نہ تہ تیغ ہوں تو جزیہ گذار اور خوار ہوکر جیتے ہیں ایسی ہی اور بھی آیات جن کا میں نے حوالہ دیا

ان میں یہی منشا، پایا جاتا ہے اور ایمان پر امان کا منحصر کرنا گو رعایت ہے۔ لیکن ایمان بالجبر کو اور بھی قایم کرتا ہے کہ وہ شفاعتیں اور بخششیں جو مہلت زمانہ کیواسطے دیگئیں نظیر آپکے ایمان بالجبر کی نہیں کیونکہ وہ فیصلہ عقبیٰ تک کیگئے تہیں

۲- جہاد بانشان سات قوموں سے تہا چنانچہ انکے نام بھی درج ہیں یعنی حتّی حوی یبوسی وغیرہ ان سے ماسوا جو ملک موعود یا ابراہیم کے درمیان اور بھی بہت سی قومیں تھیں جن کو قتل کا حکم نہیں ہوا مگر یہ کہ وہ طاعت قبول کریں تو کافی ہے اور اس سے ہماری وہ دلیل اور بھی قایم ہوتی ہے کہ وہ سات قومیں الیسی زیر غضب الٰہی کے تھیں کہ جیسے نوح کے زمانہ میں اور لوط کے زمانہ میں قہر آیا اور سب کو برباد کر گیا ایسا ہی انکے واسطے بھی تیغ بنی اسرائیل سے بربادی کا حکم ہوا معصوم بچوں کا جو آپ اعتراض پکڑتے ہیں کہ موسیٰ کی جنگوں میں ہوا ایسا ہی تو ہر وبا میں ہوتا ہے آپکو ماننا پڑیگا کہ یا تو موسیٰ کا بیان حکم الٰہی مانیں اور یا اس سے برکنار ہو کر فرماویں کہ توریت کلام الٰہی نہیں آپ دو ہر میں نہیں لٹک سکتے +

۳- آپکے مذہب پر یہ اعتراض اسلئے ہے کہ شرط امان کی انحصار ایمان کی کرتی ہے ان سات قوموں سے صلح نہیں کیگئی یہ آپکا بیان غلط ہے اور عورتیں سب انکی نہیں رکھی گئیں مگر شاذ و نادر چند کے بچا دینے کیلئے بنی اسرائیل کو اجازت دیگئی اور الیسی عورتوں کیواسطے اجازت دیگئی کہ جس کا پیچھے رونیوالا کوئی نہ تہا اور اگر ان کے رکھنے کے واسطے اجازت نہ دیجاتی تو ان کے مار ڈالنے سے یہ بدتر ہوتا +

۴- آپ تسلیم فرماتے ہیں کہ جبکو اجازت صلح کی دیگئی تو اگر ایمان کیواسطے ایسا کیا جائے تو کسقدر جبر جائز مانا جائیگا۔ مگر فلسطیوں کی ان سات قوموں کیواسطے صلح کی اجازت کبھی نہیں دیگئی اور جزیہ دینا ان سے قبول کبھی نہیں ہوا اور وہ مثل وبا کے تہ تیغ ہی کئے گئے۔ پھر جناب قرآن کی تعلیم کو انکی مثال اور انکو ممثلہ نہیں فرما سکتے +

۵- وہ جو آپ فرماتے ہیں کہ گویا میں نے کہا کہ قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ یہ بہانہ مکاری سفید پوشوں کے کپڑے اوتار لیں بجواب اسکے عرض ہے کہ میں نے ایسا کبھی نہیں کہا۔ جناب نے غلط فہمی کی ہے۔ یہ میں نے ضرور کہا لا اکراہ فی الدین میں اکراہ وہ بھی تو متصور ہو سکتا ہے جو بعض اہل اسلام کسی سفید پوش کو دیکھکر اور اس سے سلام علیک سن کر کہہ دیتے تھے کہ تو مسلمان نہیں تو مکاری سے سلام علیک کرتا ہے اور اسے مار ڈالتے تھے اور کپڑے اوتار لیتے تھے۔ اسیوں کے بارہ میں یہ آیت ہو سکتی ہے کہ ایسا اکراہ دین کے معاملہ میں مت کرو نہ وہ اکراہ جو ایمان دالے کیلئے ہو۔ جس کے واسطے ہم نے بہت سی آیات ناطق قرآن ہی سے پیش کی ہیں +

۶- قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ اگر کوئی صاحب مجبوری میں خدا کا انکار کر لیوے لیکن قلب اسکا حق کے اوپر مطمئن رہے بوجہ اس اکراہ کے اور اطمینان کے غضب الٰہی سے وہ محفوظ رہیگا پس ہمارا اعتراض یہ تہا کہ یہ ناحق کی خوف پرستی ہے کہ جو قادر قدوس سکہلاتا ہے اور ایسا ہونا نہ چاہیے۔ اس تعلیم کو سورۂ نحل کی اس آیتہ میں دیکھ لینگے کہ جس میں لکھا ہے کہ من کفر باللہ من بعد ایمانہ ۔۔ ۔۔ ۔۔ الخ

۷ - پولوس کا یہ کہنا کہ میں یہودیوں میں یہودیوں سا ہوں اور غیر قوموں میں غیر قوم سا۔ اسکے یہ معنے نہیں ہو سکتے کہ وہ بے ایمان ہو رہا تھا بلکہ اسکے صاف معنی یہ ہیں کہ جہاں تک میں کسی سے اتفاق کر سکتا ہوں نفاق نکرونگا چنانچہ اس موقع کو غور فرما کر دیکھ لیں یہ پہلا قرنتی ۹ - ۲۰ - ۲۱ - ۲۲ اور پطرس کا انکار صاف گناہ کا ہے اور مسیح پر اسنے لعنت نہیں کی تھی بلکہ اپنے اوپر معلوم نہیں کہ جناب کو کس گھبراہٹ نے پکڑا ہے - کہ صحیح اقتباس کلام کا بھی نہیں فرماتے - آپ کیا حوالہ بے ایمان انگریزوں کا دیتے ہیں کیا وہ انجیل ہیں کلام بائیبل اور قرآن کے اوپر ہے نہ بدعمل لوگوں کے اوپر ۔

۸ - میں جہاز پر سوار ہوا یا ہوں میں نے سورج کو کسی دلدل کی ندی میں غروب ہوتے نہیں دیکھا اور کسی اور نے دیکھا - اور وہ جو اس آیتہ میں بیان ہے کہ اسنے پایا کہ سورج دلدل کی ندی میں غروب ہو جاتا ہے تو اسکے ساتھ تصدیق خدا ئے قرآنی کی بھی ہے جو یہ کہتا ہے یسئلونک الخ یعنے تجھ سے سوال کرتے ہیں بابت ذوالقرنین کی اور اسکے ہوتا وعدہ ہے کہ ہم ابھی بیان کرینگے - پس اسمیں تصدیق اسی خدا کی ہے نہ صرف پانا ذوالقرنین کا - اس سے ظاہر ہو جیوے کہ جناب اس اعتراض کو اٹھا نہیں سکتے یہ محاورہ کی بات نہیں بلکہ محاورہ کے برخلاف ہے کہ آفتاب دلدل کی ندی میں غروب کر گیا کیونکہ بدو نظر اور محاورہ کسی زبان یا مکان کا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ سورج کسی دلدل کی ندی میں غروب کرتا ہے ہاں البتہ یہ تو عام محاورہ اور مجاز ہے جو لوگ کہتے ہیں سورج نکلا اور سورج غروب ہوا - اور نہ وہ محاورہ جو آپ فرماتے ہیں اور جو امور بدو نظر میں کچھ صورت ظہور کی دکھلاتے ہیں انکا کلام اس صورت کے مجاز میں ہوتا ہے جیسا رکابی پلاؤ کا کھانا کہ ہر ایک سمجھتا ہے کہ بھری ہوئی رکابی میں سے کچھ نہ چھوڑا - یا جیسے کہتے ہیں کہ پتنالے چل رہے ہیں یا یہ کنواں میٹھا یا کھارا ہے یہ بھی ایسے محاورات ہیں جو عامہ ہیں اور سبا کی ملکہ جو زمین کے کنارہ سے آئی اسکے معنے صاف ظاہر ہیں کہ دوسرے ملک کے کنارہ سے آئی جو فلسطین کی دوسری طرف تھا - اسمیں جغرافیہ اور علم ہندسہ کا کیا علاقہ ہے یہ نظیریں جناب کے دلدل کی ندی غروب کے لئے پیدا نہیں کر سکیں گے - زمین کا ساکن ہونا بھی بدو نظر ہے اور عوام اس سے نہیں پھرتے اور کلام الٰہی عوام کیلئے ہے ۔

۹ - جناب نے آیس لینڈ اور گرین لینڈ کے دنوں کی کیا اچھی تعبیر فرمائی ہے اور وہ نظیر جو حمل کی آپ نے دی ہے اس سے بھی بڑھ کر ہے مجھے حیرانی یہ ہے کہ کلام نص کو آپ چھوڑ کر کہاں چل پڑتے ہیں - قرآن کے کلام نص میں یہ لکھا ہے کہ دن کی سفیدی کی دھاری سے پہلے شروع کر کے شام کی سیاہی کی دھاری کے پیچھے روزہ افطار کرنا چاہیئے - کہ جن دونوں دھاریوں کا ان ملکوں میں نشان تک کچھ نہیں اور حمل کی بابت جو آپ نے نظیر دی ہے وہ زمانہ متعینہ ہمارا ہے نہ کسی کلام الٰہی کا ۔

۱۰ - جناب فرماتے ہیں کہ گو ڈالنس کوئی صفت نہیں تب جب ایک شخص جو کسی مواخذہ میں گرفتار نہیں

وہ کسی خوش سلوکی کے لایق بھی نہیں ہے۔ رحم کی اصطلاح صادق تظاہر کرتی ہے کہ کسی مواخذہ میں گرفتار ہے جسکو
رحم سے چھوڑایا جاتا ہے۔ آپ کا اختیار ہے جتنا چاہیں ممند فرماویں مگر یہ امور بدیہی ہیں +

۱۱ ۔ یہ ایک عجیب سوک ہے کہ جو ایک امر بدیہی نالایق ہو اسکو نالایق کہا جائے کیا اگر ہم فرض کر لیویں
کہ خدا نے کوئی ظلم کیا یا جھوٹ بولا تو اسی لحاظ سے یہ فرض خدا کی بابت میں ہے کہ ہم نالایقی اسکی کا ذکر نہ کرینگے
ہم تو ان افعالوں کو نالایق کہیں گے ۔ اور مفروضہ خدا کو جھوٹا خدا کہیں گے یہ تو ہم ایک امر واقعی دیکھتے ہیں
کہ گوشت حیوانوں کا خدا تعالیٰ نے انسانوں کیواسطے کلام الٰہی میں مباح کر دیا ہے ۔ اور بعض بعض جانوروں کو
بھی جیسا کہ شیر یا باز ہے فطرت نے مباح کر دیا ہے ۔ لیکن ایک واقعہ مرئی سے اسکا عدم مرئی مٹ نہیں
سکتا کوئی وجہ اسکے صادق ٹھہرانیکی ہوگی جو ہم کو نامعلوم ہو تو اس نامعلومی سے اسکی نفی نہیں ہو سکتی +

۱۲ ۔ مجسم ہونیسے جسم کو بھی الوہیت ٹھہرانا جناب کی اصطلاح ہوگی ہمارے تو یہ معنے ہیں کہ مجسم ہونیسے
مظہریت پر ایا ہے +

۱۳ ۔ کیوں جناب آپ ہماری نظیر بے نظیری اور بیجدی کو باطل کس طرح ٹھہرا سکتے ہیں جو ایک واقعہ
مصرح ہے اور کیا ان دونوں صفات کی ایک ہی ماہیت نہیں کیونکہ بے نظیر مطلق بیجدی سے نہیں ہو سکتا ۔ زمان و
مکان ان ہر دو کا ایک ہی رہتا ہے ۔ جناب غور فرما کر جواب دیں +

۱۴ ۔ جب ثبوت دکھلاویں گے کہ قرآن میں معجزہ ہیں اور قرآن خود ہی ایک معجزہ ہے تو ہم مان لینگے
لیکن کسی شخص نے ایک بادشاہ کے سامنے ایک لطیفہ کہا تہا ۔ کہ سات رومال لپیٹے ہوئے کہول کے رکھدیئے اور کہا
کہ جناب اسمیں نور ظہور کی پگڑی ہے مگر وہ حرام کے کو نظر نہیں آتی ۔ الا حلال کے کو نظر آتی ہے ۔ ایسا ہی کہ جناب
کا فرمانا ہے کہ اگر ہم کو وہ معجزات نہ نظر آئیں تو ہماری نظر کا قصور ہے تو ہم کو ایک گالی کھا لینا منظور ہے مگر جھوٹا
اقرار کر لینا منظور نہیں ۔ شق القمر کے معجزہ کی بابت میں جناب کو معلوم نہیں کہ شق القمر ہونا متلازم ساتھ قرب
قیامت کے ہے اور آگے اسکے صیغہ ان بروصیغہ مضارع کا ہے اور اس معجزہ سے پہلے سے تحدی سے یا تعارض کسی کے
نہیں ہوئی پس ایسی نظیریں جناب دیکر کس کو اطمینان بخشیں گے سو تو معلوم ۔ البتہ پیشگوئیاں قرآن میں بہت سی
ہیں لیکن پیشینگوئیاں دو قسم کی ہیں ایک وہ پیشینگوئی جو علم الٰہی سے ہوتی ہیں اور دوسری وہ جو عقل عامہ سے ہوتی
ہیں جو علم الٰہی کا انحصار کرے اسکی نظیر اگر جناب پیش کریں گے ہم اسپر غور کریں گے ۔ اور روم کے فارس سے مغلوب
ہونیکی پیشینگوئی دور اندیشی عقل عامہ کی ہے (آگے بولنے نہ دیا کہ وقت پورا ہو گیا)

دستخط
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

دستخط
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

مضمون آخری
حضرت میرزا
صاحب

مضمون آخری حضرت میرزا صاحب

(۵ جون ۱۸۹۳ء)

آج یہ میرا آخری پرچہ ہے جو میں ڈپٹی صاحب کے جواب میں لکھتا ہوں۔ مگر مجھے بہت افسوس ہے کہ جن شرائط کے ساتھ بحث شروع کیگئی تھی ان شرائط کا ڈپٹی صاحب نے ذرا پاس نہیں فرمایا شرط یہ تھی کہ جیسے میں اپنا ہر ایک دعویٰ اور ہر ایک دلیل قرآن شریف کی معقولی دلائل سے پیش کرتا گیا ہوں ڈپٹی صاحب بھی ایسا پیش کریں۔ لیکن وہ کسی موقعہ پر اس شرط کو پورا نہیں کر سکے۔ خیر اب ناظرین خود دیکھ لیں گے۔ اس جواب کے جواب الجواب میں صرف اتنا کہنا مجھے کافی ہے کہ ڈپٹی صاحب نے یہہ جو توبہ کی سورۃ کو پیش کر دیا ہے۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ایمان لانے پر قتل کا حکم ہے۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے بلکہ اصل مدعا وہی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں یعنے جو شخص اپنی مرضی سے باوجود واجب القتل ہونے کے ایمان لے آوے وہ رہائی پا جاویگا۔ سو اللہ تعالیٰ اس جگہ فرماتا ہے کہ جو لوگ رعایت سے فایدہ اُٹھاویں اور اپنی مرضی سے ایمان نہ لاویں ان کو سزائے موت اپنے پاداش کردار میں دی جائے گی۔ اس جگہ یہ کہاں ثابت ہوا کہ ایمان لانے پر جبر ہے۔ بلکہ ایک رعایت ہے جو اُن کی مرضی پر چھوڑی گئی ہے اور سات قوموں کا جو آپ ذکر فرماتے ہیں کہ اُن کو قتل کیا گیا۔ اور کوئی رعایت نہ کی گئی۔ یہ تو آیت کی تشریح کے برخلاف ہے۔ دیکھو قاضیوں ۲۸ و ۳۰/۱ کہ کنعانیوں سے جو ان سات قوموں سے ایک قوم ہے خراج لینا ثابت ہے۔ پھر دیکھو یشوع ۱۶/۱۰ اور قاضیوں ۱/۳۵ جو قوم اموریوں سے جزیہ لیا گیا +

پھر آپ اعادہ اسبات کا کرتے ہیں کہ قرآن نے یہ تعلیم دی ہے کہ خوف زدہ ہونیکی حالتمیں ایمان کو چھپا دے میں لکھ چکا ہوں کہ قرآن کی یہ تعلیم نہیں ہے۔ قرآن نے بعض ایسے لوگوں کو جن پر یہ واقعہ وارد ہو گیا تھا ادنے درجہ کے مسلمان سمجھ کر ان کو مومنوں میں داخل کر رکھا ہے۔ آپ اسکو سمجھ سکتے ہیں کہ ایک طبقہ کے ایماندار نہیں ہوا کرتے۔ اور آپ اسسے بھی نہیں انکار کریں گے کہ بعض دفعہ حضرت مسیح یہودیوں کے پتھراؤ سے ڈر کر ان سے کنارہ کر گئے اور بعض دفعہ توریہ کے طور پر اصل بات کو چھپا دیا۔ اور متی ۱۶/۲۰ میں لکھا ہے۔ تب اُس نے اپنے شاگردوں کو

حکم کیا کہ کسو نے نہ کہنا کہ میں یسوعؑ مسیح ہوں۔ اب انصاف سے کہیں کہ کیا یہ سچے ایمانداروں کا
کام ہے اور ان کا کام ہے جو رسول اور مبلغ ہو کر دنیا میں آتے ہیں کہ اپنے تئیں چھپائیں اس سے زیادہ
آپ کو ملزم کرنیوالی اور کونسی نظیر ہوگی۔ بشرطیکہ آپ فکر کریں۔ اور پھر آپ لکھتے ہیں کہ دلدل
میں آفتاب کا غروب ہونا سلسلہ مجازات میں داخل نہیں۔ مگر عینٍ حمئۃٍ سے تو کالا پانی
مُراد ہے اور اس میں اب بھی لوگ یہی نظارہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور مجازات
کی بنا مشاہدات عینیہ پر ہے جیسے ہم ستاروں کو کبھی نقطہ کے موافق کہدیتے ہیں اور آسمان
کو کبود رنگ کہدیتے ہیں اور زمین کو ساکن کہدیتے ہیں۔ پس جبکہ انہی اقسام میں سے یہ
بھی ہے تو اس سے کیوں انکار کیا جائے۔ آپ فرماتے ہیں کہ کلام مجسم بھی ایک استعارہ ہے
مگر کوئی شخص ثبوت دے کہ دنیا میں یہ کہاں بولا جاتا ہے کہ فلاں شخص کلام مجسم ہوکر آیا ہے
اور گوڈنس کی تاویل پھر آپ تکلف سے کرتے ہیں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ گوڈنس یعنے احسان
کوئی صفت صفات ذاتیہ میں سے نہیں ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے رحم آتا ہے یہ نہیں کہہ
سکتے کہ مجھے احسان آتا ہے۔ مگر آپ پوچھتے ہیں کہ اگر یونہی بغیر کسی کی مصیبت دیکھنے کے اس
سے خوش سلوکی کیجائے تو اسکو کیا کہیں گے۔ سو آپ کو یاد رہے کہ وہ بھی رحم کے وسیع مفہوم
میں داخل ہے۔ کوئی انسان کسی سے خوش سلوکی ایسی حالت میں کریگا۔ جب اوّل کوئی قوت
اس کے دل میں خوش سلوکی کے لئے وجوہات پیش کرے اور اُسکو خوش سلوکی کرنے کے لئے
رغبت دے تو پھر قوت رحم ہے جو نوع انسان کے ہر ایک قسم کی ہمدردی کے لئے جوش مارتی
ہے۔ اور جب تک کوئی شخص قابل خوش سلوکی کے قرار پاوے۔ اور کسی جہت سے قابل
رحم نظر آوے بلکہ قابل قہر نظر آوے تو کون اس سے خوش سلوکی کرتا ہے۔ پھر آپ فرماتے
ہیں کہ حیوانات کو قتل ہوتے دیکھ کر کیا ہم فرض کرلیں کہ خدا نے ظلم کیا۔ میں کہتا ہوں میں نے
کب اس کا نام ظلم رکھا ہے میں تو کہتا ہوں کہ یہ عملدرآمد مالکیت کی بناء پر ہے۔ جب آپ
اس بات کو مان چکے کہ تفاوت مراتب مخلوقات یعنے انسان وحیوانات کا بوجہ مالکیت ہے
اس کی تناسخ وجہ نہیں تو میرا سبات کو مانتے ہوئے کونسی ستر راہ ہے جو دوسرے لوازم
جو حیوان بننے سے پیش آگئے وہ بھی بوجہ مالکیت ہیں۔ اور بالآخر قرآن کریم کے بارہ میں
آپ پر ظاہر کرتا ہوں کہ قرآن کریم نے اپنے کلام اللہ ہونے کی نسبت جو ثبوت دیئے ہیں۔
اگرچہ میں اسوقت ان سب ثبوتوں کو تفصیلوار نہیں لکھ سکتا۔ لیکن اتنا کہتا ہوں کہ منجملہ

اِن ثبوتوں کے بیرونی دلایل جیسے پیش از وقت نبیوں کا خبر دینا جو انجیل میں بھی لکھا ہو۔ آپ پاؤگے دوسرے ضرورت حقہ کے وقت پر قرآن شریف کا آنا یعنے ایسے وقت پر جبکہ عملی حالت تمام دنیا کی بگڑ گئی تھی اور نیز اعتقادی حالت میں بھی بہت اختلاف آگئے تھے اور اخلاقی حالتوں میں بھی فتور آگیا تھا۔ تیسرے اس کی حقانیت کی دلیل اُس کی تعلیم کامل ہے کہ اُس نے آکر ثابت کر دکھایا کہ موسیٰ کی تعلیم بھی ناقص تھی جو ایک شق سزادہی پر زور ڈال رہے تھے اور مسیح کی تعلیم بھی ناقص تھی۔ جو ایک شق عفو اور درگذر پر زور ڈال رہی تھی۔ اور گویا اِن کتابوں نے انسانی درخت کی تمام شاخوں کی تربیت کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا۔ صرف ایک ایک شاخ پر کفایت کی گئی تھی۔ لیکن قرآن کریم انسانی درخت کی تمام شاخوں یعنے تمام قوٰے کو زیر بحث لایا۔ اور تمام کی تربیت کے لئے آپ نے اپنے محل و موقع پر حکم دیا جس کی تفصیل ہم اس تھوڑے سے وقت میں کر نہیں سکتے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی تعلیم ناقص تھی

انجیل کی کیا تعلیم تھی۔ جس پر مدار رکھنے سے سلسلہ دنیا کا ہی بگڑتا ہے اور پھر اگر یہی عفو اور درگذر عمدہ تعلیم کہلاتی ہے تو جین مت والے کئی نمبر اس سے بڑھے ہوئے ہیں۔ جو کیڑے مکوڑوں اور جوؤں اور سانپوں تک آزار دینا نہیں چاہتے۔ قرآنی تعلیم کا دوسرا کمال کمال تفہیم ہے یعنے اس نے ان تمام راہوں کے سمجھانے کے لئے اختیار کیا ہے جو تصور میں آسکتے ہیں۔ اگر ایک عامی ہے تو اپنی موٹی سمجھ کے موافق فائدہ اٹھاتا اور اگر ایک فلسفی ہے تو اپنے دقیق خیال کے مطابق اس سے صداقتیں حاصل کرتا ہے۔ اور اپنے تمام اصول ایمانیہ کو دلایل عقلیہ سے ثابت کر کے دکھلایا ہے۔ اور آیۃ تعالوا الی کلمۃ میں اہل کتاب پر یہ حجت پوری کرتا ہے کہ اسلام کا وہ کامل مذہب ہے کہ زوائد اختلافی جو تمہارے ہاتھ میں ہیں یا تمام دنیا کے ہاتھ میں ہیں ان زوائد کو نکالکر باقی اسلام ہی رہ جاتا ہے۔ اور پھر قرآن کریم کے کمالات میں تیسرا حصہ اس کی تاثیرات ہیں۔ اگر حضرت مسیح ع کے حواریوں اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا ایک نظر صاف سے مقابلہ کیا جائے تو ہمیں کچھ بتلانے کی حاجت نہیں۔ اس مقابلہ سے صاف معلوم ہو جائیگا کہ کس تعلیم نے قوت ایمانی کو انتہا تک پہونچا دیا ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اس تعلیم کی محبت سے اور رسول ص کے عشق سے اپنے وطنوں کو بڑی خوشی سے چھوڑ دیا۔ اپنے آراموں کو بڑی راحت کے ساتھ ترک کر دیا۔ اپنی جانوں کو فدا کر دیا۔ اپنے خونوں کو

رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے قوت ایمانی کو انتہا تک پہنچا دیا۔

صحابہ اور مسیح کے حواریوں کا مقابلہ

اس راہ میں بہا دیا۔ اور کس تعلیم کا یہ حال ہے۔ اس رسول کو یعنے حضرت مسیح کو جب یہودیوں نے پکڑا تو حواری ایک منٹ کے لئے بھی نہ ٹھہر سکے۔ اپنی اپنی راہ لی اور بعض نے تیس روپیہ لے کر اپنے نبی مقبول کو بیچدیا۔ اور بعض نے تین دفعہ انکار کیا اور انجیل کھول کر دیکھ لو کہ اُس نے لعنت بھیجکر اور قسم کھا کر کہا کہ اس شخص کو نہیں جانتا۔ پھر جبکہ ابتداء سے زمانہ کا یہ حال تھا۔ یہاں تک کہ تجہیز و تکفین تک میں بھی شریک نہ ہوئے تو پھر اس زمانہ کا کیا حال ہو گا۔ جب کہ حضرت مسیح ان میں موجود نہ رہے۔ مجھے زیادہ لکھانے کی ضرورت نہیں اِس بارہ میں بڑے بڑے علماء عیسائیوں نے اسی زمانہ میں گواہی دی ہے۔ کہ حواریوں کی حالت صحابہ کی حالت سے جس وقت ہم مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں شرمندگی کے ساتھ اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ حواریوں کی حالت ان کے مقابل پر ایک قابل شرم عمل تھا پھر آپ قرآنی معجزات کا انکار کرتے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ وہ معجزات جس تواتر اور قطعیت سے ثابت ہو گئے ان کے مقابل پر کسی دوسرے کے معجزات کا ذکر کرنا صرف قصّہ ہے اِس سے زیادہ نہیں۔ مثلاً ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اس زمانہ میں اپنی کامل کامیابی کی نسبت پیشگوئی کرنا جو قرآن شریف میں مندرج ہے یعنے ایسے زمانہ میں کہ جب کامیابی کے کچھ بھی آثار نہ نظر آتے تھے۔ بلکہ کفار کی شہادتیں قرآن شریف میں موجود ہیں کہ وہ بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ اب یہ دین جلد تباہ ہو جائے گا۔ اور ناپدید ہو جائے گا۔ ایسے وقتوں میں ان کو سُنایا گیا کہ یریدون ان یطفؤا نور اللہ یا فواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولوکرہ الکافرون ۱۰/۱۱ یعنے یہ لوگ اپنے منہ کی لاف وگزاف سے بکتے ہیں۔ کہ اس دین کو کبھی کامیابی نہ ہوگی۔ یہ دین ہمارے ہاتھ سے تباہ ہو جاوے گا۔ لیکن خدا کبھی اس دین کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور نہیں چھوڑے گا۔ جب تک اُسکو پورا نہ کرے۔ پھر ایک اور آیۃ میں فرماتا ہے۔ وعد اللہ الذین امنوا ۔۔ الخ ۱۸/۱۳ یعنے خدا وعدہ دے چکا ہے کہ اس دین میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفے پیدا کریگا۔ اور قیامت تک اُسکو قایم کرے گا۔ یعنے جس طرح موسےٰ ع کے دین میں مدت ہائے دراز تک خلیفے اور بادشاہ بھیجتا رہا۔ ایسا ہی اس جگہ بھی کرے گا۔ اور اُسکو معدوم ہونے نہیں دیگا۔ اب قرآن شریف موجود ہے۔ حافظ بھی بیٹھے ہیں دیکھ لیجیے کہ کفار نے کس دعوےٰ کے ساتھ اپنی رائیں ظاہر کیں۔

قرآنی معجزات

کہ یہ دین ضرور معدوم ہو جائیگا۔ اور ہم اُسکو کالعدم کر دیں گے اور اُن کے مقابل پر یہ پیشگوئی کی گئی جو قرآن شریف میں موجود ہے کہ ہرگز تباہ نہیں ہوگا۔ یہ ایک بڑے درخت کی طرح ہو جائے گا اور پھیل جائے گا۔ اور اس میں بادشاہ ہونگے اور جیسا کہ کزرع اخرج شطاہ ۱۶/۱۲ میں اشارہ ہے اور پھر فصاحت و بلاغت کے بارہ میں فرمایا ھذا لسان عربی مبین ۱۹/۱۵ اور پھر اسکی نظیر مانگی اور کہا کہ اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو اس کی نظیر دو۔ پس عربی مبین کے لفظ سے فصاحت بلاغت کے سوا اور کیا معنے ہو سکتے ہیں؟ خاصکر جب ایک شخص کہے کہ میں یہ تقریر ایسی زبان میں کرتا ہوں کہ تم اس کی نظیر پیش کرو تو بجز اسکے کیا سمجھا جائے گا کہ وہ کمال بلاغت کا مدعی ہے۔ اور مبین کا لفظ بھی اسی کو چاہتا ہے۔

بالآخر چونکہ ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب قرآن شریف کے معجزات سے عمداً منکر ہیں۔ اور اُس کی پیشگوئی سے بھی انکاری ہیں اور مجھ سے بھی اسی مجلس میں تین بیمار پیش کر کے ٹھٹھا کیا گیا۔ کہ اگر دین اسلام سچا ہے اور تم فی الحقیقت ملہم ہو تو ان تینوں کو اچھے کر کے دکھلاؤ۔ حالانکہ میرا یہ دعوٰے نہ تھا کہ میں قادر مطلق ہوں نہ قرآن شریف کے مطابق مواخذہ تھا بلکہ یہ تو عیسائی صاحبوں کے ایمان کی نشانی ٹھہرائی گئی تھی۔ کہ اگر وہ سچے ایماندار ہوں تو وہ ضرور لنگڑوں اور اندھوں اور بہروں کو اچھا کریں گے مگر تاہم میں اسکے لئے دعا کرتا رہا۔ اور آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دُعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اُس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لیکر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاویگا اور اسکو سخت ذلّت پہنچیگی بشرطیکہ حق کیطرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اُسکی اُس سے عزت ظاہر ہوگی اور اُس وقت جب

عبداللہ آتھم کے متعلق پیشگوئی

پیشینگوئی ظہور میں آویگی بعض اندھے سوجاکھے کئے جاوینگے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے اسیطرح پر جس طرح اللہ تعالٰی نے ارادہ فرمایا تھا سو الحمد للہ والمنہ مگر اگر یہ پیشینگوئی اللہ تعالٰے کیطرف سے ظہور نہ فرماتی تو ہمارے یہ پندرہ دن ضائع گئے تھے۔ انسان ظالم کی عادت ہوتی ہے کہ باوجود دیکھنے کے نہیں دیکھتا اور باوجود سننے کے نہیں سنتا اور باوجود سمجھنے کے نہیں سمجھتا اور جرأت کرتا ہے اور شوخی کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ خدا ہے لیکن اب میں جانتا ہوں کہ فیصلہ کا وقت آگیا۔ میں حیران تھا کہ اس بحث میں کیوں مجھے آنے کا اتفاق پڑا معمولی بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں۔ اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کیلئے تھا۔ میں اسوقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشینگوئی جھوٹی نکلی یعنے وہ فریق جو خدا تعالےٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کیلئے تیار ہوں مجھ کو ذلیل کیا جاوے۔ روسیاہ کیا جاوے میرے گلے میں رسہ ڈالدیا جاوے مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کیلئے تیار ہوں اور میں اللہ جلشانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کریگا ضرور کریگا ضرور کریگا۔ زمین و آسمان ٹل جائیں پر اسکی باتیں نہ ٹلیں گی۔

اب ڈپٹی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ نشان پورا ہو گیا تو کیا یہ سب آپکے منشاء کے موافق کامل پیشینگوئی اور خدا کی پیشینگوئی ٹھیریگی یا نہیں ٹھیریگی اور رسول اللہ صلعم کے سچے نبی ہونے کے بارہ میں جن کو اندرونہ بائیبل میں دجال کے لفظ سے آپ نامزد کرتے ہیں محکم دلیل ہو جائے گی یا نہیں ہو جائیگی۔ اب اس سے زیادہ میں کیا لکھ سکتا ہوں جبکہ اللہ تعالٰے نے آپ ہی فیصلہ کر دیا ہے۔ اپنا حق ہنسنے کی جگہ نہیں۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو میرے لئے سولی تیار رکھو۔ اور تمام شیطانوں اور بدکاروں اور لعنتیوں سے زیادہ مجھے لعنتی قرار دو۔ لیکن اگر میں سچا ہوں تو انسان کو خدا مت بناؤ۔ توریت کو پڑھو کہ اسکی اول اور کھلی تعلیم کیا ہے اور تمام نبی کیا تعلیم دیتے آئے۔ اور تمام دنیا کس طرف جھک گئی۔ اب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں اس سے زیادہ نہ کہوں گا۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریذیڈنٹ از جانب اہل اسلام	ہنری مارٹن کلارک پریذیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

تمام شد

دارالکتب اسلامیہ کی چند ضروری کتابیں

سلسلہ تصنیفات احمدیہ جلد اول۔ یہ جلد براہین احمدیہ کے ہر چہار حصص پر مشتمل ہے اس میں قرآن کریم اور آنحضرت صلعم کی حقانیت براہین نیرہ اور دلایل قاطعہ کے ساتھ ثابت کی گئی ہے قسم اول ولایتی کاغذ بے جلد عہ مجلد ے قسم دوم دیسی کاغذ بے جلد عہ مجلد عہ

سلسلہ تصنیفات احمدیہ جلد دوم۔ یہ جلد تین کتابوں پر مشتمل ہے سرمہ چشم آریہ شحنہ حق اور ایک عیسائی کے تین سوالوں کا جواب پہلی دو کتابوں میں آریہ اسلام پر جو اعتراض کرتے ہیں انکا دندان شکن جواب دیا گیا ہے اور انکے اپنے مذہب کی کمزوری کو بوضاحت ثابت کیا گیا ہے قیمت بے جلد عہ

سلسلہ تصنیفات احمدیہ جلد سوم جس میں حضرت مسیح موعود کی کتب فتح اسلام۔ توضیح مرام اور ازالہ اوہام شامل ہیں ان میں وفات مسیح اور دعاوی مسیح موعود پر مدلل اور مسکت بحث کی گئی ہے اسکے دوران میں قرآن کریم کے بہت سے اسرار و غوامض کا انکشاف کیا گیا ہے قیمت عہ مجلد ے

سلسلہ تصنیفات احمدیہ جلد چہارم یہ جلد چار کتابوں پر مشتمل ہے الحق مباحثہ لدھیانہ یعنی روئیداد مباحثہ مابین مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی و حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی الحق مباحثہ دہلی یعنی روئیداد مباحثہ مابین حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی و مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی و خط و کتابت مابین مولوی صاحب بھوپالی و مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی۔ آسمانی فیصلہ جس میں ہندوستان کے صوفیوں پیرزادوں فقیروں اور سجادہ نشینوں کو آسمانی فیصلہ کیطرف دعوت دی گئی ہے اور نشان آسمانی جس میں بعض ساکنان دنیا اور خاصکر نعمت اللہ ولی کی پیشگوئی دربارہ مسیح موعود کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ قیمت بے جلد عہ مجلد ے

سلسلہ تصنیفات احمدیہ جلد پنجم۔ یہ جلد چار کتابوں پر مشتمل ہے۔ آئینہ کمالات اسلام اس کتاب میں اسلام کی ذاتی خوبیوں کا تذکرہ دوسرے مذاہب سے اس کا مقابلہ پنجاب ہندوستان اور ممالک غیر کے پیرزادوں صوفیوں و گوشہ نشینوں وغیرہ کو تبلیغ اور اپنی سوانح ہیں۔ برکات الدعا اس کتاب میں دعا کی ماہیت اور فلسفہ اور سر سید احمد خاں کے عقاید دربارہ قبولیت دعا کا ابطال ہے جنگ مقدس یعنی روئیداد مباحثہ مابین حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی و ڈپٹی عبد اللہ آتھم عیسائی حجۃ الاسلام اور سچائی کا اظہار جس میں ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک اور بعض دیگر عیسائی صاحبان کو مقابلہ پر بلایا گیا ہے قیمت بے جلد عہ مجلد للعہ

ملفوظات احمدیہ۔ یہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی معرکۃ الآرا تقاریر کا مجموعہ ہے جنکو سلسلہ اخبارات سے لیکر کتاب کی شکل میں شایع کیا گیا ہے۔ حجم ۲۷۰ صفحات قسم اول ولایتی کاغذ بے جلد عہ قسم دوم دیسی کاغذ بے جلد عہ مجلد عہ

ترجمۃ القرآن انگریزی۔ انگریزی زبان میں ترجمہ و تفسیر تصنیف حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی لکھائی چھپائی نہایت عمدہ قیمت قسم اول ۲۵ روپیہ دوم ۲۰ روپیہ سوم ۱۵ روپیہ خرچ محصول ڈاک پیکنگ وغیرہ عہ

اسلامی اصول کی فلاسفی۔ یہ کتاب اس مضمون پر مشتمل ہے کہ جو بجز صدی چہاردہم مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جلسہ اعظم مذاہب کے لئے زیب رقم فرمایا جو دسمبر ۱۸۹۶ء میں شہر لاہور دار السلطنت پنجاب میں منعقد ہوا۔ قیمت صرف ۱۲

سیرۃ خیر البشر۔ شروع کتاب میں عرب کا نقشہ دیا گیا ہے۔ ملک عرب کی جغرافی حالت اور اس کا تعلق دوسرے ممالک و اقوام سے دکھایا گیا ہے۔ بعد میں تمام حصص دنیا میں مذہبی تاریکی اور روحانی فیض کا مفقود ہونا آپ کی بعثت سے پہلے اور بعثت کے وقت کے چند بڑے بڑے نشانات کا ذکر کیا گیا ہے جو ظہور پذیر ہوئے اور زمانہ بچپن سے لیکر آخر عمر تک کے حالات درج ہیں قیمت بے جلد عہ مجلد عہ

عصمت انبیا۔ قرآن شریف سے انبیاء علیہم السلام کی پاکدامنی کو ثابت کیا گیا ہے۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ قیمت ۹ر

الوصیت۔ اس میں حضرت امام علیہم السلام نے اپنی وصیت درج فرمائی ہے جو آپ نے حسب منشاء الٰہی اپنی وفات سے پہلے لکھ کر شایع کی ہے۔ بعد ضروری نوٹ مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے و عکس تحریر حضرت مرزا صاحب مسیح موعود جو آپ نے انجمن کے متعلق لکھی دوبارہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے چھپوا کر شایع کیا۔ قیمت ۲ر

غلامی۔ غلاموں اور لونڈیوں کے بارہ میں اسلام کے وہ اصول جو قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں ان سے ثابت کیا گیا ہے کہ مخالفین کے اعتراضات صداقت سے خالی ہیں۔ قیمت ۴ر

درثمین۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام اردو و فارسی نظموں کو جو آج تک شایع ہوئی ہیں یکجا جمع کیا گیا ہے۔ یہ مجموعہ واقعی قیمتی جواہرات پر مشتمل ہے اور اپنے اندر نہایت دلکش تاثیر رکھتا ہے۔ اردو بے جلد ۶ر مجلد ۹ر فارسی بے جلد ۶ر مجلد ۱۰ر مکمل بے جلد ۱۱ر مجلد عہ

جمع قرآن۔ قرآن کریم کی جمع و ترتیب کے متعلق تمام تاریخی واقعات کو نہایت تحقیقات سے لکھا گیا ہے اور جو اعتراضات حفاظت قرآن مجید پر غیر مذاہب والے کیا کرتے ہیں ان کی تردید کی گئی ہے۔ ڈاکٹر منگانا کے صفحات قرآنی کی حقیقت بھی الم نشرح کی گئی ہے۔ قیمت ۱۲ر

مقام حدیث۔ یہ تازہ تصنیف نہایت ہی قابل قدر ہے جس میں اہل قرآن کا مدلل اور فیصلہ کن جواب ہے۔ اس میں علاوہ ضرورت حدیث کے جمع حدیث اور تنقید حدیث پر مفصل بحث ہے۔ قیمت بے جلد عہ مجلد ۸ر

اسرار شریعت۔ جس میں شریعت اسلام کے جملہ احکام اور مسایل کی فلاسفی بیان کی گئی ہو اور مخالفین اسلام شریعت اسلام اور احکام قرآن کریم پر جو اعتراض کرتے ہیں عقلی اور فلسفی رنگ میں ان کا جواب دیا گیا ہو ایک ہزار صفحات کی کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے جس میں ایک ہزار مسایل پر عقلی اور فلسفی رنگ میں بحث کی گئی ہے۔ قیمت بجلد ۸ر مجلد ۴ر محصول ڈاک ۱۲

ادعیہ۔ قرآن کریم کی تمام دعائیں اور حدیث شریف کی وہ دعائیں جو رسول اللہ صلعم نے کسی کام کو شروع کرتے وقت یا اس کے اختتام پر پڑھی ہیں اور جن کا یاد کرنا بچوں کے لئے آسان ہے جیسے گھر سے نکلتے اور گھر میں داخل ہوتے مسجد میں داخل ہوتے مسجد سے نکلتے کھانا شروع کرتے اور ختم کرتے وقت بستر پر لیٹتے وقت سو کر اٹھتے وقت کسی سواری پر سوار ہوتے وقت سبق شروع کرتے وقت نیا کپڑا پہنتے وقت آئینہ دیکھتے وقت غرض ہر ایک موقعہ پر جو ہماری روزانہ زندگی میں پیش آتے ہیں رسول اللہ صلعم نے جو دعا مانگی ہے اسے لکھا گیا ہے۔ اس رسالہ کی قیمت ۳ر محصول ڈاک ۱ر

ملفوظات اولیاء امت۔ اس رسالہ میں اولیاء کرام کی تالیفات اور ملفوظات سے ایسے دعاوی اور الفاظ نکال کر جمع کئے گئے ہیں جن کی بنا پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر علماء نے کفر کا فتویٰ لگایا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سابق اولیاء کرام پر بھی زمانہ کے علماء نے کافر اور زندیق ملحد وغیرہ کے فتوے لگائے۔ قیمت ۴ر

درخواستیں بنام

مہتمم دار الکتب اسلامیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور آنی چاہئیں

(ہندوستانی پریس لاہور باہتمام سردار جسونت سنگھ مینیجر)